موازنۂ انیس و دبیر

شبلی نعمانی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

اشتراک

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سلسلۂ آصفیہ

موازنۂ انیس و دبیر

یعنی

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو، اور میر انیس و دبیر کا موازنہ

مؤلفہ

شبلی نعمانی

مطبع مفید عام آگرہ میں منشی محمد قادر علیخان صوفی کی اہتمام سی چھپا

سنہ ۱۹۰۷ء

(حلال) (اکہ آمادی نوشت)

ادبی ذوق

Biggest Urdu Literature Books Library

WWW.AdabiZouq.com

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
تمہید	۱
مرثیہ گوئی کی اجمالی تاریخ	۱
عرب کی مرثیہ گوئی	۲
فارسی مرثیہ گوئی	۴
اردو مین مرثیہ کی ابتدا اور اوسکی ترقی	۱۱
میر انیس	۱۶
میر انیس کے محاسن شاعری	۲۱
فصاحت	۲۱
کلام کی فصاحت	۲۳
کلام کی اصلی ترتیب کا قایم رہنا	۲۸
روزمرہ	۳۰
مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ کا استعمال	۳۱
بحر و ردیف و قافیہ کی موزونی	۳۲
بلاغت	۳۵
بلاغت کی تعریف	۳۶
ہر قسم کے مضمون کے بلاغت کے جداگانہ طریقے	۳۹
اشخاص کے لحاظ سے بلاغت کا انداز	۴۰
دشمن کی تعریف مین بلاغت کا انداز	۴۹
تسلسل بیان	۵۱
بلاغت کی جزیات اور اسکی مثالین	۵۴
استعارات اور تشبیہات	۶۸
صنایع و بدایع	۷۵
جذبات انسانی اور اسکی مثالین	۸۵
مناظر قدرت	۱۳۱
صبح کا سمان	"
گرمی کا سمان	۱۳۵
منظر یعنی کسی حالت کا سمان اور اوسکی مثالین	۱۳۷

Biggest Urdu Literature Books Library
WWW.AdabiZouq.com

مضمون	صفحہ
واقعہ نگاری	۱۶۱
میر انیس کی واقعہ نگاری کی خصوصیات	۱۶۳
واقعہ نگاری کی مثالیں	۱۶۵
رزمیہ	۱۹۴
ہنگامۂ جنگ	۱۹۶
فوج کی تیاری	۱۹۸
حملہ کا زور شور	۱۹۹
حریفوں کی باہمی معرکہ آرائی اور فنون جنگ	۲۰۵
گھوڑے کی تعریف	۲۱۰
تلوار	۲۱۴
سلام	۲۲۱
رباعیات	۲۲۳
میر انیس کے کلام پر اعتراضات	۲۲۵
سرقات	۲۳۳
انیس اور دبیر کا موازنہ	۲۳۶
مرزا دبیر کے کلام کے عیوب	۲۳۷
فصاحت کا نہ ہونا	〃
بندش کی سستی اور ناہمواری	۲۴۰
تعقید	۲۴۹
تشبیہ اور استعارے	۲۵۱
مضمون بندی اور خیال آفرینی	۲۵۳
بلاغت	۲۶۰
انیس اور دبیر کے مستعد المضمون مرثیے اور مستعد المضمون اشعار	۲۸۱ تا خاتمۂ کتاب

Biggest Urdu Literature Books Library
WWW.AdabiZouq.com

تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

شمع ہا بردہ ام از صدق بہ خاک شہدا		تا دل و دیدۂ خون نابہ فشانم دادند	

فلسفہ اور شاعری برابر درجہ کی چیزین ہین، لیکن قوم کی بدمذاقی سے جس قسم کی شاعری نے ملک مین قبول عام حاصل کرلیا ہے، اس نے لوگون کو یقین دلادیا ہے کہ اُردو شاعری مین زلف وخال وخط، یا جھوٹی خوشامد اور مداحی کے سوا اور کچھ نہین ہے، میر تقی کی غزلیت، درد کا تصوف، غالب کا فلسفہ شاعری کی جان ہین، لیکن ان بیش بہا خزانون مین سے بھی، عام لوگون کی نگاہ صرف خزف ریزون پر پڑتی ہے میر انیس کا کلام، شاعری کے تمام اصناف کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے، لیکن اُن کی قدردانی کا طُغرا ے امتیاز صرف اسقدر ہے کہ "کلام فصیح ہوتا ہے، اور بہین اچھا لکھتے ہین" بدمذاقی کی نوبت یہانتک پہنچی کہ وہ، اور مرزا دبیر حریف مقابل قرار دئے گئے، اور مدت ہاے دراز کی غور وفکر، کد وکاوش، بحث وتکرار کے بعد بھی فیصلہ نہ ہوسکا کہ ترجیح کا مسند نشین کسکو کیا جائے،

اس بنا پر مدت سے میرا ارادہ تھا کہ کسی ممتاز شاعر کے کلام پر تقریظ وتنقید لکھی جائے، جس سے اندازہ

Biggest Urdu Literature Books Library
WWW.AdabiZouq.com

ہوسکے کہ اُردو شاعری، باوجود کم مایگی زبان، کیا پایہ رکھتی ہے، اِس غرض کے لئے میر انیس سے زیادہ کوئی شخص انتخاب کے لئے موزون نہین ہوسکتا تھا، کیونکہ اُن کے کلام مین شاعری کے جس قدر اصناف پائے جاتے ہین، اور کسی کے کلام مین نہین پائے جاتے، شکر ہے کہ آج، اُس ارادہ کے پورے ہونے کی نوبت آئی، اور یہ کتاب، ناظرین کی خدمت مین پیشکش ہے، اس کتاب مین میر انیس کا موازنہ بھی مرزا دبیر سے کیا گیا ہے اور اس مناسبت سے اسکا نام **موازنہ** ہے۔

شاعری کیا چیز ہے؟ یہ ایک نہایت مفصل اور دقیق بحث ہے۔ ارسطو نے اس پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جسکا ترجمہ عربی زبان مین ابن رشد نے کیا اور اسکا بڑا حصہ چھپ کر شایع بھی ہوچکا ہے۔ ابن رشیق قیروانی اور ابن خلدون نے بھی اسپر بحث کی ہے۔ انگریزی زبان مین نہایت اعلیٰ درجہ کی کتابین، اس مسئلہ پر لکھی گئی ہین جن مین سے بعض میری نظر سے بھی گزری ہین، گو مین اُن سے اچھی طرح مستفید نہین ہوسکا، **شعر العجم** مین، مین اس مضمون کو انشاء اللہ نہایت تفصیل سے لکھون گا، یہان صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ کہ شاعری کے دو جز ہین **مادّہ و صورت**۔ یعنی کیا کہنا چاہیئے اور کیونکر کہنا چاہیئے؟ انسان کے دل مین کسی چیز کے دیکھنے، سننے۔ یا کسی حالت، یا واقعہ کے پیش آنے سے، جوش، مسرت۔ عشق و محبت، درد و رنج، فخر و ناز۔ حیرت و استعجاب۔ طیش و غضب، وغیرہ وغیرہ کی جو حالت پیدا ہوتی ہے اسکو **جذبات** سے تعبیر کرتے ہین، ان جذبات کا ادا کرنا شاعری کا اصل **جیولی** ہے اِنکے سوا عالم قدرت کے مناظر مثلاً گرمی و سردی، جمع و شمار، بہار و خزان، باغ و بہار۔ دشت و صحرا، کوہ و بیابان، کی تصویر کھینچنا، یا عام واقعات اور حالات کا بیان کرنا بھی اسی مین داخل ہے،

لیکن یہ شرط ہے کہ جو کچھ کہا جائے اس انداز سے کہا جائے کہ جو اثر شاعر کے دل مین ہے وہی سننے والون پر بھی چھا جائے، یہ شاعری کا دوسرا جز یعنی اسکی **صورت** ہے، اور انہی دونون جزون کے مجموعہ کا نام شاعری ہے۔ باقی، خیال بندی، مضمون آفرینی، دقت پسندی، مبالغہ، صنایع و بدایع، شاعری کی حقیقت مین

Biggest Urdu Literature Books Library
WWW.AdabiZouq.com

داخل نہین، اگرچہ بعض جگہ یہ چیزین نقش و نگار اور زیب زینت کا کام دیتی ہین۔

میر انیس کی شاعری کو اسی معیار سے جانچنا چاہیئے جسکا مختصراً بیان ہوا، جس شخص کو یہ معیار تسلیم نہ ہو اسکے سامنے میر انیس کی نسبت، کمال شاعری کا دعویٰ نہین کیا جاسکتا،

میر انیس اور تمام مرثیہ گویون کے کلام مین جن لوگون کا ذکر اکثر آتا ہے، اور جو مرثیہ کے ہیرو ہین، اُن کا نام، اور اُن کی خصوصیات ذیل مین اس غرض سے لکھی جاتی ہین کہ واقعہ، اور روایت کے سمجھنے مین مدد ملے اور محاسن شعری، اور اسالیب بلاغت کے نکات سمجھ مین آئین،

حضرت عباسؑ — حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائی ہین، اور گو حقیقی بھائی نہین لیکن حقیقی بھائیون سے زیادہ مخلص اور جان نثار ہین، اس خصوصیت کو ہر جگہ دکھایا ہے۔ اس کے ساتھ ان کی شجاعت و بہادری اور جوانانہ جوش کو ہر موقع پر نمایان کیا ہے۔

حضرت زینبؑ — حضرت امام حسین علیہ السلام کی بہن، جو سب سے زیادہ امام علیہ السلام سے محبت رکھتی تھین، انکے دو صاحبزادے تھے، عون و محمد، دونون کو انہون نے امام پر نثار کر دیا،

عونؑ و محمدؑ — حضرت زینب کے صاحبزادے۔

حضرت صغریٰؑ — امام حسین علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی، جن کو امام علیہ السلام، مدینہ مین چھوڑ آئے ان کی جدائی اور رخصت کو، تمام مرثیہ گویون نے بڑے درد اور اثر کے ساتھ لکھا ہے

حضرت سکینہؑ — امام علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی جو قید خانہ کی تکلیفون سے انتقال کر گئین (حسب خیال مرثیہ گویان اُردو)

حضرت علی اکبر — امام علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے، ان کو حضرت زینبؑ نے پالا تھا،

Biggest Urdu Literature Books Library
WWW.AdabiZouq.com

اور اپنے بیٹون سے زیادہ انکو عزیز رکھتی تھین، اس بنا پر وہ حضرت زینبؑ ہی کو اپنا مالک و مختار سمجھتے تھے، اور ان سے زیادہ اُنکا ادب کرتے تھے،

علی اصغر امام علیہ السلام کے شش ماہہ صاحبزادے جنکو دشمنون نے امام علیہ السلام کی گود مین شہید کیا۔

حضرت سجادؑ امام زین العابدین، جو بیماری کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے تھے اور دشمن ان کو ہتھکڑیان پہنا کر شام تک پیادہ پا لے گئے تھے،

حضرت شہربانو امام علیہ السلام کی حرم محترم جو نوشیروان کی پوتی تھین،

حُر یزید کے رسالہ کا سپہ سالار تھا، لیکن خدا نے ہدایت کی، اور امام علیہ السلام کی فوج مین آکر شامل ہو گیا،

ادبی ذوق
Biggest Urdu Literature Books Library
WWW.AdabiZouq.com

مرثیہ گوئی کی اجمالی تاریخ

عرب مین جو فارسی اور اُردو شاعری کا سرچشمہ ہے، شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی، اور یہی ہونا چاہیئے تھا، عرب مین شاعری کی ابتدا بالکل فطرت کے اصول پر ہوئی، یعنی جو جذبات دلون مین پیدا ہوتے تھے وہی اشعار مین ادا کر دیئے جاتے تھے، جذبات مین، درد و غم کا جذبہ، اور جذبات سے قوی تر ہے، اور جس جوش سے یہ ظاہر ہوتا ہے اور جذبات ظاہر نہین ہو سکتے، فرض کرو، ایک شخص کے گھر مین بہت تمناؤن کے بعد بیٹا پیدا ہوا، تو اُس کو گو بہت کچھ خوشی ہوگی لیکن وہ اس خوشی کو کسی مجمع عام مین، اشعار یا خطبہ کے ذریعہ سے ظاہر نہین کریگا، اور کرے بھی تو کلام مین کوئی غیر معمولی تاثیر نہوگی، لیکن اگر یہی لڑکا مرجائے تو اسکی کیا حالت ہوگی؟ وہ سرتاپا جوش بن جائیگا، اُسکی آہ وزاری لوگون کو تڑپا دیگی، اور اگر وہ شاعر ہے، تو اُسکے مرثیے دلون پر نشتر کا کام دین گے۔

بہرحال عرب مین چونکہ شاعری کی ابتدا اظہار جذبات سے ہوئی تھی، اس لئے سب سے پہلے شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی، جو سب سے قوی تر جذبہ کا اثر ہے۔

مرثیئے عین اُس حالت مین کہے جاتے تھے، جبکہ شاعر کا دل درد و غم سے لبریز ہوتا تھا، اس کا شاعری پر ایک خاص اثر یہ ہوا کہ قصائد کی ابتدا جو عام طور تشبیب اور غزل سے کی جاتی تھی، مرثیہ کے قصائد مین یہ طرز متروک ہوگیا، کیونکہ رنج و غم کی حالت مین عشق و محبت کے خیالات کا کیا موقع تھا، عرب مین اسکی مخالف، صرف ایک مثال موجود ہے، یعنی درید بن الصمہ ایک شاعر نے اپنے بھائی کا مرثیہ جو لکھا اس کی ابتدا غزل سے کی تھی، جس کا مطلع یہ تھا۔

قصائد پر مرثیہ کا اثر

أرثت جديد الحبل من ام معبد	لعاقبة او اخلفت كل موعد

لیکن اسکی وجہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین یہ لکھی ہے کہ یہ مرثیہ واقعہ کے پورے ایک برس کے بعد لکھا گیا تھا۔

اگرچہ جاہلیت ہی کے زمانہ مین مرثیہ گوئی کو بہت ترقی ہوچکی تھی، اور بہت سے شعرا نے بڑے بڑے پُراثر مرثیے لکھے تھے لیکن دو شخص اس زمانہ مین بہت نامور ہوئے، خنسا، اور متمم بن نویرہ۔ خنسا ایک عورت تھی جس کو اپنے بھائی صخر سے بے انتہا محبت تھی۔ صخر ایک لڑائی مین مارا گیا، خنسا پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ اسکے حواس جاتے رہے، اس نے صخر کی پھٹی پُرانی جوتیون کا ہار بناکر گلے مین ڈالا اور دیوانہ وار پھرنے لگی، اسی حالت مین صخر کے مرثیے کہنے شروع کئے، ان مرثیون کو پڑھتی تھی، اور نوحہ کرتی تھی، ایک دفعہ اسی حالت مین حج کو گئی، یہ حضرت عمر فاروق کا زمانہ تھا، وہ حرم کا طواف کرتی، اور سینہ پر دوہتڑ مارتی جاتی تھی، حضرت عمر نے دیکھا تو ڈانٹا، اس نے اپنی داستان بیان کی، حضرت عمر نے کہا ہان! لیکن ماتم کے اس طریقے کو اسلام نے مٹادیا، وہ اور بیتاب ہوگئی، اور اُس وقت بے اختیار اُس کی زبان سے چند شعر نکلے، جن کا مطلع یہ ہے۔

هريقي من دموعك واستفيقي	وصبرا ان اطقت ولم تطيقي

(اپنے نفس سے مخاطب ہوکر) آنسو بہا اور اس سے تسلی حاصل کر، اور صبر کر اگر تجھ سے کیا جائے، لیکن تو کر نہین سکنے کی،

متمم بن نویرہ بھی اسی زمانہ مین تھا اور وہ بھی اپنے بھائی کا شیفتہ اور عاشق تھا، ایک لڑائی مین خالد بن الولید نے اس کے بھائی کو مار ڈالا، اس پر متمم کی یہ حالت ہوئی کہ گھر بار چھوڑ کر نکلا، اور قبائل عرب مین پھرنا شروع کیا، جہان پہونچتا تھا تمام زن و مرد اس کے گرد جمع ہوجاتے تھے، وہ دردانگیز لہجہ مین مرثیہ پڑھتا، اور ہر طرف سے گریہ وزاری کی آواز بلند ہوتی، اس کی یہ حالت دیکھ کر لوگون نے سمجھایا، کہ تم جلد ہلاک ہوجاؤ گے، اور تمھارے خاندان کی کوئی یادگار باقی نہ رہے گی، اس لئے تم شادی کرلو کہ اولاد کے ذریعہ سے خاندان کا نام رہجائے،

لوگون کے اصرار سے مجبور ہوکر اُسنے شادی کی، لیکن بیوی کی طرف التفات نہ کرسکا، آخر طلاق دینی پڑی، اسی حالت مین حضرت عمر کے پاس آیا، وہ اُس وقت مسجد نبوی مین تشریف رکھتے تھے، متمم نے مرثیہ کے اشعار پڑھنے شروع کئے، حضرت عمر اگرچہ نہایت مضبوط دل کے آدمی تھے، لیکن ضبط نہ کرسکے، بے اختیار آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، متمم مرثیہ پڑھ چکا تو حضرت عمر نے کہا، الی ما بلغ بک الحال، یعنی تیرے غم کی حالت کس حد تک پہونچی ہے؟ اس نے کہا امیر المومنین! بچپن مین مجھکو ایک عارضہ ہوگیا تھا، جسکی وجہ سے میری بائین آنکھ کی رطوبت جاتی رہی تھی، مین کبھی روتا تھا تو اُس آنکھ سے آنسو نہین نکلتے تھے، بھائی کے مرنے کے بعد جو اس آنکھ سے آنسو جاری ہوئے تو ابتک نہین تھمے۔

حضرت عمر نے اس سے فرمایش کی کہ اُن کے بھائی زید کا مرثیہ لکھے، اُسنے فرمایش پوری کی، لیکن جب دوسرے دن جاکر حضرت عمر کو سنایا، تو حضرت عمر نے کہا، کہ اسمین تو وہ درد نہین ہے، اس نے کہا، امیر المومنین! زید آپ کے بھائی تھے میرے بھائی نہ تھے،

اس زمانہ تک مرثیہ صرف وہ لوگ کہتے تھے جن پر کوئی غیر معمولی حالت طاری ہوتی تھی، اس کے بعد جب شاعری اصلی حالت سے بدل کر کسب معاش کا ذریعہ بنی تو مرثیہ گوئی کو خود بخود زوال ہوا کیونکہ مدحیہ قصائد کی طرح اس سے کچھ صلہ نہین مل سکتا تھا، تاہم چونکہ عرب مین ابھی تک قدیم اوصاف کچھ کچھ باقی تھے اس لئے بعض مرثیے اس زمانہ کے بھی ایسے ملتے ہین جن مین اثر اور جوش پایا جاتا ہے۔

اسی زمانہ مین کربلا کا قیامت انگیز واقعہ پیش آیا۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ اگر عرب کے اصلی جذبات موجود ہوتے تو اس زور کے مرثیے لکھے جاتے کہ تمام دنیا مین آگ لگ جاتی۔ لیکن اُدھر تو عرب کے پُرزور جذبات مین انحطاط آچکا تھا، اِدھر بنو امیہ کی ظالمانہ سطوت اور جباری نے تمام شعرا کی زبانین بند کردی تھین، فرزدق بنو امیہ کے پائے تخت کا شاعر تھا، لیکن جب اسنے ایک موقع پر فوری جوش سے حضرت امام زین العابدینؑ کی مدح مین فی البدیہہ چند شعر کہے تو عبد الملک بن مروان نے اسکو جیل خانہ بھیجدیا۔

بنو امیہ کے بعد دولت عباسیہ کا دور آیا، اس عہد مین شاعری کو بہت ترقی ہوئی لیکن اُنھی اصناف کو ترقی ہوئی جن کو صلہ اور انعام سے تعلق تھا، اسلئے مرثیہ گوئی اب بھی اُسی حالت مین رہی۔

البتہ معن اور جعفر برمکی کی فیاضیون نے ایک عالم کو ممنون احسان بنا رکھا تھا، اس لئے اُنکے مرنے پر جو مرثیے لکھے گئے، اُن مین سے اکثر پُر اثر اور درد انگیز تھے[1]،

فارسی مرثیے

فارسی شاعری کی بنیاد تکلف، آورد، اور مداحی پر قائم ہوئی تھی، اس لئے شاعری کے وہ انواع جنکو جذبات سے لازمی تعلق تھا دفعۃً پستی کی حالت مین آگئے، تاہم چونکہ آغاز مین ہر چیز مین فطرت کا اثر پایا جاتا ہے، اس لئے فردوسی اور فرخی وغیرہ کی شاعری مین جابجا جذبات کا اظہار بہت خوبی کے ساتھ نظر آتا ہے۔

فردوسی نے سہراب کا مرثیہ جو اس کی ماں کی زبان سے لکھا ہے، اُس کے اشعار سے اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

بمادر خبر شد کہ سہراب گرد	ز تیغ پدر خستہ گشت و بمرد
خروشید و جوشید و جامہ درید	بزاری بران کودک نارسید
بزد چنگ و بدرید پیراہنش	درخشان شد آن لعل زیبا تنش
برآورد بانگ و غریو و خروش	زمان تا زمان زو همی رفت ہوش
فرو برد ناخن دو دیدہ بکند	برآورد بالا در آتش فگند
مر آن زلف چون تاب دادہ کمند	بہ انگشت پیچید و از بن بکند
روان گشت از روی او جوی خون	زمان تا زمان اندر آمد نگون
ہمہ خاک تیرہ بسر بر فگند	بدندان ز بازوی خود گوشت کند

[1] عرب کی مرثیہ گوئی کا مضمون ایک نہایت وسیع مضمون ہے لیکن ہمکو اقتضائے مقام سے نہایت اختصار کرنا پڑا، کتاب العمدہ ابن رشیق نے باب المراثی مین اسپر مفصل بحث کی ہے۔

بسر بر فگند آتش و بر فروخت — همه موے مشکین بآتش بسوخت

همی گفت کاے جان مادر کنون — کجائی سرشته بخاک و بخون ؟

دو چشم بره بود گفتم مگر — ز سهراب و رستم بیابم خبر

گمانم چنان بود، گفتم کنون — بگشتی بگرد جهان اندرون

پدر را همی جستی و یافتے — کنون بآمدن نیز بشتافتی

چه دانستم اے پور کاید خبر — که رستم بخنجر دریدت جگر

دریغش نیامد ازان روی تو — وزان بر و بالاے و بازوی تو

بپرورده بودم تنش را بناز — برخشنده روز و شبان دراز

کنون آن بخون اندرون غرقه گشت — کفن بر تن پاک او خرقه گشت

کنون من کرا گیرم اندر کنار — که خواهد بدن مر مرا غمگسار

کرا گویم این درد و تیمار خویش — کرا خوانم اکنون بجاے تو پیش

پدر جستی اے گرد لشکر پناه — بجاے پدر گورت آمد براه

از امید نامید گشتی تو زار — بخفتی بخاک اندرون زار و خوار

ازان پیش کو دشنه را برکشید — جگرگاه سیمین تو بر درید

چرا آن نشانے که مادرت داد — ندادی برو بر نگردیش یاد

نشان داده بد از پدر مادرت — ز بهر چه نامد همی باورت

کنون مادرت ماند بے تو اسیر — پر از درد و تیمار و رنج و زحیر

چرا نامدم با تو اندر سفر — که گشتی بگردان گیتی سمر

مرا رستم از دور بشناختے — ترا با من اے پور بنواختے

بینداختی تیغ آن سر فراز | نکردی جگرگاہت اے پور باز
ہمی گفت و می خست و میکند موے | ہمی زد کف دست بر خوبروے
ہمی گفت مادرت بیچارہ گشت | بہ خنجر جگرگاہ تو پارہ گشت

اسی زمانہ کے قریب سلطان محمود کی وفات پر فرخی نے مرثیہ لکھا جو نہایت موثر اور دردانگیز ہے ؎

شہر غزنین نہ ہمان است کہ من دیدم پار | چہ فتاد است؟ کہ امسال دگرگون شد کار
کوہیا بینم پرشورش و سرتا سر کوے | ہمہ پرجوشن و جوشن در و پر خیل و سوار
ملک امسال دگر باز نیامد ز غزا | دشمنے روے نہاد است درین شہر و دیار
آہ و درد کہ یکبارہ تہی بینم ازو | کاخ محمودی و آن خانۂ پر نقش و نگار
سیر می خوردہ مگردی، دنخفتہ است امروز | دیر ترخاست، مگر رنج رسیدش زخمار
خیز شاہا! کہ رسولانِ شہان آمدہ اند | ہدیہا دارند آوردہ فراوان و نثار
کہ تواند؟ کہ برانگیزد ازین خواب ترا | خفتنی خفتی، کز خواب نگردی بیدار
خفتنِ بسیار، اے خسرو! خوے تو نبود | ہیچ کس خفتہ ندید است ترا زین کردار
یک دمک، بارے در خانہ بیا نشست | تا بدیدندے روے تو عزیزان و بتار
بہ حصار از فزع و بیم تو رفتند شہان | تو شہا از فزع و بیم کہ رفتی بکنار؟
شعرا را بتو بازار برافروختہ بود | رفتی و با تو یکبارہ برفت آن بازار

اس دور کے بعد مرثیے بہت کم لکھے گئے اور جو لکھے گئے وہ صرف رسمی مرثیے تھے، جن سے شاعری کے تمام اقسام پر قادر ہونے کا اظہار مقصود تھا، البتہ شیخ سعدی اور امیر خسرو کے دو مرثیے، بہت مشہور ہیں، اور چونکہ دل سے نکلے ہیں حسرت خیز اور دردانگیز ہیں، لیکن چونکہ اس زمانہ کی عیش و طرب کی مجلسیں غزل کے ترانوں سے گونج رہی تھیں اسلئے ان کا اثر عام نہیں ہوا، جب صفویہ اور تیموریہ کا دور آیا تو شاعری نے ایک

دوسرا قالب اختیار کیا، اور سنائی، نظیری، عرفی کی زور آوریون نے پرانی بنیادین مٹا کر نئی عمارتین قائم کین، اس زمانہ مین محتشم کاشی نے عام دستور کے موافق شاہ طہماسپ صفوی کی مدح مین ایک قصیدہ لکھا طہماسپ کو خاندانِ رسالت سے عشقیہ نیازمندی تھی، اس بنا پر اسنے کہا کہ مین اس بات کو ہرگز پسند نہین کرتا کہ میری مدح مین قصائد لکھے جائین، شعرا کو ائمہ اہل بیت کی شان مین طبع آزمائی کرنی چاہیئے، جسکا اصلی صلہ خدا کے دربار سے ملیگا اور دنیوی تمتعات دربار شاہی سے حاصل ہونگے، محتشم نے اس خواہش کے موافق آٹھ دس بندون کا ایک مرثیہ لکھا جو درد و غم کی مجسم تصویر ہے، اور جس کا جواب آج تک نہو سکا اس مرثیہ کے چند بند یہ ہین،

مرثیہ محتشم کاشی

چون خون ز حلق تشنہ او بر زمین رسید
جوش از زمین بہ زروہ عرش برین رسید

نخلِ بلند او چو خسان بر زمین زدند
طوفان بہ آسمان ز غبار زمین رسید

باد آن غبار چون بمزار نبی رساند
گرد از مدینہ بر فلک ہفتمین رسید

کرد این خیال وہم غلط کار کان غبار
تا دامن جلال جہان آفرین رسید

ہست از ملال گرچہ بری ذات ذوالجلال
او در دل است و ہیچ دلی نیست بے ملال

ترسم جزاے قاتل او چون رقم زنند
یکبار بر جریدۂ رحمت قلم زنند

ترسم کزین گناہ شفیعان روز حشر
دارند شرم کز گنہ خلق دم زنند

دستِ عتاب حق، بدر آید ز آستین
چون اہل بیت، دست بر اہل ستم زنند

آہ از دمے کہ با کفن خون چکان ز خاک
آل علی چو شعلۂ آتش علم زنند

فریاد از آن زمان کہ جوانانِ اہل بیت
گلگون قدم بہ عرصۂ محشر قدم زنند

از صاحب حرم چه توقع کنند باز
آن ناکسان که تیغ بصید حرم زنند

پس بر سنان کنند سرے را کہ جبرئیل
شوید غبار گیسوئش از آب سلسبیل

بر جربگاہ[1] چون رہ آن کاروان فتاد
شور نشور واہمہ را در گمان فتاد

ہم بانگ نوحہ، غلغلہ در شش جہت فگند
ہم گریہ بر ملائک ہفت آسمان فتاد

چندان کہ بر تن شہدا چشم کار کرد
بر زخم ہائے کاری تیغ و سنان فتاد

ناگاہ چشم دختر زہرا دران میان
بر پیکر شریف امام زمان فتاد

بے اختیار نعرہ ھذا حسینؑ از و
سر زد چنانکہ آتش از و در جہان فتاد

پس با زبان پر گلہ آن بضعۃ البتول
رو در مدینہ کرد کہ یا ایہا الرسول

این کشتہ فتادہ بہ ہامون حسینؑ تست
وین صید دست و پا زدہ در خون حسینؑ تست

این غرقۂ محیط شہادت، کہ روے دشت
از موج خون او شدہ گلگون حسینؑ تست

این خشک لب فتادہ ممنوع از فرات
کز خون او زمین شدہ جیحون حسینؑ تست

این شاہ کم سپاہ کہ با خیل اشک و آہ
خرگاہ ازین جہان زدہ بیرون حسینؑ تست

این قالب طپان کہ چنین ماندہ بر زمین
شاہ شہید ناشدہ مدفون حسینؑ تست

پس روے در بقیع بہ زہراؑ خطاب کرد
وحش زمین و مرغ ہوا را کباب کرد

کاے مونس شکستہ دلان حال ما ببین
ما را غریب و بیکس و بے آشنا ببین

[1] ایک بند اس سے پہلے کا چھوڑ دیا گیا ہے، جس میں یہ بیان ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد مخالفین اہل حرم کو بے عماری کے اونٹوں پر سوار کر کے شہدا کی لاشوں کے سامنے سے لیگئے۔

تنہا سے کشتگان ہمہ در خاک و خون نگر	سرہاے سروران ہمہ بر نیزہا ببین
آن سر کہ بود بر سر دوش نبی مدام	یک نیزہ اش ز دوش مخالف جدا ببین
وان تن کہ بود پرورشش، در کنار تو	غلطان بہ خاک معرکۂ کربلا ببین
در خلد بر حجاب دو کون آستین فشان	واندر جہان مصیبت ما بر ملا ببین
نے نے دراچو ابر خروشان بکربلا	طغیان سیل فتنہ و موج بلا ببین

یا بضعۃ البتول زابن زیاد داد ٭ ٭
کو خاک اہل بیت رسالت بباد داد

محتشم کے مرثیہ کو اگرچہ حد سے بڑھکر حسن قبول حاصل ہوا، اور دربار شاہی سے صلہ اور انعام بھی ملا، لیکن تمام ملک مین قصیدہ اور مدح کا رنگ اس قدر چھایا ہوا تھا، کہ عام شعرا پر اس کا چندان اثر نہین پڑا، طالب آملی غزالی۔ میلی۔ سلیم۔ کلیم وغیرہ شعراے متاخرین کے کلام مین اور سب اصناف سخن پاے جاتے ہین۔ لیکن مرثیہ کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ حاجی محمد جان قدسی نے اپنے بیٹے کا جو نوجوان مرگیا تھا، نہایت پر درد مرثیہ لکھا، لیکن نوباوہ رسالت کے غم مین دو شعر بھی نہ لکھے، ظہوری نے البتہ بہت سے مرثیے لکھے، لیکن وہ اپنا دلی جوش نہ تھا، بلکہ ابراہیم عادل شاہ کی خوشامد تھی، چنانچہ اکثر مرثیون کے خاتمہ مین ابراہیم عادل شاہ کا نام اس طرح آتا ہے جس طرح قصائد مین تشبیب کے بعد گریز۔

ایک بند کے خاتمہ کا شعر ہے ؎

سر کن ز روے صدق، ظہوری رہ دعا	از گفتگو، دعاے شہنشاہ مدعا است

خود کہتا ہے کہ مرثیہ سے صرف بادشاہ کی دعا مقصود ہے۔

ایک اور مرثیہ کا خاتمہ ہے ؎

ایام ازان بہ کام حسین و حسن نبود	کان روز شہریار سریر دکن نبود

ایک اور موقع پر فرماتے ہین ؎

روزے کہ سرور شہدا بے سپاہ بود	ہنگام کارزار براہیم شاہ بود

اس خوشامد کا کیا ٹھکانا ہے کہ حسین علیہ السلام کی ناکامیابی کی یہ وجہ تھی کہ اس زمانہ مین بادشاہ دکن موجود نہ تھا۔

محتشم کے بعد مقبل نے مرثیہ گوئی کی طرف خاص توجہ کی، اسنے مرثیہ ہی کو شاعری کا موضوع قرار دیا، نہایت کثرت سے مرثیے لکھے، اور بڑا کام یہ کیا کہ کربلا کے تمام واقعات، ابتدا سفر سے لیکر اہل حرم کے مقید ہونے، اور رہائی پاکر مدینہ مین آنے تک، سادہ طریقہ پر لیکن تفصیل کے ساتھ، ان مرثیون مین ادا کردئے، اُس کے مرثیون کو مرثیہ کی بہ نسبت تاریخ کہنا زیادہ موزون ہے، اس غرض کے لئے اس نے ترکیب بند وغیرہ چھوڑکر مثنوی کا طریقہ اختیار کیا، اور مثنوی مین بھی قدیم معمولی بحرین اختیار نہین کین، بلکہ قصائد کی بحر انتخاب کی، تاکہ ہر قسم کے مطالب بھی تفصیل کے ساتھ بیان ہوسکین، اور سوزخوانی کے کام بھی آئین، کیونکہ مثنوی کی مروجہ بحرون مین سوزخوانی کے اُتار چڑھاؤ کی کیت نہین ہوسکتی تھی۔

مقبل کے مرثیون مین اگرچہ وہ زور اور بندش کی چستی نہین ہے، جو اس دور کا خاصہ ہے، لیکن درد اور تاثیر سے خالی نہین، نمونہ کے لئے ہم صرف چند شعر لکھتے ہین ؎

مخدرات بہ عباسؑ در سخن بودند	برائے رفتن او در گریستن بودند
کہ از درون سراپردہ با فغان و خروش	سکینہ آمد و یک مشک خالی بر دوش
دوان بخدمت عمّ بزرگوار آورد	چنان کہ اہل حرم را بزار زار آورد
بگریہ گفت کہ اے عمّ خوش قرینۂ من	رسید جان بلب از تشنگی ز سینۂ من
چہ واقع است کہ رحمے بخلق دوران نیست	چہ شد کہ جرعہ آبے درین بیابان نیست
چو دید حضرت عباسؑ بے قراری او	گسیخت بند دلش از فغان و زاری او

مقبل کے بعد ایران مین مرثیہ گویون کا ایک خاص گروہ پیدا ہوگیا، اور مرثیہ کے اور بہت سے اقسام پیدا ہوگئے، مثلاً نوحہ، پیش خوانی وغیرہ،،

ہندوستان مین مرثیہ گوئی کی ابتدا

ہندوستان مین شاعری کی ابتدا ولی سے ہوئی، ولی نے اگرچہ کربلا کے حالات مین ایک خاص مثنوی لکھی لیکن اسکے کلام مین مرثیہ کا پتہ نہین لگتا، یہ معلوم نہین کہ مرثیہ کی ابتدا کس نے کی، لیکن اسقدر یقینی ہے کہ سودا اور میر سے پہلے مرثیہ کا رواج ہو چکا تھا، سودا نے اپنے شہر آشوب مین میان مسکین مرثیہ گو کا ذکر کیا ہے ؎

اسقاطِ حمل ہو تو کہین مرثیہ ایسا	پھر کوئی نہ پوچھے میان مسکین کہان ہے

میر تقی صاحب کے دیوان مین اگرچہ کوئی مرثیہ نہین، لیکن مرثیہ انھون نے بھی کہا ہے، اُنکے ایک مرثیہ کا ردّ مرزا سودا نے لکھا ہے، جسکے چند شعر یہ ہین، ؎

دلون پر محبون کے حالت عجب ہے	مصیبت ہے، ماتم ہے غم ہے تعب ہے
غرض کیا کہون کس روش کا غضب ہے	حسینؑ علیؑ کی شہادت کی شب ہے
کوئی دل نہین جس کو ماتم نہوگا ✤	وہ دل دیر ہے جس مین یہ غم نہوگا
یہ دن کچھ قیامت سے بھی کم نہوگا ✤	قیامت مین یہ کچھ نہوگا جواب ہے
بجا ہے کہ لوہو کے دریا بہائے	یہ کشتی فلک کی لہو مین ڈبائے
شہِ تشنہ لب کا کسے غم سنائے	یہ کس منہ سے کہیے کہ وہ تشنہ لب ہے

اسوقت تک مرثیے عموماً چوپصرع ہوتے تھے، غالباً سب سے پہلے سودا نے مسدس لکھا جو اُن کے دیوان مین موجود ہے، اُردو مین مرثیہ کی وسعت اور ترقی کا یہ پہلا قدم تھا، کیونکہ چوپصرع مین اول سے آخر تک ایک خاص قافیہ کی پابندی کی وجہ سے ہر قسم کے مطالب نہین ادا کیے جاسکتے تھے، میر انیس کے اس مصرع سے ع پانچوین پشت ہے شبیرؑ کی مداحی مین، ثابت ہوتا ہے کہ میر ضاحک خفا

نے جو میر انیس کے پردادا اور سودا کے معاصر تھے، اور میر حسن اُنکے بیٹے نے بھی مرثیہ لکھا ہے، لیکن خدا جانے کا کلام تو سرے سے مفقود ہے میر حسن کا دیوان مدت ہوئی مین نے دیکھا تھا، یاد نہین آتا، کہ اس مین مرثیہ بھی ہے یا نہین۔

یہ امر تعجب سے خالی نہین کہ میر تقی، اور مرزا سودا جیسے قادر الکلام نے بھی مرثیہ کو چندان ترقی نہین دی، اور میر ضمیر تک یہ فن گویا ابتدائی ہی حالت مین رہا، چنانچہ سودا کے مسدس کا ایک بند ہم نقل کرتے ہین، جس سے اس زمانہ کی مرثیہ گوئی کا اندازہ ہوگا، ؎

کس سے اے چرخ کہون جا کے تری بیدادی
جو ہے دنیا مین سو کہتا ہے مجھے ایذا دی
ہاتھ سے کون نہین آج تیرے فریادی
یان تلک پہونچی ہے ملعون تیری بیدادی
کون فرزند علی پر یہ ستم کرتا ہے
کیون مکافات سے اسکے تو نہین ڈرتا ہے

خویش و فرزند و عزیز اسکے تھے جتنے پیارے
دشنہ و تیغ سے، تین ظالمون کے سب مارے
اہل بیت اُسکے جو باقی ہین سو ہین آوارے
قید مین کوفیون کے جاتے ہین وہ بیچارے
نہ اُنھین چین ہے دن کو نہ اُنھین رات آرام
اس مصیبت مین چلے جاتے ہین کربل سے شام

شاید یہ خیال ہو کہ اسوقت تک شعرا مرثیہ کو محض ایک مذہبی فرض سمجھتے تھے اور اس وجہ سے شاعرانہ تلمیحات اور زور آوری سے اجتناب کرتے تھے ان کا مقصد صرف رونا رُلانا ہوتا تھا، جس کو شاعری سے تعلق نہین، لیکن یہ خیال صحیح نہین، مرزا سودا، میر تقی کے مرثیہ کی رد کی تمہید مین لکھتے ہین،

"لیکن مشکل ترین دقائق، طریقہ مرثیہ کا معلوم کیا، کہ مضمون واحد کو ہزار رنگ مین ربط معنی دیا، اس کام مین مجھ سا کسو نے عز قبول نہین پایا، پس لازم ہے کہ مرتبہ در نظر رکھ کر مرثیہ کہے نہ کہ برائے گریہ عوام اپنے تئین ماخوذ کرے"

اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ مرزا مرثیہ کو مشکل ترین فنون سمجھتے تھے، اور اس کا مقصد محض گریۂ عوام نہین قرار دیتے تھے،

غرض اس زمانہ مین جو کچھ ترقی ہوئی وہ صرف اسقدر تھی کہ مرثیے چو مصرع سے مسدس ہو گئے (سب سے پہلے جس شخص نے مرثیہ کو موجودہ طرز کا خلعت پہنایا، وہ میر ضمیر، مرزا دبیر کے اُستاد ہین، میر ضمیر کے مرثیے چھپ کر شائع ہو چکے ہین، انہون نے مرثیہ مین جو جدتین پیدا کین حسب ذیل ہین -)

میر ضمیر

۱، رزمیہ لکھا،

۲، سراپا ایجاد کیا،

۳، گھوڑے - تلوار اور اسلحۂ جنگ کے الگ الگ اوصاف لکھے، اور یہی مضامین آج موجودہ مرثیون کے مُہمّات موضوع ہین -

۴، واقعہ نگاری کی بنیاد ڈالی، چنانچہ ایک ایک جزئی واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا -

۵، سب سے بڑھکر یہ کہ کلام مین زور، اور بندش مین چستی اور صفائی پیدا کی، غلط الفاظ جو مرثیون کے لئے گویا جائز مان لئے گئے تھے اکثر ترک کر دئے - اُن کے عمدہ کلام کا اگر انتخاب کیا جائے، تو میر انیس کا کلام معلوم ہوگا

اب سے پہلے مرثیہ سوز کے لہجے مین پڑھے جاتے تھے، اب تحت لفظ کا بھی رواج ہوا اور غالباً پہلا شخص جسنے میر پر شعر تحت لفظ پڑھا میر ضمیر صاحب تھے

نئی تشبیہات - لطیف استعارے - مبالغہ - واقعہ نگاری - مناظر قدرت کی تصویر - غرض میر انیس اور مرزا دبیر کے کلام کے جس قدر محاسن ہین، ضمیر کے ہان سب پائے جاتے ہین - یہ ضرور ہے کہ میر ضمیر کے ہان ان کا رنگ ہلکا تھا، ان دونون صاحبون نے شوخ کر دیا - میر ضمیر کے ہر نمونہ کے چند اشعار ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین -

روزمرہ اور صفائی

ایضاً

جا کے میدان مین کس طرح یہ محبوب لڑے	یہ تو کہئے کہ غلام آپ کے کچھ خوب لڑے
چاہتا تھا کہ کرون ضبط پہ چُپ رہتا تھا	پونچھو اکبر سے مین ہر ہاتھ پہ کیا کہتا تھا
چیر کر فوج کو اس پار سے اُس پار گئے	مین نے خود دیکھا کہ دریا پہ کئی بار گئے

پانی تو پی نہین حیدر کے نواسے آئے
بولے عباس کہ پیاسے گئے پیاسے آئے

واقعہ نگاری

قریب جاتے ہی ہندہ نے اُنکا تھا ہاتھ
کہا سلام علیک اے ضعیفۂ نیک صفات

وہان سے لائے اُٹھا کر تو پھر کہی یہ بات
سمجھ مین کچھ نہین آتے ہین آپکے حالات

وہ روشنی مین بغور اُنکے مُنہ کو تکتی تھی
اگرچہ قصد تھا پر کچھ وہ نہ کہہ سکتی تھی

کہا یہ ہندہ نے کچھ مین نے تم کو پہچانا
کہین ہے شہر مدینہ مین ظاہر دیکھا

محلہ ہے وہان مشہور آل ہاشم کا
ہمیشہ آمد و شد تھی غرض مری اُس جا

ضرور دیکھا ہے آل عقیل و جعفر مین
دیا جناب رسالتمآب کے گھر مین

سو اس کلام سے مطلب ہے یہ خدا ہے گواہ
جناب فاطمہؑ کے گھر مین ہے تھین کچھ راہ

خصوص زینبؑ و کلثومؑ سے بھی ہو آگاہ
ہین دونون بی بیان شہزادیان مری واللہ

وہ سب تو ایک طرف پر امام اچھے ہین
کہو حسین علیہ السلام اچھے ہین

تشبیہ

پنہان زرہ مین ہوتی تھی اسطرح سے سنان
بجلی چمک کے ہوتی ہے جون ابر مین نہان

اس نیزۂ سیاہ سے تھا سب کو بیم جان
تھا اژدہاے موسے عمران کی وہ زبان

نیزہ کی یہی تشبیہ ہے جسکو میر انیس صاحب نے زیادہ لطیف، اور صاف کر دیا ہے چنانچہ کہتے ہین ع گویا زبان نکالی ہوئی اژدہا چلا،
میر انیس نے اسی دو نیزون کے باہم ٹکرانیکا مضمون پیدا کیا اور اس لطف کو دوبالا کر دیا ع دو سانپ گتھ گئے تھے زبانین نکال کے،

حسن تعلیل

تھا دیدۂ حیران، ہر اک زخم بدن مین
انگشت تاسف تھی زبان سبکے دہن مین

میر ضمیر

مبالغہ

گھوڑا وہ تیز رو ہے کہ ناگاہ ایک بار
اتنا کہا تھا وہم نے ہان چل تو ایک بار

دونون نے ہم عنانی وسرعت کی اختیار
آخر کہان وہ اور کہان وہ ہم ہرزہ کار

کچھ کچھ تو ساتھ ساتھ وہ مقدور بھر گیا
پھر یہ خبر نہین کہ کہان تھا کدھر گیا

اسی زمانہ مین میر خلیق صاحب نے مرثیہ کے فن کو بہت ترقی دی، میر انیس صاحب اُن کے بیٹے جابجا اپنے مرثیون مین اُنکی فصاحت اور روزمرہ کا ذکر کرتے ہین ایک بند مین اپنے روزمرہ پر ناز کرتے ہین، اور کہتے ہین ع حقا کہ یہ خلیق کی ہے سرسبز زبان، میر خلیق کے ایک سلام کا مطلع ومقطع مشہور ہے ؎

مجرائی طبع کند ہے لطف بیان گیا
دندان گئے کہ جوہر تیغ زبان گیا
گذری بہار عمر، خلیق اب کہین گے سب
باغ جہان سے بلبل ہندوستان گیا

ان اشعار سے قیاس ہوتا ہے کہ میر خلیق نے میر ضمیر سے کچھ کم اس فن پر احسان نہین کیا ہوگا، لیکن افسوس ہے کہ اُن کا کلام نہین ملتا، میر نواب صاحب نامی ایک بزرگ نے جو میر خلیق کے بہ یک واسطہ شاگرد تھے، ۱۲۹۷ھ مین بمقام گلبرگہ، حیدرآباد دکن، ایک مجموعہ چھاپا تھا جس مین میر خلیق - مونس - اور انیس کے چند مرثیے جمع کیے تھے، اس مین میر خلیق کے متعدد مرثیے ہین - لیکن اکثر وہ ہین، جو آج میر انیس کے نام سے مشہور ہین اور جو میر انیس کے چھپے ہوئے مرثیون مین شامل ہین، بعض ایسے ہین جو مطبوعہ مرثیون مین شامل نہین، لیکن زبان، اور طرز ادا سے قیاس ہوتا ہے، کہ میر انیس ہی کے نتائج فکر ہین، اور اگر وہ واقعی میر خلیق کا کلام ہے، تو بیٹے کو باپ پر ترجیح کی کوئی وجہ نہین -

چند نمونے ملاحظہ ہون ؎

مرتا ہے باپ، اے علی اکبر ابھی نجا
دل مانتا نہین میرے دلبر ابھی نجا
اے لال! سوے نیزہ وخنجر ابھی نجا
ہے ہے نجا شبیہ پیمبر ابھی نجا
مضطر ہون چین آے پہ آتا نہین مجھے

روتے ہین منہ ترا نظر آتا نہین مجھے

ماتھے کو چومتے تھے کبھی، اور دہن کبھی
تکتے تھے سوے زلفِ شکن در شکن کبھی
روتے تھے لیکے بوسہ سیب ذقن کبھی
یوسف کا اپنے سونگھتے تھے پیرہن کبھی

ملتے تھے خشک ہونٹ لب گلعذار سے
سینہ پہ رکھتے تھے کبھی مُنہ اپنا پیار سے

نوجون کا ہجوم

پیاسے بہ مثل ابر اُمنڈ آئے دل کے دل
شعلے صفت چمکنے لگے برچھیون کے پھل
چلون مین تیر رکھکے بڑھے روم و رے کے یل
تیغین اُپی ہوئین جو کمچین، ہٹ گئی اجل

دن کو سیاہیِ شبِ ظلمات ہوگئی
کھوئے نشان شامیون نے رات ہوگئی

تلوار

موجین زرہ، حباب ہین سر اسکے سامنے
شق ہین بہادرون کے جگر اسکے سامنے
رکھتی ہے کیا بساط سپر اس کے سامنے
تنکے ہین جبرئیل کے پر اس کے سامنے

مارین کمر کا ہاتھ اگر پاون گاڑ کے
دو ٹکڑے آسیا کی طرح ہون پہاڑ کے

دج کی بدعہ اسی

حیران تھے کب حسام سے کاٹھی جدا ہوئی
ترکش مین ڈھونڈتے تھے کہ تلوار کیا ہوئی

میر انیس

میر انیس تقریباً ۱۲۱۸ھ مین پیدا ہوئے، انہون نے مرثیہ کو جو ترقی دی، اسکی تفصیل آگے آئیگی یہان جو باتین کہنے کے قابل ہین، یہ ہین۔

۱، میر انیس کا خاندان دِلی کا خاندان تھا، اگرچہ اُنکے پردادا میر ضاحک، دِلّی سے چلے آئے تھے، اور فیض آباد مین سکونت اختیار کرلی تھی، تاہم دہلی کی جو خصوصیات تھین وہ اخیر تک اس خاندان مین قائم رہین، میر انیس اکثر موقعون پر ناز کے لہجہ مین کہتے تھے، صاحبو" اربابِ لکھنؤ اس طرح نہین بولتے، یہ میرے گھر کی زبان ہے"

اسی بنا پر جا بجا جگہ کو "جاگہہ" لکھا ہے، اور یہ صرف تحریری زبان نہین، وہ یون ہی بولتے بھی تھے، مین نے اپنے معزز دوستون سے، جو میر صاحب کی صحبتون مین، اکثر شریک رہا کئے ہین، سُنا ہے کہ جب کبھی اُن کی مجلس مین لوگ صفِ نعال مین اگر بیٹھہ جاتے تھے، تو فرماتے تھے، صاحبو! جاگہہ ادہر ہے،، افعال کو فاعل کی مطابقت سے جمع لکھنا بھی دہلی ہی کا اثر ہے مثلاً ع جلدی مین گو جوانون نے چوٹین بچائیان

۲، میر صاحب نے شاعری میراث مین پائی تھی، اُنکے مرثیہ کے جو خاص جوہر ہین وہ میراث ہی کی یادگار ہین، اُن کے دادا میر حسن گو غزل بھی کہتے تھے لیکن جس چیز نے اُن کو عالم شہرت کا تاجدار بنایا، وہ اُن کی مثنوی بدرِ منیر ہے" اس مثنوی کا خاص وصف، واقعات، اور کیفیات کا سین دکھانا ہے - وہ جس واقعہ یا حالت کو لکھتے ہین اسکا سمان باندہ دیتے ہین -

میر انیس کے مرثیون مین واقعات، اور کیفیات کی تصویر کھینچ دینے کی جو خصوصیت ہے، دادا کی میراث ہے - البتہ یہ فرق ہے کہ میر حسن، واقعہ نگاری کی وسعت مین ابتذال، اور عامیانہ بول چال کی پروا نہین کرتے میر انیس نے واقعہ نگاری اور مصوّری کے ساتھہ، بندش کی چستی، اور خواص کی طرزِ گفتگو کی خصوصیت بھی قائم رکھی اور یہ قادر الکلامی کی انتہا ہے -

۳، میر حسن صاحب غزل گوئی مین اگرچہ سودا اور میر درد کے شاگرد تھے، لیکن سودا کا پرتو اُن پر نہین پڑا صرف میر درد کا رنگ ہے، یعنی روزمرہ، صفائی، گھلاوٹ، اور درد، یہی باتین میر انیس صاحب کے ہان بھی ہین، جو لوگ کہتے ہین، کہ میر انیس صرف بیس لکھنا جانتے ہین، اس جھوٹ مین سچ بھی ہے، یعنی ہین رزم سے بہتر لکھتے ہین، یہ وہی خصوصیت ہے جو دادا سے ترکہ مین ملی ہے،-

۴، میر انیس کی شاعری کے متعلق یہ مسئلہ نہایت مہتم بالشان مسئلہ ہے کہ مرزا دبیر کی رقابت، اور مقابلہ نے اُن کے کلام پر کیا اثر پیدا کیئے، اگر یہ پتہ لگ سکتا، کہ دونون حریفون مین سے، اول کس نے میدان شاعری مین قدم رکھا اور خاص خاص مرثیے، بلکہ خاص خاص بند جو دونون کے ہان قریب المعنی پائے جاتے ہین،

اول کس نے کہے، تو شاعری کی تاریخ کے بہت سے دقیق نکتے حل ہو جاتے، لیکن افسوس ہے کہ باوجود بہت سی جد و جہد کے اس بارہ مین مجھکو کچھ کامیابی نہین ہوئی۔

دونون حریفون کے مرثیون کو دیکھو، تو صاف نظر آتا ہے، کہ ایک نے دوسرے کے کلام کو سامنے رکھکر لکھا ہے، لیکن زمانہ کے تقدیم و تاخیر کے نہ معلوم ہونے سے یہ نہین متعین ہوتا کہ ایجاد کا فخر کس کو ہے، اور کس نے کس سے کیا اثر لیا ہے، میر انیس جابجا فخریہ شعرون مین اس بات کا اشارہ کرتے ہین کہ اُن کے حریف اُنکے کلام سے فائدہ اُٹھاتے ہین، مثلاً ؎

لگا رہا ہون مضامین نو کے پھندا بنا	خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینون کو
نواسنجیون نے تری اے انیس	ہر اک زاغ کو خوش بیان کر دیا
ملتی نہین دزدان معانی سے نجات	سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

ان چوٹون کو سنکر مرزا دبیر صاحب برابر کا جواب نہین دیتے، یعنی یہ نہین کہتے کہ مین نہین، میرا حریف سرقہ کرتا ہے، بلکہ صرف تبری کرتے ہین کہ مین اس جرم کا مرتکب نہین، چنانچہ فرماتے ہین ؎

شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہون	ہر مرثیہ مین موجد طرز جدید ہون
ہے استفادہ مجھکو احادیث و سیر سے	یعنی بری ہون سرقہ مضمون غیر سے

اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے، میر انیس، میرزا صاحب کے مقابلہ کا قصد نہین کرتے تھے، اور اُنکے مرثیون کا جواب لکھنا نہین چاہتے تھے ورنہ میرزا صاحب ضرور اسکا اشارہ کرتے، اسکے ساتھ جب بعض مرثیون سے صاف ثابت ہے، کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلہ پر لکھے گئے ہین، تو خواہ مخواہ ماننا پڑتا ہے کہ مقابلہ، اور ہم طرحی و مسابقت کی کوشش، میرزا صاحب ہی کی طرف سے ہوتی تھی، میر انیس نے اسی کی طرف ایک موقع پر اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہین ؎

بھلا تردد بیجا سے اس مین کیا حاصل	اُٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو

جن مرثیون یا اشعار یا مضامین مین تقابل یا توارد ہے انکی تفصیل آگے آئیگی، اور وہان اس تمہیدی بحث کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

۵، میر انیس کا جو کلام موجود ہے ۵ جلدون مین شائع ہوا ہے، لیکن میر صاحب کے متوسلین کا خاص دعویٰ ہے، کہ ان مرثیون مین بہت کچھہ تحریف، اور خلط ہوا ہے۔ مولوی عبد الغفور نساخ نے ایک رسالہ مرزا دبیر اور میر انیس کے اغلاط کے متعلق لکھا تھا، اس کا جواب میرزا محمد رضا متخلص بہ معجز، شاگرد ناسخ نے لکھا جس کا نام تطہیر الاوساخ ہے، اور جو ۱۲۹۶ھ مین شعلہ طور کان پور مین چھپا تھا، اس کے دیباچہ مین میرزا رضا صاحب لکھتے ہین۔

"ثانیاً یہ بات بھی کالنار علی العلم ہے کہ اکثر تلامذہ میر صاحب و مرزا دبیر صاحب نے بلحاظ اپنے پڑھنے کے اکثر تصرفات بہ تغیر و تبدل الفاظ و مصرعہ و بند کے کیے ہین، بہ نظر اختصار کسی مرثیہ کے کچھہ بند نکال ڈالے اور کہین درمیان مرثیہ مین کوئی مطلع یا بند ایجاد کرکے الحاق کیا تاکہ وہین سے پڑھنا شروع کرین کہین بغرض بکا و ابکا، مضامین مبکیہ موزون کرکے شامل مرثیہ کیے، کہین الفاظ مین موافق اپنے فہم و سلیقہ کے کمی و بیشی کی، یا مشتاقین نے جو مرثیہ جدید زبان سے ان صاحبون کی مجلس مین سنا خفیہ تحریر کیا، اور جو الفاظ یا مصرع بسبب عجلت تحریر یا عدم سماعت کے رہگئے، اُس کی تکمیل بطور خود کی، اس باعث سے کہ نقل مرثیہ جدید و تصنیف کا دستیاب ہونا شاعرین سے غیر ممکن تھا، پس جو کچھہ کہ مرثیہ اُن کے تلامذہ کے پاس ہین، اُن مین اکثر کا اصل نہین ہین تغیر و تبدل و اضافہ و نقصان اُن مین بہت ہے، اور انہین مرثیون کی نقل وہ مرثیے ہین، جو مطبوع ہوئے ہین پس مراثی مطبوعہ من قبل بنار الفاسد علی الفاسد ہین"

اس بنا پر میرزا رضا صاحب نے میر نفیس صاحب سے جو میر انیس کے فرزند رشید تھے مطبوعہ مرثیون کی تصحیح کی جس کا نتیجہ حسب ذیل ہے۔

یہ مرثیہ ۶ اے تیغ زبان جوہر تقریر دکھادے، اس مصرعہ تک، ملنے لگے آنکھین قدم سرور دین پر،

میر صاحب کا کلام ہے، باقی ۱۴۵ سے لیکر ۱۵۵ تک، اور مقطع کے دو اول مصرعے سب الحاقی ہین۔

یہ مرثیہ ع دشتِ وغا مین نورِ خدا کا ظہور ہے، ستر بند تک یعنی اس ٹیپ تک مصرع چھاتی کے پار نیزہ کی نوکین نکل گئین، میر صاحب کا کلام ہے، باقی الحاقی ہے، یہ شعر

"لپٹون گلے سے مین پدر ناتوان کے		سینہ سے تو سرک تو میرے بابا جان کے"

الحاقی ہے۔

میرزا رضا صاحب نے اور بہت سے اعتراضات کے جواب مین جو خاص خاص الفاظ یا تراکیب پر تھے اُن الفاظ اور تراکیب سے انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ اصل مرثیہ مین یون نہین، یون ہے۔ چونکہ اس قسم کے الفاظ نہایت کثرت سے تھے، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہین۔ ناظرین چاہین تو اصل رسالہ کو ملاحظہ فرمائین۔ ہم کو اس سے انکار نہین کہ مطبوعہ مرثیے نہایت غلط چھپے ہین، لیکن میرزا رضا صاحب نے تو یہ غضب کیا ہے کہ جہان کوئی لفظ محاورۂ حال کے خلاف نظر آیا، اس کے وجود سے انکار کر دیا، حالانکہ یہ تعمیم صحیح نہین۔ میر انیس نے بہتر برس کی عمر پائی، اُنکی ابتدا مشق مین، قدیم محاورے اور غلط الفاظ نہایت کثرت سے متداول تھے، اور شعرا بے تکلف ان کو استعمال کرتے تھے، شیخ ناسخ نے البتہ اس قسم کے تمام الفاظ کو ترک کر دیا تھا، لیکن جو لوگ اپنے تئین، دلّی کی طرف منسوب کرتے تھے، وہ ان الفاظ اور محاورات کو وطن کی یادگار سمجھتے تھے، چنانچہ غالب و ذوق جو خاتم الشعرا ہین ان کے ہان وہ الفاظ بے تکلف ملتے ہین، جن کو شیخ ناسخ مدتون سے چھوڑ چکے تھے مثلاً میرزا غالب فرماتے ہین۔

ع شکش مصلحت سے ہون کہ خوبان تجھپہ عاشق ہین۔

حالانکہ اس قسم کی جمع، ایک مدت سے متروک ہے، اس قسم کے الفاظ میر انیس کے ہان بھی ہین، اور کثرت سے ہین، لیکن وہ ابتدای مشق کے ہین، ورنہ شیخ ناسخ کے اثر، یا خود مذاق کے بدلنے سے، جس قدر زمانہ گذرتا گیا، میر صاحب، قدیم مخصوص الفاظ اور تراکیب چھوڑتے گئے۔

میر انیس کی شاعری کی خصوصیات

اب ہم تفصیل کے ساتھ میر صاحب کی شاعری کی خصوصیات بیان کرتے ہین -

فصاحت - علماے ادب نے فصاحت کی یہ تعریف کی ہے کہ لفظ مین جو حروف آئین، اُن مین تنافر نہو، الفاظ فصاحت
مانوس نہون، قواعد صرفی کے خلاف نہو،،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ درحقیقت ایک قسم کی آواز ہے، اور چونکہ آوازین بعض شیرین، دلاویز
لطیف ہوتی ہین مثلاً طوطے وبلبل کی آواز اور بعض مکروہ وناگوار مثلاً کوّے اور گدھے کی آواز، اس بنا پر
لفاظ بھی دو قسم کے ہوتے ہین بعض شستہ، سبک، شیرین اور بعض ثقیل بھدے، ناگوار، پہلی قسم کے الفاظ کو فصیح
کہتے ہین، اور دوسرے کو غیر فصیح، بعض الفاظ ایسے ہوتے ہین کہ فی نفسہ ثقیل اور مکروہ نہین ہوتے لیکن تحریر
تقریر مین اُن کا استعمال نہین ہوا ہے یا بہت کم ہوا ہے، اس قسم کے الفاظ بھی جب ابتداً استعمال کئے جاتے
ہین تو کانون کو ناگوار معلوم ہوتے ہین، اُن کو فن بلاغت کی اصطلاح مین **غریب** کہتے ہین، اور اس قسم کے
لفاظ بھی فصاحت مین خلل انداز خیال کئے جاتے ہین -

میر انیس کے کمال شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ باوجود اسکے کہ انھون نے اُردو شعرا مین سے سب سے
یادہ الفاظ استعمال کئے اور سیکڑون مختلف واقعات، بیان کرنے کی وجہ سے، ہر قسم اور ہر درجہ کے الفاظ اُنکو
ستعمال کرنے پڑے، تاہم ان کے تمام کلام مین غیر فصیح الفاظ نہایت کم پائے جاتے ہین - اکثر جگہ عربی، فارسی
لے الفاظ جو اُردو زبان مین کم مستعمل ہین، ضرورت سے لانے پڑے ہین لیکن اس قسم کے الفاظ جہان آئے
ن، فارسی ترکیبون کے ساتھ آئے ہین جس سے ان کی غرابت کم ہوگئی ہے، ورنہ اگر اُردو کی خاص ترکیب
ن اُن الفاظ کا استعمال کیا جاتا تو بالکل خلاف فصاحت ہوتا - مثلاً انگشتری، خاتم، رُخ، بادہ، ثنا، حسن، اور اس

قسم کے سیکڑون ہزارون الفاظ ہین، جو بجاے خود فصیح ہین لیکن ٹھیٹ اُردو مین ان کا استعمال نہین ہوتا۔ میر ضمیر ایک موقع پر کہتے ہین ع ذریتِ رسول کی خاطر جلائی نار نار کا لفظ اس موقع پر نہایت نامانوس اور بیگانہ ہے، لیکن یہی لفظ جب فارسی ترکیبون کے ساتھ اُردو مین مستعمل ہوتا ہے مثلاً نار دوزخ، نار جہنم، تو وہ غرابت نہین رہتی۔

فصاحت کے مدارج مین اختلاف ہے، بعض الفاظ فصیح ہین، بعض فصیح تر، بعض اُس سے بھی فصیح تر، میر انیس صاحب کے کلام کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر موقع پر فصیح سے فصیح الفاظ ڈھونڈھ کر لاتے ہین۔ میرزا دبیر اور میر انیس کے ہم مضمون اشعار لو، اگر میرزا صاحب کے ہان غریب اور ثقیل الفاظ ہونگے تو اُنکے مقابلہ مین میر صاحب کے ہان فصیح الفاظ ہونگے اور اگر میرزا صاحب کے ہان فصیح الفاظ ہونگے تو میر صاحب کے ہان فصیح تر ہونگے میرزا دبیر کی تخصیص نہین، تمام مرثیہ گویون کے مقابلہ مین میر انیس کے کلام کا یہی حال ہے

ہم مثال کے طور پر دو چار شعر نقل کرتے ہین۔ جن سے فصاحت اور فصاحت کے اختلاف مراتب کا اندازہ ہو سکے گا

میرزا دبیر	ع	کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین
میر انیس	ع	سائل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نمازمین -
میرزا دبیر	ع	آنکھون مین پھرے اور نہ مردم کو خبر ہو
میر انیس	ع	آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہو
میرزا دبیر	ع	رویا مین بھی حسینؑ کو رویا ہی کرتے ہین
میر انیس	ع	حسرت ہے کہ خواب مین بھی رویا کیجیے
میرزا دبیر	ع	جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان
میر انیس	ع	جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

فصاحت کے متعلق ایک بڑا دھوکا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ فصاحت کے یہ معنی ہین کہ لفظ سادہ، آسان، کثیر الاستعمال ہو، اسلئے لوگ مبتذل اور سوقی الفاظ کو بھی فصیح سمجھ لیتے ہین، حالانکہ ان دونون مین سفید و سیاہ کا فرق

• ابتذال

ہے، میرزا دبیر صاحب جہاں واقعہ نگاری اور معاملہ بندی مین میر انیس کی تقلید کرتے ہین، اکثر اُن کے کلام مین ابتذال الفاظ آجاتے ہین۔

مثلاً جہاں حضرت شہربانو نے حضرت عباس کی لاش پر نوحہ کیا ہے، شہربانو کی زبان سے فرماتے ہین ع ہے ہے میرے دیور میرے دیور میرے دیور * ایک اور جگہ فرماتے ہین ع ناڑہ تو انکی سالگرہ کا نکال لا *

ابتذال کی صاف اور بیّن مثال، نظیر اکبر آبادی کا کلام ہے اگر یہ ممیز نہوتا تو سادگی اور صفائی مین نظیر کا کلام میر انیس یا میر تقی سے ٹکر کھاتا۔

ابتذال کے معنی عام طور پر یہ سمجھے جاتے ہین کہ جو الفاظ عام لوگ استعمال کرتے ہین وہ مبتذل ہین۔ لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون الفاظ عوام کے مخصوص الفاظ ہین لیکن سب مین ابتذال نہین پایا جاتا، ابتذال کا معیار مذاق صحیح کے سوا اور کوئی چیز نہین، مذاق صحیح خود بتا دیتا ہے کہ یہ لفظ مبتذل، پست اور سوقیانہ ہے۔

میر صاحب کو اگرچہ واقعہ نگاری کی وجہ سے نہایت چھوٹی چھوٹی چیزون اور ہر قسم کی جزئی جزئی واقعات اور حالات کو بیان کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ اُنکی انتہا درجہ کی قادر الکلامی ہے کہ پھر بھی اُن کی شاعری کے دامن پر ابتذال کا دھبّہ نہین آنے پاتا۔

کلام کی فصاحت یہ بحث مفرد الفاظ سے متعلق تھی، لیکن کلام کی فصاحت مین صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہین، بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ جن الفاظ کے ساتھ وہ ترکیب مین آئے اُن کی ساخت، ہیئت، نشست، سبکی اور گرانی کے ساتھ اُس کو خاص تناسب اور توازن ہو، ورنہ فصاحت قائم نہ رہیگی۔ قرآن مجید مین ہے، ما کذب الفواد ما رای۔ فواد اور قلب دو ہم معنی الفاظ ہین، اور دونون فصیح ہین، لیکن اگر اس آیت مین فواد کے بجائے قلب کا لفظ آئے تو خود یہی لفظ غیر فصیح ہو جائیگا، جس کی وجہ یہ ہے کہ گو قلب کا لفظ بجائے خود فصیح ہے لیکن ماقبل اور مابعد کے جو الفاظ ہین اُنکی آواز کا تناسب، قلب کے لفظ کے ساتھ نہین ہے۔

میر انیس کا مصرعہ ہے ع فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور۔ صحرا اور جنگل ہم معنی ہین اور دونون فصیح ہین،

میر انیس نے جابجا ان دونون لفظون کو استعمال کیا ہے اور ہم معنی ہونے کی حیثیت سے کیا ہے، لیکن اگر اس مصرعہ مین صحرا کے بجائے جنگل کا لفظ استعمال کیا جائے تو یہی لفظ غیر فصیح ہو جائے گا میر صاحب کا ایک شعر ہے ؎

طائر ہوا مین مست، ہرن سبزہ زار مین	جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین

یہان جنگل کے بجائے صحرا لاؤ تو مصرعہ کا مصرعہ پھس پھسا ہو جاتا ہے۔

شبنم اور اوس ہم معنی ہین اور برابر درجہ کے فصیح ہین۔ لیکن میر صاحب کے اس شعر مین ؎

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا	تھا موتیون سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

اگر اوس کے بجائے شبنم کا لفظ لایا جاوے تو فصاحت خاک مین مل جائیگی، لیکن یہی اوس کا لفظ جو اس موقع پر اس قدر فصیح ہے اس مصرعہ مین ع شبنم نے بھر دئے تھے کٹورے گلاب کے۔

شبنم کے بجائے لاؤ تو فصاحت بالکل ہوا ہو جائیگی۔

اس مین نکتہ یہ ہے کہ ہر لفظ چونکہ ایک قسم کا سُر ہے اسلئے یہ ضرور ہے کہ جن الفاظ کے سلسلہ مین وہ ترکیب دیا جائے، اُن آوازون سے اُسکو خاص تناسب بھی ہو ورنہ گویا دو مخالف سُرون کو ترکیب دینا ہوگا، نغمہ اور راگ مفرد آوازون یا سُرون کا نام ہے، ہر سُر بجائے خود دلکش اور دلاویز ہے، لیکن اگر دو مخالف سُرون کو باہم ترکیب دیدیا جائے تو دونون مکروہ ہو جائین گے۔

راگ کے دلکش اور موثر ہونیکا گُر یہی ہے کہ جن سُرون سے اسکی ترکیب ہو اُن مین نہایت تناسب اور توازن ہو۔

الفاظ بھی چونکہ ایک قسم کی صوت اور سُر ہین اس لئے اُن کی لطافت، شیرینی اور روانی، اُسی وقت تک قائم رہتی ہے جب گرد و پیش کے الفاظ بھی سُر کے مین اُنکے مناسب ہون۔

میرزا دبیر صاحب کا مشہور مصرعہ ہے، ع زیرِ قدم والدہ فردوس برین ہے۔ اس مین جتنے الفاظ ہین یعنی زیر۔ قدم۔ والدہ۔ فردوس۔ برین۔ سب بجائے خود فصیح ہین، لیکن اُنکے باہم ترکیب دینے سے، جو مصرعہ

پیدا ہوا ہے وہ اس قدر بھدا اور گران ہے کہ زبان اسکا تحمل نہین کرسکتی، شاید تم کو خیال ہو کہ مصرعہ کی ترکیب چونکہ فارسی ہوگئی ہے، اس لئے ثقل پیدا ہوگیا ہے لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون شعرون مین اس قسم کی فارسی ترکیبین ہین، لیکن یہ ثقل نہین پایا جاتا۔ مثلاً میر انیس صاحب کہتے ہین ؎

مین ہون سردار شبابِ چمنِ خلدِ برین	مین ہون خالق کی قسم دوشِ محمد کا مکین

پہلے مصرعہ مین فارسی ترکیب کے علاوہ توالیِ اضافات بھی موجود ہے، لیکن یہ بھدّا پن اور ثقل نہین ہے۔

[جب کسی مصرعہ یا شعر کے تمام الفاظ مین ایک خاص قسم کا تناسب، توازن اور توافق پایا جاتا ہے اس کے ساتھ وہ تمام الفاظ بجائے خود بھی فصیح ہوتے ہین تو وہ پورا مصرعہ یا شعر فصیح کہا جاتا ہے، اور یہی چیز ہے جسکو بندش کی صفائی، نشست کی خوبی، ترکیب کی دلآویزی، برجستگی، سلاست اور روانی سے تعبیر کرتے ہین یہی چیز ہے جسکی نسبت خواجہ حافظ فرماتے ہین ؎

آن را کہ خوانی اُستادگر بنگری بتحقیق	صنعت گر است اما شعر روان ندارد

الفاظ کے توازن و تناسب سے کلام مین جو فرق پیدا ہوجاتا ہے وہ ایک خاص مثال مین آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے۔ میر انیس حضرت علی اکبر کے اذان دینے کی تعریف ایک موقع پر اس طرح کرتے ہین ع

تھا بلبلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن مین

اسی مضمون کو میر صاحب دوسرے موقع پر اسطرح ادا کرتے ہین ع

بلبل چہک رہا تھا ریاضِ رسول مین

وہی مضمون ہے وہی الفاظ ہین، لیکن ترکیب کی ساخت نے دونون شعرون مین کس قدر فرق پیدا کردیا ہے۔

میر انیس کا تمام کلام اس خوبی سے معمور ہے اور اُن کا ہر شعر اس وصف کا مصداق ہے نمونہ کے طور

پر ہم چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین ؎

تعریف مین چشمہ کو سمندر سے ملا دون
قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون
ذرے کی چمک مہر منور سے ملا دون
کانٹون کو نزاکت مین گل تر سے ملا دون

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھون
اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھون

ولہ

برہم ہوئے یہ سنتے ہی عباسِ خوشخصال
غازی کو شیر حق کی طرح آگیا جلال
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا علی کا لال
اب یان سے ہمکو کوئی ہٹا دے، یہ کیا مجال

حملہ کرین چڑھا کے اگر آستین کو
ہم آسمان سمیت، الٹ دین زمین کو

تھا فوج قاہرہ مین طلاطم کہ الحذر
تھین موج کی طرح سب اُدھر کی صفین اِدھر
چکر مین تھی سپاہ کہ گردش مین تھا بھنور
پانی مین تھے نہنگ، اُبھرتے نہ تھے مگر

فوجین فقط نہ بھاگی تھین مُنہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

چھایا تھا سب پہ رعب علمدارِ نوجوان
تسلیم کو جھکے ہوئے تھے فوج کے نشان
گوشہ امان کا ڈھونڈ رہی تھی ہر اک کمان
ترکش بھی تھے ہراس سے کھولے ہوئے دہان

تیرون کا بیگمان تھا ارادہ گریز کا
مُنہ کُند ہو گیا تھا ہر اک تیغ تیز کا

آگے چل کر کہتے ہین ؎

تب شمر نے کہا کہ فصاحت سے کیا حصول
بیعت اُنھین تو صلح ہمین بھی نہین قبول

غازی پکارا اُو نجس و مرتد و جہول ٭ لیجو نہ مُنہ سے نام جگر گوشۂ رسولؐ

سمجھا ہے کیا امام عراق و حجاز کو
گُدّی سے کھینچ لون گا زبانِ دراز کو

تو کیا ہے اور کیا ہے ترا وہ امیر شام
تو بھی نمک حرام ہے وہ بھی نمک حرام

کرتے ہین بادشاہ کہین بیعتِ غلام
او بے ادب یزید کجا! اور کجا امام!!

دوزخ سے دور رہتے ہین ساکن بہشت کے
کعبہ کبھی جھکا نہین آگے کنشت کے

ماتم ادھر تھا جشن مین تھے اہلِ شر اُدھر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر

ولہ

بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدھر
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت اِدھر اُدھر

غل تھا کہ بس حسینؑ بہت روئے بھائی کو
کوئی جوان ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہین کوئی تو دغا کو خود آئے
زخمِ سنان و خنجر و شمشیر کھائے

حیدر کی ذوالفقار کے جوہر دکھائیے
گرمی بڑی ہے آج لہو مین نہائیے

آمادہ ہم تو دیر سے بھر ستیز ہین
تیغین بھی ہین اُبلی ہوئی خنجر بھی تیز ہین

صابر بڑے ہین آپ تو یا شاہِ انس و جان
رونے سے جی اُٹھین گے نہ عباسؑ نوجوان

اک بھائی کے فراق مین یہ نالہ و فغان
حضرت پکارتے ہین کسے بھائی کو جان

ملتا ہے کب جہان مین بھلا جو گذر گیا
اب فکر اپنی کیجیے وہ شیر مر گیا

اکبر نے کی غضب کی نظر سوے فوجِ شام	کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلۂ انام	سنتے ہین آپ لشکرِ اعدا کے یہ کلام

خون اب تو جوش کھاتا ہے ہنگامِ جنگ سے،
مولا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

برچھا ادھر شقی نے لیا دیکھ بھال کے	ولہ	اکبر اُدھر سنبھل گئے بھالا سنبھال کے
روکے کسے جواب کسے دے کدھر پھرے	ولہ	بجلی کے ساتھ ساتھ کہان تک پھرے
سب نشۂ غرورِ جوانی اُتر گیا	ولہ	تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

کلام کی اصلی ترتیب کا قائم رہنا۔

کلام کی اصلی ترتیب کا قائم رہنا۔ ترکیب الفاظ کے لحاظ سے شعر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ کلام کے اجزا کی جو اصلی ترتیب ہے وہ بحال خود قائم رہے، مثلاً فاعل، مفعول، مبتدا، خبر، متعلقاتِ فعل، جس ترتیب کے ساتھ ہر وقت بول چال مین آتے ہین، یہی ترتیب شعر مین بھی قائم رہے۔ اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ شعر مین اس ترتیب کا بعینہٖ قائم رہنا قریب قریب ناممکن ہے صرف ایک آدہ شعر یا بہت سے بہت شعر دو شعر مین اتفاقیہ یہ بات پیدا ہو جاتی ہے مثلاً سعدی کے یہ اشعار ؎

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری	کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم	ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشین در من اثر کرد	وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

لیکن چونکہ نظم کا درحقیقت سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اگر اسکو نثر کرنا چاہین تو ہو سکے اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب شعر مین الفاظ کی وہی ترتیب باقی رہے جو نثر مین معمولاً ہوا کرتی ہے، اس بنا پر شاعر کو کوشش کرنی چاہیئے کہ اگر اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہین رہ سکتی تو بہرحال اُس کے قریب قریب پہونچ جائے جس قدر اس کا لحاظ رکھا جائیگا، اُسی قدر شعر زیادہ صاف، برجستہ، روان، اور ڈھلا ہوا ہوگا اور اُردو مین جہانتک

ہم کو معلوم ہے یہ صفت میر انیس صاحب سے زیادہ کسی کلام مین نہین پائی جاتی، نمونہ کے طور پر ہم چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین۔

صُغریٰ حضرت امام علیہ السلام سے کہتی ہین ؎

قربان گئی، اب تو بہت کم ہے نقاہت
تپ کی بھی ہے شدت مین کئی روز سے خفت
بستر سے مین خود اُٹھکے ٹہلتی بھی ہون حضرت
پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت
حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو میرے مُنہ کا بھی مزہ تلخ نہین ہے

صغریٰ نے کہا آپکی باتون سے مین قربان
تم جان بچالو کہ مین لونڈی ہون پھوپی جان
بیٹی ہو علیؑ کی یہ سدا مشکل کرو آسان
جیتی رہی صغریٰ تو نہ بھولے گی یہ احسان
کچھ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین
اماں تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

حضرت زینب، حضرت عباسؑ سے فرماتی ہین ؎

تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائیکو
بھیا تمھین سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

حضرت امام علیہ السلام، یزیدیون سے مخاطب ہوکر فرماتے ہین ؎

مجھکو لڑنا نہین منظور یہ کیا کرتے ہو
تیر جوڑے ہین جو تمنے تو خطا کرتے ہو
کیون نبی زادے غربت مین جفا کرتے ہو
دیکھو اچھا نہین یہ ظلم بُرا کرتے ہو
شمع ایمان ہون اگر سر میرا کٹ جائیگا
یہ مرقع ابھی اک دم مین اُلٹ جائیگا

خولی امام علیہ السلام کی فوج کی حالت، ابن سعد سے بیان کر رہا ہے ؎

یہ سب غلط سنا تھا کہ ہے لشکر کثیر
ہین ان مین سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر

کچھ نوجوان ہین، طفل ہین، کچھ اور کچھ ہین پیر
پس جائینگے وہ ٹاپون سے ہنگام وار و گیر

کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھون کی طاقت دکھائینگے
ان سے تو نیچے بھی ہنسا لے بجائین گے

کیا جانے دل مین سوچے تھے کیا شاہ کربلا
لشکر تو یہ قلیل اور اس فوج سے وغا

مقتل مین کھینچ کر انھین لے آئی ہے قضا
عمرین ہین چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑین گے کیا

کچھ آزمودہ کار نہین کچھ مسن نہین
ان کے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہین

اس قسم کے اور ہزارون اشعار ہین، آگے مختلف موقعون پر جو اشعار نقل کئے جائینگے اُن مین اور دوسری خوبیون کے ساتھ یہ خصوصیت بھی اکثر نظر آئیگی۔

روزمرہ

روزمرّہ اور محاورہ جو الفاظ اور جو خاص ترکیبین اہل زبان کے بول چال مین زیادہ مستعمل اور متداول ہوتے ہین، اُن کو روزمرّہ کہتے ہین، روزمرّہ اگرچہ ایک جداگانہ وصف سمجھا جاتا ہے، لیکن درحقیقت وہ فصاحت ہی کا ایک فرد خاص ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ عام بول چال مین وہی الفاظ زبان پر آئین گے جو سادہ صاف، اور سہل الادا ہون، اور اگر اُن مین کچھ ثقل اور گرانی بھی ہو تو رات دن کی بول چال اور کثرت استعمال سے وہ منجھکر صاف ہو جاتے ہین۔ ابوالعلا معرّی جو ایک ملحد شاعر تھا اُسنے قرآن مجید کا جواب لکھا تھا۔ لوگون نے اس سے کہا کہ گو یہ کلام بلیغ ہے لیکن اس مین قرآن مجید کی سی روانی اور صفائی نہین پائی جاتی، اُس ملعون نے کہا ہان ابھی تو نہین، لیکن جب دو چار سو برس نمازون مین منجھکر صاف ہو جائیگا تو روانی آجائیگی۔

غرض، روزمرّہ کے لئے فصیح ہونا لازم ہے۔ میر انیس کے کلام مین نہایت کثرت سے روزمرّہ اور محاورہ کا استعمال پایا جاتا ہے، اور اس پر اُن کو ناز بھی تھا چنانچہ فرماتے ہین ؎

مرغان خوش الحان چمن بولین کیا
مرجاتے ہین سُنکے روزمرہ میرا

چونکہ میر انیس کا کوئی کلام روزمرہ سے خالی نہین ہوتا، اس لئے ہم نمونہ کے طور پر صرف دو چار شعر نقل کرتے ہین ؎

حشر تک خلق مین یہ ذکر غم انگیز رہا
تو تو بچپن کے غلامون سے بھی کچھ تیز رہا

تعریف کرین ڈر کے تو خورسند نہ ہونا
اعدا سے کسی بات مین تم بند نہ ہونا

زینب نے کہا جسمین رضا شہ عالی
مالک ہین وہی مین تو ہون اک چاہنے والی

صدقے کئے فرزند پھوپی سوگ نشین ہے
سمجھین تو میرا حق ہے نہ سمجھین تو نہین ہے

زندہ نہ محمد ہے نہ اب عون ہے بیٹا
تم بھی جو نہ پوچھو تو میرا کون ہے بیٹا

ولہ

خادم جدا نہ تھا شہ گردون سریر سے
کس جرم پر حضور خفا ہین حقیر سے

ولہ

کس کی مجال ہے جو کہے گا یہ کیا کیا؟
بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا

ولہ

کہتے تھے راہ مین نہ کہ وار اپنا چل گیا
افسوس ہے کہ ہات سے دریا نکل گیا

مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ کا استعمال

حسن کلام کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کئے جائین۔

لفظ چونکہ آواز کی ایک قسم ہے اور آواز کے مختلف اقسام ہین۔ مہیب۔ پر رعب۔ سخت، نرم، شیرین، لطیف، اسی طرح الفاظ بھی صوت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہین بعض نرم شیرین اور لطیف ہوتے ہین بعض سے جلالت اور شان ٹپکتی ہے، بعض سے درد اور غمگینی ظاہر ہوتی ہے اسی بنا غزل مین سادہ، شیرین، سہل اور لطیف الفاظ استعمال کئے جاتے ہین، قصیدہ مین زور اور شاندار الفاظ کا استعمال

پسندیدہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح رزم، بزم، مدح و ذم، فخر، و ادعا، وعظ و پند، ہر ایک کے لئے جدا جدا الفاظ ہین

شعرا مین سے جو اس نکتہ سے آشنا ہین وہ ان مراتب کا لحاظ رکھتے ہین اور یہ اُنکے کلام کی تاثیر کا بڑا راز ہے

لیکن جو اس فرق مراتب سے واقف نہین یا ہین لیکن ایک خاص رنگ اُن پر اسقدر چڑھ گیا ہے کہ ہر قسم کے

مضامین مین ایک ہی قسم کے الفاظ اُن کی زبان سے ادا ہوتے ہین، اُن کا کلام بجز ایک خاص رنگ کے

بالکل بے اثر ہوتا ہے۔ یہی نکتہ ہے کہ سعدی سے رزم، اور فردوسی سے بزم نہین بنہ سکتی۔

میر انیس صاحب نے رزم، بزم، فخر، ہجو، نوحہ، سب کچھ لکھا ہے لیکن جہان جس قسم کا موقع ہوتا ہے

اُسی قسم کے الفاظ اُنکے قلم سے نکلتے ہین رزمیہ فخر لکھتے ہین تو فرماتے ہین ؎

طاقت اگر دکھاؤن رسالت مآب کی		رکھدون زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی	

جلال اور غیظ کو ان الفاظ مین ادا کرتے ہین ؎

کم تھا نہ ہمہمہ اسد کردگار سے		نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے	
کیا جانے کس نے روکدیا ہے دلیر کو		سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو	
تھا یہ بپھرا ہوا عباس میر اشیر جوان		سینۂ خُرپہ رکھے دیتا تھا نیزہ کی سنان	
لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو		روکے تھا ایک شیر جری دس ہزار کو	

دیکھو! ان اشعار مین جو الفاظ آئے ہین جس طرح، اُنکے مفہوم مین غیظ و غضب ہے اُسی طرح، الفاظ کی صوت

و لہجہ سے بھی، ہیبت اور غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے۔

بحرون کا انتخاب اور حسن قافیہ و ردیف

شعر کی دلاویزی اور دلفریبی کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ ہر مضمون کی مناسب بحرین اختیار کی جائین

فردوسی کی اسی غلطی نے اسکے یوسف زلیخا کو مقبول عام ہونے سے محروم رکھا،

شاہ نامہ کی بحر رزم کے لئے مخصوص ہے، فردوسی نے عشقیہ واقعات بھی اسی بحر مین ادا کرنے چاہے

اور اسوجہ سے ناکام رہا۔ میر انیس سے پہلے، مرثیے، اکثر بڑی بڑی بحرون مین لکھے جاتے تھے مثلاً ع

جب مشک بھر کر نہر سے عباس غازی گھر چلے،

ع آپ تو جیتے رہے، بابا کا سر کٹوا دیا،

یا نہایت چھوٹی بحرون مین

ع یہ کس موحنہ سے کہیے کہ وہ تشنہ لب ہے،

[میر صاحب نے تین چار بحرین خاص کرلین جن مین چند خصوصیتین پائی جاتی تھین،

۱- رزم و بزم، دونون کے لئے موزون تھین، مثلاً یہ بحر حشر برپا تھا کہ تیغ حُر دیجاہ چلی۔

۲- فقرون کی ترکیب اُن مین خواہ مخواہ چست ہوجاتی ہے مثلاً یہ بحر

ع قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون،

۳- کانون کو خوش معلوم ہوتی ہین۔]

قدیم مثنوین مین ردیف کا بہت کم التزام ہوتا تھا قافیہ ہی قافیے ہوتے تھے، یہ صاحب نے ردیف کا گویا التزام کرلیا۔ آج کل جو لوگ انگریزی شاعری کی کورانہ تقلید کرتے ہین وہ تو سرے سے قافیہ ہی کو بیکار کہتے ہین ردیف کا کیا ذکر ہے، شاید انگریزی زبان کی ساخت اسی قسم کی ہو جیسا کہ عربی مین ردیف نہایت بدنما معلوم ہوتی ہے، لیکن فارسی اور اُردو مین تو ردیف تال اور سُم کا کام دیتی ہے، جس طرح راگ مین تال نہو تو بدمزا ہے، یہی حالت، اُردو شعر کی ہے البتہ ردیف کے التزام کے لئے بہت بڑا قادر الکلام ہونا ضروری ہے، ورنہ ردیف کے التزام کے ساتھ آمد اور بے ساختگی قایم نہین رہتی، لیکن اگر یہ خوبیاں ہات سے نہ جانے پائے تو ردیف، سے شعر چمک جاتا ہے، ان دونون شعرون پر غور کرو، ؎

ساقیا عید ہے، لا بادہ سے مینا بھر کے		کہ مے آشام پیاسے ہین مہینہ بھر کے	
چاہنا خلق کو صہبا و صنم سے محروم	ولہ	ایسی نیت پہ بہشت آپ کو واعظ معلوم	

دونون شعر اپنی اپنی حیثیت سے لاجواب ہین، لیکن پہلے شعر کو ردیف نے کسقدر چمکا دیا ہے بعض

جگہ ردیف کی تکرار نہایت لطف پیدا کردیتی ہے، میر صاحب کے ہان اسکی مثالین بھی کثرت سے ملتی ہین حسن قافیہ وردیف، وتکرار کی یکجائی چند مثالین، ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین۔ ؎

کین صفین صاف مگر منہ کی صفائی نہ گئی	ولہ	سیکڑون خون کئے اور کہین آئی نہ گئی
شیطان عمر سعد کی گردن پہ چڑھا ہے	ولہ	بھاگو پسر شیر خدا رن پہ چڑھا ہے
دکتا نہ تھا علیؑ ولی کے پسر کا ہات	ولہ	دو ہو کے گر پڑا جسے مارا کمر کا ہات
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھیرا پسر کے ساتھ	ولہ	اُس معرکہ مین چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
ڈھالون سے پھول لیگئی پھولون سے زر لیا	ولہ	اپنا خراج تیغ نے ان سب سے بھر لیا
سب تھک گئے مگر نہ تھکے تیغ زن کے ہاتھ	ولہ	وہ معرکہ رہا اسی گل پیرہن کے ہاتھ
ظالم ستمگار بن گیا کیہان خدیو کا	ولہ	کافر وہ تھا تو ہاتھ بھی مارا جنیو کا
ماتم ادہر تھا جشن مین تھے اہل شر اُدھر انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر	ولہ	بجتے تھے شادیانہ فتح و ظفر اُدھر روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت اِدھر اُدھر
پہچانتے تھے خوب پیمبر مرے جوہر کھولے ہین یداللہ نے اکثر مرے جوہر	ولہ	مخفی نہین جبریل امین پر مرے جوہر کرار نے دیکھے ہین مکرر مرے جوہر
کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے پانی وہ خود پیئے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے	ولہ	تنتی تھی کیا تنون سے زمین پاٹ پاٹ کے دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
بڑھتے تھے جو پرے سے بڑے بول بول کے حملہ کیا جو تیغ دو دم تول تول کے	ولہ	پہلے انہین کو مار لیا رول رول کے ہتیار سب نے پھینک دیے کھول کھول کے
شہ کے غضب سے مانگتی تھی ہر کمان امان دیتے نہ تھے کسیکو امام زمان امان	ولہ	مضطر زمین تھی، مانگتا تھا آسمان امان ہر صف مین تھا یہ شور کہ مولا، امان امان

محاورہ کی زبان ہے۔

تنسیق الصفات جب کسی موقع پر چند الفاظ ایک وزن یا ایک قسم کے پے در پے آتے ہین تو ایک خاص لطف پیدا ہوتا ہے، میر صاحب کے کلام مین اسکی مثالین کثرت سے ملتی ہین ؎

دوزخ کی زبانون سے بھی آنچ اُسکی بُری تھی		برچھی تھی کٹاری تھی سروہی تھی چھری تھی
موجود بھی ہر غول مین اور سب سے جدا بھی	ولہ	دم خم بھی لگاوٹ بھی صفائی بھی ادا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی پانی بھی ہوا بھی		امرت بھی ہلاہل بھی مسیحا بھی قضا بھی
کوفہ مین یہی معرکہ دن بھر نظر آیا	ولہ	شمر آیا۔ سنان آیا۔ حُر آیا۔ عمر آیا
سمٹا جما اُڑا۔ اِدھر آیا۔ اُدھر گیا	ولہ	چمکا۔ پھرا۔ جمال دکھایا۔ ٹھہر گیا
چلتی تھی عجب رنگ سے شمشیر قضا رنگ	ولہ	ہر بات مین دکھلاتی تھی اعدا کو نیا رنگ
چم خم کا جدا رنگ تھا، کس بل کا جدا رنگ		لب سرخ۔ دہن صاف، بدن گول ہر رنگ

بلاغت

انیس و دبیر کے موازنہ مین یہ فقرہ ضرب المثل ہوگیا ہے کہ میر صاحب مین **فصاحت** زیادہ ہے اور مرزا صاحب مین **بلاغت**، لیکن یہ فقرہ جس قدر زیادہ مشہور ہے اُسی قدر بلکہ اُس سے زیادہ غلط اور بے معنی ہے، بلاغت کی جو تعریف تمام کتابون مین مذکور ہے اور جس سے کسی کو کسی قسم کا اختلاف نہین، اُسکی رو سے، بلاغت کی پہلی شرط یہ ہے کہ کلام فصیح ہو، اسلئے فصاحت و بلاغت کو باہم حریف قرار دینا اجتماع النقیضین ہے، اگر مرزا صاحب مین بلاغت زیادہ ہے تو اسکے یہ معنی ہین کہ فصاحت بھی زیادہ ہے، کیونکہ کلام اُس وقت تک بلیغ نہین ہوسکتا جب تک اسکے تمام الفاظ، مفردات و مرکبات فصیح نہون، اگر فصاحت مین کسی قسم کی کمی ہوگی تو بلاغت مین بھی کمی ہوگی، اسلئے کسی کلام کی نسبت یہ کہنا کہ اسمین بلاغت زیادہ ہے اور فصاحت کم، گویا یہ کہنا ہے کہ فصاحت زیادہ بھی ہے اور کم بھی،

بلاغت کی تعریف علماے معانی نے یہ کی ہے کہ کلام اقتضاے حال کے موافق ہو، اور فصیح ہو، مقتضاے حال کے موافق ہونا، ایسا جامع لفظ ہے جس مین بلاغت کے تمام انواع و اسالیب آجاتے ہین، لیکن افسوس ہے کہ کتب معانی مثلاً مطول، ایضاح، وغیرہ مین بلاغت کی جو تشریح کی ہے اور اسکے جس قدر انواع و اقسام قرار دیے ہین، وہ نہایت جزئی اور معمولی باتین ہین، ان تصریحات کی رو سے بلاغت اس کا نام ہے، کہ مبتدا اور خبر کہان مقدم لائے جائین اور کہان مؤخر؟ کہان معرفہ ہون کہان نکرہ؟ کہان مذکور ہون، کہان محذوف؟ اسناد کہان حقیقی ہو، کہان مجازی؟ جملہ کہان خبریہ ہو، کہان انشائیہ؟ دو فقرون مین کہان وصل ہو کہان فصل؟ کلام مین کس موقع پر اطناب کیا جاے کس موقع پر اختصار؟ - گویا **بلاغت** کا صرف اسقدر فرض ہے کہ جب تم کسی مطلب کو کسی خاص جملہ مین ادا کرنا چاہو تو وہ یہ بتادے کہ جملہ کے اجزا کیا ہونے چاہئین اور اُن اجزا کی ترکیب کیا ہونی چاہیئے، لیکن اگر عام طور پر یہ پوچھا جاے کہ کس قسم کے مضامین کو کیونکر ادا کرنا چاہیئے مثلاً مدح - ذم - فخر - ہجا - تمنیت - تعریض - شوق - محبت، ان مضامین سے ہر ایک کے ادا کرنے کے کیا کیا خاص پیرایے ہین؟ ہر مضمون کا خاکہ کیونکر قائم کرنا چاہیئے؟ کس قسم کے خیالات کس خاص مضمون کے ساتھ تعلق رکھتے ہین؟ تو موجودہ فن بلاغت اس کے متعلق کچھ رہبری نہین کرسکتا، حالانکہ بلاغت کا اصلی تعلق مضامین ہی سے ہے نہ الفاظ سے مثلاً یہ امر کہ ایک واعظ کو کسی بات کے ثابت کرنے کے لئے کس قسم کے مقدمات سے کام لینا چاہیئے؟ اور اسی بات کو اگر ایک حکیم ثابت کرنا چاہے تو اُسکے استدلال کا کیا طرز ہوگا؟ اس مین الفاظ کی حیثیت سے بحث نہین ہوتی بلکہ صرف نوعیتِ استدلال کا لحاظ ہوتا ہے، یعنی اگر ایک حکیم کے استدلال مین، واعظانہ مقدمات پائے جائین تو کہا جائیگا کہ خلافِ بلاغت ہے، کیونکہ بلاغت کے معنی مقتضاے حال کے موافق کلام کرنا ہی اور ظاہر ہے کہ ایک حکیم کو واعظانہ مقدمات سے استدلال کرنا، اسکے رتبہ کے خلاف ہے - اس سے ظاہر ہوا کہ بلاغت کو الفاظ سے چندان تعلق نہین، محض مضامین کو بھی بلیغ یا غیر بلیغ کہا جاسکتا ہے، بلاغتِ الفاظ درحقیقت بلاغت کا ابتدائی درجہ ہے، اصلی اور اعلیٰ درجہ کی بلاغت، معانی کی بلاغت ہے -

میر انیس صاحب کے کلام مین بلاغت الفاظ بھی اگرچہ انتہا درجہ کی ہے، لیکن یہ اُنکے کمال کا اصلی معیار نہین، اُنکے کمال کا اصلی جوہر معانی کی بلاغت مین کھلتا ہے۔

کربلا کے واقعات، جو میر انیس اور تمام مرثیہ گویون کا موضوع شاعری ہے، جہان تک تاریخ و روایت سے ثابت ہین نہایت مختصر ہین، لیکن مرثیہ گویون نے اُن مین نہایت وسعت پیدا کی ہے۔ بعض جگہ محض ایک اجمالی واقعہ مذکور تھا، اُسکو اسقدر وسعت دی کہ واقعہ کے تمام جزئیات بیان کر دئے۔ بعض جگہ روایت مین اُس واقعہ کا نام و نشان بھی نہ تھا لیکن اس لحاظ سے کہ وقت اور حالت کے اقتضا سے اُس واقعہ کا پیش آنا ضرور تھا، واقعہ کو فرض کر لیا ہے اور پھر اُسکو اسطرح پھیلا کر لکھا ہے کہ گویا پورا واقعہ من و عن روایتون مین مذکور تھا

مثلاً یہ واقعہ کہ جب حضرت عباس کو علمدار تو عون و محمد کو رنج ہوا کہ یہ ہمارا حق تھا، وہ اپنی مان حضرت زینب کے پاس شکایت لیکر گئے، اُنھون نے سمجھایا کہ امام علیہ السلام نے جو کچھ کیا بجا کیا" یہ واقعہ نہایت تفصیل سے تمام جزئیات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، حالانکہ کتب تاریخ مین سرے سے اسکا ذکر نہین، یا مثلاً حضرت علی اکبر کی تیاری جنگ کے وقت، حضرت زینبؑ کا آزردہ ہونا اور جانے سے روکنا، یا مثلاً حضرت شہربانو کا حضرت علی اکبر سے اس بات پر ناراض ہونا کہ امام علیہ السلام کو تنہا چھوڑ کر کیون چلے آئے، ان تمام واقعات کا تاریخ مین پتہ نہین، اس قسم کے واقعات کے بیان کرنے مین، بلاغت کا پہلا فرض یہ ہے کہ جو واقعہ فرض کیا جائے وہ ایسا ہو کہ وقت اور حالت کے لحاظ سے، اُس کا واقعہ ہونا یقینی ہونے کے برابر ہو، اسکے ساتھ واقعہ کے جزئیات اور کیفیات جو بیان کئے جائین وہ بالکل مقتضائے حال کے موافق ہون، اور اس طرح بیان کئے جائین کہ واقعہ کی صورت آنکھون مین پھر جائے،

اس نکتہ کی حقیقت، ایک مثال سے زیادہ تر واضح ہوگی، مرزا دبیر صاحب نے ایک مرثیہ مین یہ واقعہ باندھا ہے کہ جب حضرت علی اکبر جوان ہوئے تو جا بجا اُنکے حسن و جمال کا شہرہ ہوا یہان تک کہ بادشاہان وقت نے اپنے اپنے ملک سے مصور بھیجے کہ اُن کی تصویر کھینچکر لائین، حلب کا بادشاہ سب سے

زیادہ مشتاق ہوا اور جب تصویر اُس کے پاس پہونچی تو اُسنے فوراً اپنی بیٹی سے حضرت علی اکبر کی نسبت ٹھہرائی، اور حضرت امام حسینؑ کے پاس پیغام بھیجا، امام ممدوح نے اپنی بے اطمینانی کی حالت بیان کی اور اخیر مین لکھا، ؎

اکبر کا بیاہ خالقِ اکبر کے ہات ہے
بابا کے ہات ہے نہ یہ مادر کے ہات ہے

لیکن بادشاہ حلب نے باوجود اسکے نسبت ٹھہرا ہی دی، اور شادی کے تمام سامان مہیا کرنے شروع کر دیئے اِدہر کربلا کا واقعہ پیش آیا۔ جب بادشاہ کو خبر پہونچی تو وہ مع اپنے خاندان کے کربلا پہونچا، بادشاہ کی لڑکی نے جو حضرت علی اکبر سے منسوب تھی اس طرح نوحہ کیا ؎

آئی ہون گھر سے بال پریشان کئے ہوئے
دولہ اُٹھو، کھڑی ہے دلہن سر لئے ہوئے

دولہا! تمھاری بیوطنی پر نثار مین
دولہا! تمھاری بے کفنی پر نثار مین
دولہا! تمھاری خستہ تنی پر نثار مین
دولہا! تمھاری کم سخنی پر نثار مین

مُردے کا ذکر کرتے ہین سب شور و شین سے
ہے ہے بیان تمھارے کرون کیا مین بین سے

خُوبو سے مطلع نہین مین سوختہ جگر
ہے ہے مین اپنے گھر سے نہ آئی تمھارے گھر
نتھ چوڑیان پہنے نہ پائی، مین نوحہ گر
جو آج ٹھنڈی کرتی مین صاحب کی لاش پر

حسرت ہی عقد کی رہی لونڈی کے باپ کو
ہے ہے بندھا نہ مہر جو بخشون مین آپ کو

دولہا! مین ننگے سر ہون مجھے تم ردا اُڑھاؤ
دولہا! کہان مین بیٹھون ٹھکانا مجھے بتاؤ
دولہا! مجھے بھی فاطمہؑ کے پاس لیتے جاؤ
دولہا برابر اپنے میری قبر بھی بناؤ

دولھا مقام شرم ہے در در نہ پھرنے دو پردہ دلھن کا رکھہ لو کھلے سر نہ پھرنے دو	

مرزا صاحب نے اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ فرضی عروس کی زبانی ایک بڑا نوحہ الگ لکھہ کر مرثیہ کے ساتھہ بطور ضمیمہ کے شامل کیا ہے جسکا مطلع یہ ہے، ؎

کس عادل و منصف کی مین دون رُو کے دوہائی سُنتی ہے دُلھن شکل رنڈاپے نے دکھائی	ہے ہے میرے نوشاہ ہے ہے میرے نوشاہ

یہ تمام قصہ، بالکل بلاغت اور مقتضاے حال کے خلاف ہے، تمام باتون سے قطع نظر کرکے، ایک کنواری لڑکی کا بین اور نوحہ کرنا جو خود کہتی ہے کہ مین آپ کے عقد مین نہین آئی، اور پھر دولھا دولھا پکارتی جاتی ہی کسقدر بیمعنی اور لغو ہے،

میر انیس نے سیکڑون ہزارون مرثیے لکھے ہین، اور ہر مرثیہ بجاے خود ایک قصہ یا حکایت ہے، لیکن کوئی واقعہ ایسا نہین لکھا جو اقتضاے حال کے خلاف ہو، عون و محمد کی روایت کا سرے سے کہین پتہ نہ تھا، لیکن جب میر انیس نے اس کو مرثیہ مین لکھا تو تمام لوگون کو اس کی واقعیت کا دھوکا ہوا یہان تک کہ اب وہ بطور ایک واقعہ مسلمہ کے تمام مرثیہ گویون کے ہان مختلف پیرایون مین بیان کیا جاتا ہے، اسی طرح میر انیس نے جس قدر واقعات لکھے ہین باوجود رقت انگیز اور موثر ہونیکے، واقعیت کے قالب مین اسقدر ڈھلے ہوئے ہین کہ کہین سے اُن پر حرف گیری نہین ہوسکتی۔

مرثیون مین جو مضامین، قدر مشترک کے طور پر ہین وہ یہ ہین، آمادگی سفر۔ راہ کی تکلیفات اور صعوبتین، قیام گاہ کا انتظام، دشمنون کی روک ٹوک، معرکہ کی طیاریان، رزم آرائی، رجز۔ حریفون کا قتال و جدال، دشمنون کی فتح، اہل حرم کی بیکسی اور بیچارگی، شام کا سفر۔ قید خانہ، دربار کی حاضری۔

ان مین سے ہر عنوان کے ادا کرنے کے لئے بلاغت کے خاص خاص طریقے ہین، مثلاً

سفر کی طیاری کے بیان کرنے مین بلاغت کا یہ اقتضا ہے کہ سفر کے وقت، جو جو واقعات، اور حالات پیش آتے ہین، ان کی تصویر کھینچی جائے، سفر کی آمادگی، سواریون کی تقسیم، زاد سفر کا انتظام، محملون اور کجاؤن کی طیاری، مستورات کے پردہ کا انتظام، دوست اور احباب کے وداعی جذبات، بھائی بھتیجون اور عزیزون کی گریہ وزاری، دلدہی اور صبر کے کلمات، یہ تمام باتین تفصیل سے بیان کی جائین اور اس طرح کی جائین کہ آنکھون کے سامنے بعینہ سفر کا نقشہ پھر جائے میر انیس نے جہان جہان سفر کا بیان کیا، ان نکتون کو ملحوظ رکھا ہے

دو حریفون کی باہمی معرکہ آرائی کو اسطرح بیان کرنا چاہیئے کہ پہلے دونون کے سراپا ڈیل ڈول، اور اسلحہ جنگ سجنے کا نقشہ دکھایا جائے، پھر بتایا جائے کہ دونون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، حریف نے حریف پر کیونکر حملہ کیا، کسطرح وار بچایا، تلوار کے کیا کیا ہاتھ دکھائے، بندکیونکر باندھے، وغیرہ وغیرہ میر انیس کے ہان یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، بخلاف اسکے مرزا دبیر صاحب، آسمان وزمین کے قلابے ملا دیتے ہین، لیکن یہ پتہ نہین لگتا کہ دونون حریفون مین سے کسی نے دوسرے پر وار بھی کیا تھا یا نہین،

غرض ہر واقعہ، اور ہر معاملہ کے بیان کرنے مین بلاغت کا یہ اقتضا ہے کہ اسکی تمام خصوصیات، اسطرح دکھائی جائین کہ دلون پر وہی اثر طاری ہو جو خود واقعہ کے پیش آنے سے پڑتا، میر انیس کے کلام مین عموماً یہ وصف پایا جاتا ہے ہم نے اس موقع پر مثالین، اسلئے قلم انداز کین کہ آگے چلکر، واقعہ نگاری، اور اظہار جذبات وغیرہ کے عنوانون مین جو مثالین آئین گی وہی بلاغت کے لئے بھی کافی ہونگی،

بلاغت کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ واقعات کے بیان مین جس درجہ ورتبہ، اور جس سن وسال کے لوگون کا ذکر آئے، اُسی قسم کے طرز خیال، اور طریق ادا کو ملحوظ رکھا جائے، بوڑھے، بچے، جوان، مرد، عورت، کنواری، بیوہ، آقا، غلام، نوکر چاکر، غرض جسکی زبان سے جو خیال ظاہر کیا جائے اُسکی زبان اور طرز خیال کی تمام خصوصیتون کو قائم رکھا جائے، میر انیس نے تمام مرثیون مین یہ نکتہ ملحوظ رکھا ہے، مثلاً حضرت امام حسینؑ کے سفر کے وقت، محلہ کی بی بیان حضرت زینبؑ کو سفر سے روکتی ہین ؎

جمہائیون کی بمدردی اور اظہار افسوس کا کیا طریقہ ہے

سب کہتے ہین زینبؑ سے کہ اے شاہ کی شیدا
کس طرح کے خط آئے یکایک یہ ہوا کیا؟
پانی کی کمی، گرمی کے دن، خوف کا رستہ
وہ دھوپ پہاڑون کی، وہ لون اور وہ صحرا

کیا سوچ کے اس فصل مین شبیرؑ چلے ہین
بچون پہ کرو رحم، کہ نازون کے پلے ہین

ہے ہے، چہ مہینہ کے بھی بچہ کا سفر ہے
کچھ تم کو پہاڑون کی بھی گرمی کی خبر ہے؟
غربت مین جوانون کے تلف ہونیکا ڈر ہے
رحم اس پہ ہے لازم، کہ یہ بچہ گل تر ہے

اصغر کو جداؤ کہ ہو، قلق مان کو سوا ہو
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو؟

ایک اور موقع پر اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

عورتین کیونکر صلاح دیتی ہین۔

لے لے کے بلائین یہی سب کرتی ہین تقریر
اس گرمی کے موسم مین کہان جاتے ہین شبیرؑ
سمجھاتی نہین بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر
مسلم کا خط آئے تو کرین کوچ کی تدبیر

للہ ابھی قبر پیمبرؐ کو نہ چھوڑین
گھر فاطمہؑ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑین

یا مثلاً جب حضرت امام حسینؑ اپنی چھوٹی صاحبزادی صغریٰ کو سفر مین لیجانے سے انکار کرتے ہین تو وہ حضرت زینبؑ سے سفارش کراتی ہین ؎

بچون کے ادائے مدعا کا طرز

صغرا نے کہا آپکی باتون کے مین قربان
تم جان بچالو کہ مین لونڈی ہون پھوپی جان
بیٹی ہو علیؑ کی، میری مشکل کرو آسان
جیتی رہی صغرا تو نہ بھولے گی یہ احسان

کچھ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین
اماں تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

دوسروں کی محبت کا تصور۔

پیاری ہین جو دو بیٹیان وہ جائینگی ہمراہ
کیا اُنس، کہ مین گور کنارے بھی تو ہون آہ
بابا کو نہ اماں کو نہ بہنون کو میری چاہ
سب جیتے رہین، خیر ہمارا بھی ہے اللہ

بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کرینگے
مین قبر مین جب ہون گی تو سب یاد کرینگے

خاص عزیزوں کی شکایت۔

عاشق میرے مشہور ہین بھیّا کے مین واری
دو دن سے خبر بھی نہین لی آکے ہماری
قاسم کو غرض کیا جو سُنین گریہ وزاری
مین کون؟ سکینہ ہین چچا جان کو پیاری

اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہین ہے
مٹی میری کچھ قبر کو دشوار نہین ہے

یا مثلاً حضرت علی اصغر کے پیاس سے جان بلب ہونے کے وقت، ان کی ماں کی حالت اسطرح بیان کی ہے ؎

چلاتی تھی یکہ اے ہوے بالون کو مادر
دولت میری لٹتی ہے اُجڑتا ہے مرا گھر
فریاد ہے اے لخت دل ساقی کوثر
آنکھین بھی جھپکتے نہین اب تو علی اصغر

کیا ہوگیا؟ اس صاحب اقبال کو میرے
ہے ہے لئے جاتی ہے اجل لال کو میرے

یا مثلاً حضرت امام حسین کی رخصت کے وقت، شہربانو فرماتی ہین ؎

کچھ حق مین اس کنیز کے فرما کے جایئے
صاحب! کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جایئے

یا مثلاً جب حضرت امام حسینؑ کربلا مین پہونچے اور وہان اُترنے کا ارادہ کیا، تو حضرت زینبؑ اس مقام کی وحشت اور ویرانی سے گھبرا کر فرماتی ہین ؎

کیون چلتے چلتے آپنے یان روک لی لگام
بھیّا ادھر تو آؤ یہ ہے کون سا مقام؟

بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے
اس دشت پُرخطر مین اُترنا تو قہر ہے

عورتون کی ضعیف القلبی

جنگل مین ہے بشر کیلیے سو طرح کا ڈر
اُٹھتے ہین بار بار بگولے اِدھر اُدھر
دن کٹ گیا تو ہوگی شب کسطرح بسر
لشکر مین غل رہے گا درندون کا رات بھر

سنچے بھی مارے ہول کے ترہین پسینے مین
میرا تو دل ابھی سے اُچھلتا ہے سینے مین

اسی واقعہ کو ایک اور موقع پر لکھا ہے ؎

بھائی سے اس زمین کی سنی ہے بہت صفت
ہے وہ امام واقفِ اسرارِ شش جہت
جو جو مُسن ہین، ان سے بھی لازم ہے مشورت
صدقے گئی حبیب سے بھی کر لو مصلحت

ساحل پہ دشمنون مین کسیکا عمل نہ ہو
بھیّا مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل نہ ہو

یا مثلاً جب امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کو علم دیا ہے تو حضرت زینبؑ، عباسؑ کو مبارکباد دیتے ہوئے فرماتی ہین ؎

گھر مین سلامت آئینگے جب سرورِ اُمم
تب دونون کی تسکو تنیت عہدۂ علم
ہاتون کو جوڑتی ہے یہ بھینا، اسیرِ غم
کیجو صلاح صلح، کہ لشکر ادھر ہے کم

تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو
بھیا تمھین سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

اسی موقع پر سکینہؑ مبارکباد کو آتی ہین، تو ان کے صغرِ سن کے لحاظ سے ان کی مبارکباد دینے کو کس پیرایہ مین ادا کیا ہے ؎

اتنے مین پاس آکے سکینہ نے یہ کہا
عہدہ علم کا، تم کو مبارک ہوا سے چچا!

ہمیرہ کی لُون بلائین، مین صدقے جہکو ذرا
مین نے دعائین کی ہین کہو مجکو دوگے کیا

میدان کا رخ کروگے کہ دریا پہ جاؤگے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤگے

"جہکو ذرا" کی بلاغت پر لحاظ کرو، اور دعا کے صلہ مانگنے کو دیکھو۔

ایک اور موقع پر لکھتے ہین۔

چلاتی ہے سکینہ کہ اچھے میرے چچا،
بابا سے کہہ دو اب کہین خیمہ کرین بپا

محمل مین گھٹ گئی، مجھے گودی مین لو ذرا
ٹھنڈی ہوا مین لیکے چلو، تم پہ مین فدا

سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو میری حالت خراب ہے

بچون کی بول چال سے قطع نظر، یہ دیکھو کہ بچون کی فطرت کو کس نکتہ سنجی سے ظاہر کیا ہے، بچون کی تدعا طلبی کا بڑا آلہ طعن اور تعریض ہے، اس کو کس خوبی سے ادا کیا ہے، ع تم تو ہوا مین ہو، میری حالت خراب ہے

ایک اور موقع پر، جب حضرت عباسؑ لڑنے کیلئے چلے ہین، اور سب لوگ تن بہ تقدیر اُن کو رخصت کر چکے ہین، تو حضرت سکینہ کو خبر ہوئی ہے، وہ گھبرا کر روکنے کیلئے آتی ہین، اور بچپن کے ناز سے کہتی ہین۔

خیمہ مین ہوا غل کہ چلے حضرت عباس
گھبرا کے سکینہ نے کہا تب یہ بصد یاس

سب بولے کہ لو اور بھی سر ہوئے بے آس
کیا کہتے ہو تم، مجکو تو جانے دو چچا پاس

مُنہ تم سے وہ موڑینگے نہ مانون گی کبھی مین
عمو، مجھے چھوڑینگے نہ مانون گی کبھی مین

عباسؑ، پکارے مین اس آواز کے قربان
ہم جاتے ہین پانی کے لئے آؤ میری جان

دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ نادان
مین گھر سے تمھین جانے نہ دونگی کبھی عنوان

بابا کا میرے کوئی مددگار نہین ہے
صدقے گئی پانی مجھے درکار نہین ہے

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ کے شہید ہونے کی خبر آئی ہے، اور لوگ بدحواس ہو رہے ہین حضرت عباس کی زوجہ نے یہ خبر نہین سنی ہے لیکن قرینون سے انکو شبہہ ہوتا ہے، اُن کے بدحواسانہ استفسار کو یون ادا کیا ہے ؎

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباسؑ
کیا کہتے ہین شاہِ شہدا؟ کس سے ہوئی یاس

کیون بی بیو! بچے میرے کیا ہوگئے بے آس
اے وائے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس

کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو
تم سب میرا منہ دیکھ کے کیون روتے ہو لوگو

اس مصرعہ مین ع اے وائے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس، کس قدر ایثار نفس کا خیال ظاہر کیا ہے یعنی اپنے شوہر کے مرنے کا غم اپنی مصیبت کے لحاظ سے نہین بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ سکینہ کے لئے پانی نہ لا سکے اور اُن کی پیاس نہ بجھا سکے۔

یا مثلاً جب حضرت علی اکبرؑ نے ماں سے اجازت لیکر میدان جنگ مین جانے کا ارادہ کیا ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپی سے بھی تو اجازت لو، اُس وقت حضرت زینب فرماتی ہین ؎

زینبؑ نے کہا جس مین رضائے شہِ عالی
کیا غم ہے، نہ پوچھا مجھے۔ ان سے تو خیالی

مین نے تو کوئی بات نہین منہ سے نکالی
مالک ہین وہی، مین تو ہون اک چاہنے والی

صدقے کئے فرزند، پھوپی سوگ نشین ہے
سمجھین تو میرا حق ہے نہ سمجھین تو نہین ہے

بچپن مین یہ کاہے کو میری چھاتی پہ سوئے
کنگھی نہین کی، گیسوے مشکین نہین دھوئے

کب جاگی مین تا صبح جو یہ چونک کے روئے
ان کیلئے کب مین نے پسر ماتر سے کہوئے

کیون روتے ہین یہ کس لیے حضرت کو قلق ہے
حق دار مین کاہے کو، میرا کون سا حق ہے

حضرت علی اکبر کو، حضرت زینب ہی نے پالا تھا، اور وہ اُنکو اپنے بچون سے زیادہ عزیز رکھتی تھین، حضرت علی اکبر بھی، ہر بات مین اُنھی کا مُنہ دیکھتے رہتے تھے، چونکہ انکو معلوم تھا کہ حضرت زینب میدان جنگ مین جانے کی اجازت بڑی مشکل سے دین گی، اسلئے اُنھون نے پہلے اپنی مان باپ سے اجازت لی ہے کہ اور لوگ اجازت دیدین تو حضرت زینبؑ سے درخواست کرنے کے لیے سند ہات آئے، اتنے مین حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپی سے بھی تو اجازت لو، وہ بھری ہوئی بیٹھی تھین، اُن کی طعن آمیز تقریر کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

یا مثلاً جب یزید کی بیوی ہند نے قید خانہ مین اہلِ حرم کے دیکھنے کے لیے جانا چاہا ہے، تو لونڈیون اور پیش خدمتون کی تقریر کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

سب عورتونکو لیکے چلی جب وہ حق شناس
کپڑے یہ ملگجے ہین بدل ڈالئے لباس

کہنے لگین یہ تب جو کنیزین تھین آس پاس
اسنے کہا کہ ہے میرے دل پر ہجوم یاس

اک دم مین سوگوارون کو مین دیکھ آتی ہون
کیسا لباس، کیا کسی شادی مین جاتی ہون

جب وہ قید خانہ کے دروازہ پر پہونچی ہے تو ؎

بڑھ کر کسی کنیز نے، تب یہ کیا بیان
چلیے محل مین۔ آپ بھلا جائینگی کہان

بی بی! کوئی اسیرون مین زندہ نہین ہے یان
قابل نہین حضور کے جانے کے یہ مکان

گر غش ہوئی تو آپ مین آیا نجائے گا
ہم سے تو اس خرابہ مین جایا نجائے گا

لونڈیان، ہند کو قید خانہ مین جانے سے روکنا چاہتی ہین، اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے پہلے تو یہ کہا کہ یہان کوئی زندہ نہین، پھر یہ کہ یہ مکان آپ کے جانے کے قابل نہین، پھر اس مین مبالغہ کا یہ اسلوب کہ آپ کو اختیار ہے لیکن ع ہم سے تو اس خرابہ مین جایا نجائے گا۔

اسی مضمون کو ایک اور مرثیہ مین اس طرح باندھا ہے کہ دربانون نے اس خیال سے کہ قید خانہ مین امام زین العابدینؑ بھی ہین اور وہ غیر محرم ہین، اہل حرم کی طرف مخاطب ہو کر کہا ہے ؎

یا تو ہمارے کی آنکھین اسیر (قیدی ۱۲) بند کرین
یا ہم آکر کسی حجرہ مین جدا بند کرین

غور کرو لونڈیون اور پیش خدمتون کی خوشامدانہ فطرت کا کس طرح اظہار کیا ہے، اور دربانون کی تحقیرانہ فرمایش کسقدر دلدوز ہے کہ یا تو زین العابدینؑ کی آنکھین بند کردو، یا ہم آکر کسی حجرہ مین انکو بند کردین۔

یا مثلاً جب حُر نے اپنے بھائی، بیٹے اور غلام سے مشورہ کیا ہے کہ کس کا ساتھ دینا چاہیئے، تو انہون نے یون جواب دیا ہے ؎

بیٹے نے کہا، شہ کی غلامی ہے سعادت
آنکھون سے چلینگے کہ یہ ہے عین عبادت
بھائی نے کہا کفر ہے حاکم کی اطاعت
کچھ ڈر نہین، بس آج سے کی ترک رفاقت

مظلوم سے، دو روز کے پیاسے سے لڑین ہم
کیا خوب! محمدؐ کے نواسے سے لڑین ہم

عبد حُر غازی نے کہا تول کے شمشیر
گر لاکھ ہون جانین تو نثار سر شبیر
دنیا مین نہوگا عمر سعد سا بے پیر
کیئے تو کرون اسکے مٹا دینے کی تدبیر

حافظ ہے خدا، زور سے تلوار کے چلیئے

اُس فوج مین چلیئے تو اسے مار کے چلیئے

دیکھو بھائی اور بیٹے نے جو کہا اور جو ارادہ کیا، اُن کو اجازت طلبی کی ضرورت نہین - بخلاف اسکے غلام کہتا ہے کہ ع کہیئے تو کرون اسکے مٹا دینے کی تدبیر، یہ وہی غلامانہ انداز گفتگو ہے - اس سے بڑھ کر یہ کہ اس فعل کو بھی اپنی طرف منسوب نہین کرتا بلکہ کہتا ہے ع اُس فوج مین چلیئے تو اسے مار کے چلیئے،

یا مثلاً جب حضرتِ عباسؑ، میدان جنگ کو جا رہے ہین تو اُنکی زوجہ، حضرت شہر بانو سے کہتی ہین ؎

کہتی ہے رو کے بانوے عالم سے بار بار
ہم کو تباہ کرتے ہین عباس نامدار
ہے لونڈیون کے باب مین بی بی کو اختیار
کچھ آپ بولتی نہین اس وقت؟ مین نثار

کہیئے جو روکنے کی کوئی اِسکے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ میرا گھر تباہ ہو

اسی طرح کہتے کہتے، اخیر مین کہتی ہین، ع بی بی مین کیا کرون میرے بچے صغیر ہین

دیکھو بیقراری کی معذرت مین کسقدر حسرت بھری ہوئی ہے - حضرت عباسؑ نے زوجہ کی یہ حالت دیکھی تو ان کو روکا ؎

عباسؑ دیکھتے ہین جو زوجہ کا اضطرار
ہوتا ہے تیر غم جگر ناتوان کے پار
روتے ہین خود، مگر یہ اشارہ ہے بار بار
شوہر کے غم مین یون کوئی ہوتا ہے بیقرار

آؤ ادب سے دلبر زہرا کے سامنے
روتی ہین لونڈیان کہین آقا کے سامنے

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ، حضرت امام حسینؑ کے اصرار اور امتثال امر کی بنا پر، دریا سے ہٹ آئے تو حضرت عباسؑ کی شجاعانہ حسرت کو اس طرح ادا کیا ہے -

شجاعانہ حسرت

کہتے تھے راہ مین کہ نہ زور اپنا چل گیا
افسوس ہے کہ ہات سے دریا نکل گیا

یا مثلاً حضرت عباس نے جب حضرت امام حسینؑ سے خیمہ نصب کرنے کے متعلق دریافت کیا ہے تو ؎

کچھ سوچ کر امام دو عالم نے یہ کہا
پیچھے ہٹا یہ سنتے ہی عباس باوفا

زینبؑ جہان کہین وہین خیمہ کرو بپا
جا کر قریب محمل زینبؑ یہ دی صدا

سعادتمند چھوٹا بھائی کس ادب سے بڑی بہن سے خطاب کرتا ہے

حاضر ہے جان نثار امام غیور کا
برپا کہان ہو خیمۂ اقدس حضور کا؟

یا مثلاً حضرت زینبؑ نے علی اکبر کو حضرت عباس کے بلانے کے لئے بھیجا ہے تو وہ جا کر مودبانہ طریقہ سے حضرت عباس سے کہتے ہین ع چلیے پھوپی نے یاد کیا ہے حضور کو۔

یا مثلاً جب یہ بحث پیدا ہوئی ہے کہ فوج کا علم کسکو دیا جائے تو حضرت عباس کی بیوی اپنے شوہر کا استحقاق اسطرح سے بیان کرتی ہین ؎

خادم شہ دین کے ہین تو عباس علی ہین
اس عہدہ کے لائق جو اگر ہین تو وہی ہین

"جو اگر" غلط ترکیب ہے لیکن مستورات کی زبان کی بعینہ نقل کر دینے نے وہ بات پیدا کر دی ہے جو صحیح لفظ سے پیدا نہین ہو سکتی تھی،

اس قسم کی صدہا مثالین ہین۔

بلاغت کا ایک نازک موقع وہان پیش آتا ہے جہان حریف مخالف کا ذکر کرنا ہوتا ہے، دشمن کو اگر حقیر اور ذلیل ثابت کیا جائے تو اسکے مقابلہ مین فتحمندی کا مرتبہ گھٹ جاتا ہے، اور شان و شوکت دکھائی جائے تو مذہبی خیال کے خلاف ہوتا ہے، ایسے مشکل موقع پر میر صاحب جس طرح ان دونون

مشکلون سے عمدہ برا ہوتے ہین، اور مدح و ذم کو پہلو بہ پہلو رکھتے ہین، اس کا اندازہ ذیل کی مثالون سے ہوگا

بالا قد، کلفت، و تنومند، و خیرہ سر
روئین تن، و سیاہ درون، آہنی کمر

ناوک پیام مرگ کے، ترکش اجل کا گھر
تیغین ہزار ٹوٹ گئین جس پہ وہ سپر

دل مین بدی، طبیعت بد مین بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اُسکے اور اُسی قد و قامت کا ایک یل
آنکھین کبود، رنگ سیہ، ابرؤن پہ بل

بدکار و بدشعار و ستمگار و پر دغل
جنگ آزما، بھگائے ہوئے لشکرون کے دل

بھالے لیے، کسے ہوئے کمرین ستیز پر
نازان وہ حرب گرز پہ یہ تیغ تیز پر

ایک اور موقع پر لکھتے ہین ؎

نکلا یہ سُنکے غیظ مین اک پہلوان روم
گیتی ہے چار دانگ مین تھی جس شقی کی دھوم

سرہنگ، پُر غرور، سیہ قلب، نحس، شوم
لنگر سے جس کے ہل گئی، مقتل کی مرز و بوم

مرحب تھا کفر و شرک مین طاقت مین گیو تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا

چہرہ مُہیب غیظ سے، آنکھین لہو کی جام
تھرّائے سام، خوف سے کاندھے پہ وہ حسام

مُوذی، سیاہ بخت، سیہ دل، سیاہ فام
کہتا تھا لاکھ بل، جو کوئی لے علیؑ کا نام

کُندا سقر کے قعر کا، پتلا گناہ کا
دشمن تھا خاندان رسالت پناہ کا

ٹکڑے کرے پہاڑ کو وہ گرز گاؤ سر
پہنے ہوئے زرہ پہ زرہ، برمین بدگہر

زنجیرِ آہنی سے کسے جنگ پر کمر
مُنہ پھیرے جس سے تیغ وہ فولاد کی سپر

دستانے دونوں دست تعدّی پسند پر
پاکھر بھی آہنی تھی شقی کے سمند پر

ایک اور موقع پر ؎

نکلا اُدھر سے بھر وغا ایک روسیاہ،
زور آور، تہمتن، و مغرور، و کینہ خواہ
کاندھے پہ گرز، بر مین زرہ، خشمگین نگاہ
سر پر سنانِ قبضۂ تیغ آہنی کلاہ

آمد شقی کی تھی کہ روان رود نیل تھا
ھیبت مین تھا جو دیو، تو ہیکل مین پیل تھا

واقعات کے بیان مین، بلاغت کا ایک بڑا ضروری اصول یہ ہے کہ کہین سے سلسلۂ بیان ٹوٹنے نہ پائے، جب کوئی واقعہ مختلف اور متعدد واقعات پر مشتمل ہوتا ہے تو ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف منتقل ہوتے ہوئے اکثر بیان کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے، یا زائد اور بھرتی کے لفظ لانے پڑتے ہین جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زبردستی ایک واقعہ کا دوسرے سے پیوند لگایا ہے۔ مرزا دبیر صاحب کے کلام مین اسکی مثالین کثرت سے ملتی ہین، میر انیس کے اکثر مرثیے، بہت سے متعدد واقعات پر مشتمل ہوتے ہین یہان تک کہ اگر اُن پر الگ الگ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر واقعہ ایک جداگانہ مرثیہ کا موضوع ہے لیکن تسلسل بیان کا یہ اثر ہے کہ تمام مختلف واقعات ایک مسلسل زنجیر بن جاتے ہین جسکی تمام کڑیان آپس مین ملی ہوئی نظر آتی ہین،

مثلاً حُر کا ایک مرثیہ لکھا ہے۔ اسمین حسب ذیل مضامین بیان کئے ہین،

حُر کی مدح وصفت۔ امام علیہ السلام اور اہلبیت کا میدان جنگ مین آنا۔ دونون طرف کی طیاریان۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا وعظ اور اتمام حجت کی تقریر۔ عمر بن سعد کا حُر کی طرف مخاطب ہونا اور دونون کے

سوال وجواب حُر کا امام حسینؑ کی طرف رُخ کرنا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا بزرگانہ استقبال۔ حُر کی عفوخواہی اور امام حسین علیہ السلام کا عفو وکرم، حُر کا جنگ کے لئے اجازت طلب ہونا۔ میدان جنگ مین جانا اور شہید ہونا مرنے کے وقت حضرت امام حسین کا حُر کے پاس پہنچنا اور نزع کی گفتگو۔

یہ مرثیہ بہت بڑا ہے اور ہر واقعہ کو نہایت طول دیکر لکھا ہے۔ اسلئے پورا مرثیہ اس موقع پر نقل نہین کیا جاسکتا، ہم صرف اُن موقعون کے اشعار نقل کرتے ہین جہان جہان ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف انتقال کیا ہے مرثیہ حُر کی تعریف سے شروع ہوتا ہے۔ تعریف کرتے کرتے لڑائی کا ذکر کرتے ہین، ؎

وصف حُر مین ہے زبان معترف عجز وقصور
آمد آمد کی بہادر کا کرون اب مذکور

جب ہوئی مستعد جنگ سپاہ مقہور
مہر افلاک امامت نے کیا رن مین ظہور

غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے

ہو گئے سُرخ شجاعت سے رُخ آلِ نبی
آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی

رن مین کڑکا ہوا بجنے لگے باجے غزبی
یکہ تازون نے کیا شور مبارز طلبی

ایک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے سیہ کاردن کی
برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

برچھیان تول کے ہر غول سے اسوار بڑھے
نیزے ہاتون مین سنبھالے ہوئے خونخوار بڑھے

تیر جوڑے ہوئے چلّون مین کماندار بڑھے
بولے شہ، یان سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے

(یہان سے امام حسینؑ کا وعظ وتلقین کی طرف اگریز ہے)

اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہین
مین نبی زادہ ہون سبقت مجھے منظور نہین

یہ سخن کہکے مخاطب ہوئے اعدا سے امام
اے سپاہ عرب ومصر ورے کوفہ وشام

تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام
پسر مصحف ناطق ہون سنو میرے کلام

سخن حق کی طرف کانون کو مصروف کرو
شور باجون کا مناسب ہو تو موقوف کرو

امام حسینؑ کا وعظ نہایت تفصیل سے لکھا ہے اسکے بعد عمر بن سعد اور حُر کی مخاصمانہ گفتگو اور سوال و جواب کا بیان کرتا تھا، اسکے لئے ربط کلام کا یہ طریقہ نکالا کہ حضرت امام حسینؑ کے وعظ سے تمام فوج متاثر ہوئی یہان تک کہ عمر بن سعد نے حُر کی طرف (ایک افسر فوج کی حیثیت سے) دیکھا کہ یہ کیا رنگ ہے، اسنے کہا امامؑ بالکل سچ کہتے ہین اس طرح دونون مین تکرار اور ردوکد کا سلسلہ شروع ہوا اس موقع کے اشعار یہ ہین ؎

شہ کی مظلومی پہ گریان ہوئی ظالم کی سپاہ
عمر سعد نے کی طرکے رُخ حُر پہ نگاہ

بولا وہ اشہد باللہ بجا کہتے ہین شاہ
محسن و منعم و آقا ہے میرا وہ ذیجاہ

انکے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جاے
سخن حق مین جو شک لائے وہ کافر ہو جاے

دونون مین دیر تک ردوقدح ہوتی رہی، اب اس واقعہ کے بیان کرنے کا موقع آیا کہ حُر نے امام حسین کی طرف رخ کیا اور اُن سے جاکر ملگیا، اسکو یون ادا کیا کہ عمر بن سعد حُر سے کہتا ہے کہ خبردار! اگر تو نے اُدھر جانے کا قصد کیا تو پرچہ نویس یزید کو خبر کردین گے اور تیری جان پر آفت آجاے گی، حُر جواب دیتا ہے ؎

عملِ خیر سے بہکا نہ مجھے اے ابلیس
وہی کونین کا مالک ہے وہی راس و رئیس

کیا مجھے دے گا تیرا حاکم ملعون و خسیس
کچھ تردد نہین، کہدے کہ لکھین پرچہ نویس

ہان سوے ابن شہنشاہ عرب جاتا ہون

لے ستمگر جو بچاتا تھا تو اب جاتا ہون

کہکے یہ ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار
تن کے دیکھا طرف فوج امام ابرار

سرخ آنکھین ہوئین ابرو پہ بل آیا یکبار
پانون رکھنے لگا تن تن کے زمین پر ہر بار

غل ہوا سیدوالا کا ولی جاتا ہے
لو طرفدار حسین ابن علی جاتا ہے

کیا دو تین رسالون نے تعاقب ہر چند
کہتے تھے، ہات مین وہ لیکے جو دوڑے تھے کمند

حُر کا ہاتھ آنا تو کیسا؟ نہ مل گرد سمند
یہ فرس تھا کہ چھلاوہ، یہ پری تھا کہ پرند

کیا سُبک سوے چمن باد بہاری پہنچی
ہم یہین رہ گئے، وان حُر کی سواری پہنچی

حضرت امام حسینؑ نے عباس علمدار کو حُر کے استقبال کو بھیجا، اسکی تقریب یون پیدا کی ہے ۔

یان ہوے علم اماں سے شہ دین آگاہ
میرے لشکر کی طرف ہے رخ حُر ذیجاہ

سنکے عباس سے فرمایا کہ اے غیرت ماہ
سب سے کہدو کہ نہ روکے کوئی اس شخص کی راہ

جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہمان، میرا عاشق میرے پاس آتا ہے

اسکے بعد حُر کی معذرت خواہی حضرت امام حسینؑ کا عفو، پھر حُر کی طلبی اذن جنگ کو نہایت خوبی اور پُر اثر طریقہ سے ادا کیا ہے پورا مرثیہ پڑھو، اور جہان جہان ایک واقعہ کے بعد، دوسرا واقعہ شروع ہوتا ہے، ان پر غور سے نظر ڈالتے جاؤ تو معلوم ہوگا کہ سلسلہ تقریر کے زور سے مختلف واقعات کو کس خوبصورتی سے ایک لڑی مین پرو دیا ہے۔

بلاغت کی جزئیات بلاغت کے جزئی اسالیب، نہایت مختلف الصورۃ ہین اور چونکہ ہر جگہ ایک نئی صورت پیدا ہوتی ہے اس لئے ان کی کلیات مشکل سے قائم ہو سکتے ہین، چند مثالون سے

اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

مثال ۱: جب امام حسین علیہ السلام کے تمام عزیز و اقارب و رفقا شہید ہو چکے ہین تو اتفاق سے ایک راہرو کا ادہر گذر ہوا، وہ یہ عبرت انگیز موقع دیکھ کر ٹھہر گیا اور امام علیہ السلام سے واقعہ کی کیفیت پوچھنی شروع کی، آپ نے اپنی مظلومی اور دشمنون کی بے رحمی کی داستان سنائی، لیکن اپنا نام نہ بتایا، وہ آپ کا صورت شناس نہ تھا، لیکن قراین سے اس کو اشتباہ ہوتا تھا کہ آپ خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہین، بالآخر اسنے کہا کہ ع اظہار اسم اقدس و اعلیٰ مین کیا ہے باک، آپ نے جو کچھ اور جس طرح جواب دیا اس کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

یہ تو نہین کہا کہ سشہ مشرقین ہون		مولا نے سر جھکا کے کہا مین حسینؑ ہون	

اس شعر مین بلاغت کے جو نکتے ہین صرف مذاق صحیح اُن کا احاطہ کر سکتا ہے، تاہم جس حد تک بیان مین آسکتا ہے ہم بیان کرتے ہین،

موقع کی حالت یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ اپنا نام اس حیثیت کے ساتھ بتائین جس سے کسی قدر شرف اور فضیلت کا اظہار ہو، تاکہ پوچھنے والا سمجھ سکے کہ یہ وہی امام حسین ہین جن کا وہ غائبانہ دلدادہ اور مشتاق ہے، لیکن امام ممدوح کو خاکساری مانع آتی ہے، وہ اسپر اکتفا کرتے ہین کہ مین حسینؑ ہون، لیکن چونکہ مستفسر قراین سے اس حد تک پہونچ چکا ہے کہ محض نام لینے سے بھی غالباً پہچان لے گا، اور اس لئے حسینؑ کہنا بھی گویا اپنے آپ کو، امام کہنا ہے، اس بنا پر نام لینا بھی ایک طرح پر شرف اور فضیلت کا اظہار ہے، اس لئے خالی نام لیتے ہوئے بھی آپ شرما جاتے ہین اور شرم سے آپ کی گردن جھک جاتی ہے اس بنا پر شاعر کہتا ہے کہ ع مولا نے سر جھکا کے کہا مین حسین ہون، لیکن شاعر کو جو امام حسین علیہ السلام کی عظمت کے اثر سے لبریز ہے، گوارا نہین ہوتا کہ آپ کا نام اس سادگی سے لیا جائے، اُس کے نزدیک امام علیہ السلام اگر اپنے آپ کو بادشاہ مشرقین کہتے تو یہ کچھ خودستائی نہ تھی، بلکہ محض ایک واقعہ تھا جس طرح

رسول اللہ اپنے آپ کو رسول اللہ کہتے تھے اور یہ خود ستائی نہین خیال کیجاتی تھی، شاعر کے دل مین حسرت ہے کہ کاش امامؑ نے بیان واقعہ ہی کیا ہوتا، اس کو وہ اس طرح ادا کرتا ہے ع یہ تو نہین کہا کہ شہ مشرقین ہون، تاہم اس سے یہ خیال بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کی عالی ظرفی اور شرافت نفس کا یہی اقتضا تھا کہ وہ خاکساری کو بیان واقعہ پر مقدم رکھتے،

اس موقع پر یہ کہے بغیر رہا نہین جاتا کہ اسی واقعہ کو مرزا دبیر صاحب نے اسطرح باندھا ہے ع فرمایا مین حسین علیہ السلام ہون، میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ کی جو بحث ہے، اُس کے فیصلہ کے لئے دونون کے صرف یہ دونون مصرعے کافی ہین،

مثال ۲، میدان کربلا مین امام علیہ السلام، یزیدیون سے پہلے پہونچے تھے، اور خرزات کے قریب اُترے تھے، یزید کی فوج پہونچی تو رئیس فوج نے امامؑ علیہ السلام کی فوج کو وہان سے ہٹا دینا چاہا اور کہا، کہ ؎

ہم گھاٹ روکنے کے لئے آئے ہین ادہر	ہے آج شب کو داخلہ شمر کی خبر

اُن کی آمادگی اور شرارت دیکھ کر، امام علیہ السلام کے رفقا برہم ہوئے، اس موقع کی تصویر اس طرح کھینچتے ہین، ؎

بگڑے ابو تمامہ و سعد فلک سریر	تولی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
جوڑا کمان مین، ابن مظاہر نے ایک تیر	بولے اسد کہ زجر کے قابل ہین یہ شریر

عابس کو غیظ لشکر بدخو پہ آگیا
غصہ سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

اُلٹی جناب قاسم ذیشان نے آستین	قبضہ پہ ہات رکھکے بڑھے اکبر حسین
بولے پکڑ کے نیچے زینب کے مہ جبین	شیرون سے کیا ترائی کو لینگے اہل کین

ابوتمامہ۔ سعد۔ زہیر قین۔ اسد۔ عابس۔ حضرت امام حسینؑ کے رفقا مین سے تھے، حضرت قاسم بھتیجے، حضرت علی اکبر صاحبزادے، اور حضرت زینب کے صاحبزادے آپکے بھانجے تھے، اس موقع پر بلاغت یہ ہے کہ جن لوگون کو جس قدر امام علیہ السلام سے قرب تھا، اُسی نسبت سے اُنکی طیش و آمادگی جنگ کی حالت دکھائی ہے، ابوتمامہ اور سعد بگڑ کر رہ گئے، اسد نے کہا کہ یہ زجر کے قابل ہین، عابس کو غصہ آگیا، ہلال کے ابرو پر بل پڑ گئے، زہیر قین نے تلوار تول لی، حضرت قاسم نے آستین اُلٹی، حضرت علی اکبر تلوار کے قبضہ پر ہات رکھ کے آگے بڑھے، زینب کے صاحبزادون نے نیمچے سنبھال لئے، اس فرق مراتب کو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ واقعہ کی تصویر کھینچدی ہے،

مثال ۳، جب تمام اعزہ اور احباب شہید ہو چکے، اور صرف علی اکبر کا دم باقی رہ گیا، تو دشمنون نے چاہا کہ امام حسین علیہ السلام انکو بھی میدان جنگ مین بھیجین تاکہ بیٹا باپ کی آنکھون کے سامنے خاک و خون مین ملا دیا جائے، اس غرض سے انہون نے اس طرح امام حسین علیہ السلام کو مخاطب کیا، ؎

اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہ دین پناہ
باقی ہے اور کوئی کہ بس ہو چکی سپاہ
عباس سا تو اب کوئی ہوگا نہ خیر خواہ
بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہین راہ

چُنتے دو گل پسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بچائیے گا کلیجہ کو، داغ سے

دنیا سے کوچ کر گئے عباسِ نامدار
اب بے چراغ ہے لحد شیر کردگار
حضرت کا صبر و شکر ہے عالم پہ آشکار
مثل خلیل کیجئے فرزند کو نثار

آہین نہ بھرئے پیٹ کے سر کو نہ روئیے
جب جانین ہم کہ کھو کے پسر کو نہ روئیے

بھائی کا داغ اور ہے داغ پسر ہے اور
بازو کا درد اور ہے درد جگر ہے اور

قوت بدن کی اور ہے نور نظر ہے اور
سینہ کا زخم اور ہے درد کمر ہے اور

گر صبر ہے تو گود کے پالے کو بھیجیے
نیزون مین اپنے گیسوون والے کو بھیجیے

دشوار ہے اگر غم فرزند نوجوان
مرنے کو آپ آئیے اے قبلۂ زمان

مشتاقِ تیر ہین تبر و خنجر و سنان
جان اپنی دیجیے جو ہے پیاری پسر کی جان

اصغر سے کچھ غرض ہے نہ اکبر سے کام ہے
ہم کو تو آپ کے سر انور سے کام ہے

ان تمام اشعار مین دشمنون کی طنز، تعریض، اور لاگ دلاکر علی اکبر کے بھجوانے کو کس بلاغت کے ساتھ ادا کیا ہے، طنز کا سب سے بڑا نکتہ یہ ہے کہ اسمین واقعیت کا پہلو موجود ہو، کیونکہ سچا طعنہ نہایت سخت اثر کرتا ہے، یہ امر کہ بیٹا بھائی سے زیادہ عزیز ہوتا ہے، ایک بدیہی بات ہے، پھر اس دعوے کو متعدد تمثیلون سے اور زیادہ قطعی کردیا ہے یعنی بازو کے درد کو جگر کے درد سے کچھ نسبت نہین، جسم کی طاقت پر آنکھون کی بصارت کو ترجیح ہے، سینہ کے زخم سے کمر کے درد کو کیا نسبت ہے،

امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو حضرت علی اکبر سے پہلے میدان جنگ مین بھیجدیا تھا تو اس وجہ سے بھیجا تھا کہ عباسؑ کسی طرح گوارا نہین کرتے تھے کہ اُنکے ہوتے علی اکبر پر آنچ آجائے، لیکن دشمن اسکی وجہ یہ بتاتے ہین کہ بیٹا بھائی سے زیادہ عزیز ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کی یہ لڑائی دینداری پر مبنی نہین ہے، ورنہ خدا کی راہ مین بیٹے اور بھائی کی کیا تمیز تھی، بلکہ بیٹے کو خدا کی راہ مین پہلے نثار کرنا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کیا تھا، پھر یہ بڑھاوا دیتے ہین کہ آپکا صبر اور شکر تو مسلّم النبوت ہے، بیٹے کیلئے یہ بیقراری کیون؟ ان طنزیہ فقرون مین جن الفاظ سے امام علیہ السلام کو خطاب کیا ہے، بالکل تعریض سے بھرے ہوئے ہین، شاہ دین پناہ۔ قبلۂ زمان۔ سر انور۔ ان سب الفاظ کے یہ معنی کہ آپ اپنے آپ کو ایسا سمجھتے ہین۔

مثال ۴، واقعہ کربلا کے بعد جب اہل بیت یزید کے دربار مین گئے ہین تو یزید نے اُنسے اسطرح خطاب کیا ہے، ؎

تخت کے سامنے روتے ہوئے آئے جو اسیر
دیکھ کر سیدِ سجاد کو بولا وہ شریر

سرکشی کرکے نہ سر پر ہوئے مجھ سے شبیرؑ
شکر کرتا ہون کہ خالق نے کیا تمکو حقیر

بیٹھنے کا کہین دنیا مین سہارا نہ رہا
پنجتن اُٹھ گئے اب زور تمہارا نہ رہا

ہان کہو آج حمایت کو پیمبر ہین کہان
کیا ہوئے ابن علی، حیدر صفدر ہین کہان

قید مین اُنکی ہوا آئی ہے شبر ہین کہان
ننگے سر زینبِ دلگیر ہے سرور ہین کہان

ذبح خنجر سے ہوا جو وہ پدر کس کا ہے
اک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کس کا ہے

ان اشعار مین یزید کے کفر اور ارتداد کو ایسے بلیغ اور لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے جس سے زیادہ خیال مین نہین آسکتا، یزید کو تسلیم ہے کہ سید سجاد یعنی امام زین العابدین اور اہلِ حرم نہالِ نبوت کے شاخ و برگ ہین، وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ان کا جو کچھ زور ہے وہ جناب رسالت پناہ اور آل عباکے بل پر ہے، باوجود اسکے اس بات پر مسرت ظاہر کرتا ہے کہ ان کا زور نہین رہا، جس کے یہ معنی کہ اُس کو خود رسول اللہ کے دنیا مین نہ رہنے کی خوشی ہے، اس پر بھی اکتفا نہین کرتا، بلکہ صاف صاف کہتا ہے کہ رسول اللہ کہان ہین؟ حسینؑ کہان ہین؟ علیؑ کہان ہین؟ حسن کہان ہین؟ ان سب پر طرہ یہ کہ ان باتون پر خدا کے احسان کا ممنون ہے کہ اُس نے اہل بیت کو خوار اور حقیر کیا، گویا یہ امر خود خدا کو پسند اور مرغوب تھا۔ اخیر کا مصرع اک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کس کا ہے، بلاغت کی جان ہے، غور سے دیکھنے کی فرمائش اسلئے ہے کہ امام زین العابدین کے نزدیک حسین اس پایہ کے

شخص تھے کہ اُنکے سر کا کاٹا جانا اور یزید کے دربار مین حاضر کیا جانا، عقل مین نہین آسکتا، اس لئے کہتا ہے کہ شک ہو تو ذرا غور سے دیکھو، ذرا کا لفظ اور زیادہ بلیغ ہے،

مثال ۵، ے

تھرا رہے تھے سُنکے یہ تاکید خاص و عام
چین بر جبین قریب گیا حُر نیک نام

دیکھا کیا شقی پہ نہ حُر نے کیا سلام
کافر سے کیا جھکے وہ خدا ہی ہو جسکو کام

چین بر جبین قریب جو وہ شیر نر گیا
اللہ رے رعب حق پسر سعد ڈر گیا

ڈر کر کہا عمر نے کہ اے حُر نامور
رن مین سوار تیرے رسالے کے ہین کدھر

کتنے جوان صفون مین ہین کتنے ہین نہ پر
حر نے کہا کہ مجھکو کچھ اس کی نہین خبر

دنیا مین زور اپنا ہے اور اپنا ہاتھ ہے
مین ہون کسی طرف نہ کوئی میرے ساتھ ہے

کہنے لگا یہ حُر سے بہ نرمی وہ حیلہ ساز
مدت سے ہے یزید کو تیری وفا پہ ناز

سر بر نہ ہون گے ہم سے کبھی سر بر حجاز
اب بعد فتح اور بھی ہوگا تو سرفراز

دیر اس مین کیا جو امر قریب الوقوع ہو
تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو

جو اس مین تیری راے وہی ہے مجھے پسند
پانی تو تین دن سے ہے پردیسیون پہ بند

تھوڑے بہت ہین یاور سلطان ارجمند
پس جائین گے اُٹھائیے سوارون نے جب کمند

لشکر مین یان چہ لاکھ دلاور جوان ہین
وان ایک صف ہے جس مین بہتر جوان ہین

آمادہ قتل شاہ پہ ہین سب جوان و پیر
کیون برچھیان حسینؑ پہ پہلے چلین کہ تیر

کٹتا ہے اب سر پسر شاہ قلعہ گیر
حر نے کہا کہ مجھ سے نہ یہ پوچھ اے امیر

انسان کو اختیار ہے خود اپنے کام مین
مجھکو شریک کرتا ہے قتلِ امام مین

یہ وہ موقع ہے کہ حر جو یزید کے رسالہ کا افسر تھا، اس بات پر آمادہ ہو چکا ہے کہ یزید سے ٹوٹ کر امام علیہ السلام کی فوج مین آجائے، یہ خبر سپہ سالار یعنی ابن سعد کو پہونچی تو وہ حر کو طلب کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسکو رام کرکے، اس ارادہ سے روک لے، باوجود اسکے کہ حر کے ارادہ کی خبر سُن چکا ہے اور جب حُر اُسکے سامنے گیا تو سلام تک نہ کیا، تاہم ابن سعد اس تجاہل کے ساتھ پیش آتا ہے کہ گویا اسکو اس واقعہ کی مطلق خبر نہین، بالکل خالی الذہن ہو کر پوچھتا ہے ع رن مین سوار تیرے رسالے کے ہین کدہر؟ حُر نہایت بے پروائی اور گستاخی سے جواب دیتا ہے، ابن سعد اسکو بھی نظر انداز کرتا ہے اور اس بھرے پر چڑھاتا ہے کہ یزید کو مدت سے تیری وفاداری پر ناز ہے، اسکے ساتھ یہ ثابت کرتا ہے کہ امام علیہ السلام کسی طرح اس معرکہ مین کامیاب نہین ہو سکتے، پھر کس استمالت سے کہتا ہے کہ ؎

ع تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو،

ع جو اس مین تیری رائے وہی ہے مجھے پسند،

ع کیون برچھیان حسینؑ پہ پہلے چلین کہ تیر،

گویا کوئی کام حر کے مشورہ کے بغیر کرنا نہین چاہتا۔ اسکے ساتھ یہ ثابت کرتا جاتا ہے کہ امام علیہ السلام کی فوج نہایت کم ہے، کُل ایک صف ہے، اور اسمین بھی صرف بہتّر جوان ہین، امام سے لڑنے کے لئے کہتا ہے لیکن اُنکا نام جب لیتا ہے تو کبھی سرورِ حجاز، کبھی سلطانِ ارجمند، کبھی شاہ کے لفظ سے خطاب کرتا ہے، یہ بھی استمالت کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اگر صاف صاف امام علیہ السلام کی بُرائی کیجائے تو ڈر ہے

کہ حُر بالکل ہٹنے سے اُکھڑ جائے،

مثال ۶، ۵

رخصت طلب ہے شاہ سے اکبر سا لالہ فام	شہزادہ مرنے جائے، سلامت رہے غلام
للہ روکئے نہ اب اسے خواہر امام،	وہ امر کیجئے کہ بڑھے جس سے میرا نام

بیکس ہون ساتھ مان نہین، سر پہ پدر نہین،
مین آپ کا غلام تو ہون گو پسر نہین

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت زینبؑ کے دونون صاحبزادے شہید ہو چکے ہین، اور حضرت عباسؑ میدان جنگ مین جانا چاہتے ہین، لیکن حضرت زینبؑ روکتی ہین، حضرت عباسؑ منت اور لجاجت کرتے ہین کہ للہ نہ روکئے۔

اسکے لئے کس قدر بلیغ پیرایہ اختیار کیا ہے، اول تو اُن کو خواہر امام سے مخاطب کیا ہے، حالانکہ وہ حضرت عباس کی بھی بہن تھین، اس سے علاوہ اس کے کہ اُن کا احترام مقصود ہے، خفیف سا اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ آپ کو مجھ سے وہ محبت نہین، جو حقیقی بھائی بہن مین ہوتی ہے، اور چونکہ درحقیقت حضرت زینبؑ اُن کی حقیقی بہن نہ تھین، یہ تعریض زیادہ کارگر ہوتی ہے، پھر فرماتے ہین کہ مین بیکس ہون، نہ باپ سر پر ہے نہ مان ساتھ ہے، سب سے کارگر یہ فقرہ ہے کہ ع مین آپ کا غلام تو ہون گو پسر نہین، یعنی اگر آپ کا فرزند ہوتا تو مجھکو بھی اسی طرح اجازت دیتین جس طرح اپنے صاحبزادون کو دی اور اُنھون نے شہادت کی دولت حاصل کی،

مثال ۷، ۵

بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے	تم ہو سو تمھین طاقت گفتار نہین ہے

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، مدینہ منورہ سے روانہ ہو رہے ہین، تمام خاندان کو ساتھ

لیا ہے، لیکن صغریٰ کو باوجود اس کے کہ آپکی چہیتی بیٹی تھین، بیماری کی وجہ سے ساتھ نہیں لیجاتے، صغریٰ نہایت گریہ وزاری کرتی ہین اور ایک ایک سے سفارش کراتی ہین کہ مجھکو بھی ساتھ لیتے چلیے لیکن کوئی ہامی نہین بھرتا، اُسوقت علی اصغر سے جو شش ماہہ بچّے تھے، خطاب کرکے کہتی ہین کہ اس وقت میرا اور کوئی مددگار نہین ہے، ایک تم ہو لیکن افسوس تم کو بولنے کی طاقت نہین، تمام لوگون سے مایوس ہوکر ایک بچّہ کا سہارا ڈھونڈنا اور پھر یہ خیال کہ وہ بولنے کے قابل نہین، انتہا درجہ کی حسرت اور ناکامی کی تصویر ہے

مثال ۸، ؎

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم	جوش مین آگیا اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھے ہاتون کو پھیلا کے شہنشاہ امم	حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اسدم

شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہین
اے برادر تیرے لینے کو حسینؑ آتے ہین

اخیر شعر مین امام حسین علیہ السلام کا نام، جس سادگی سے لیا ہے کمال بلاغت ہے، اس موقع پر اگر بہت سے اوصاف کے ساتھ انکا نام لیا جاتا تو یہ بات حاصل نہوتی، جب کوئی شخص کمالات وفضائل مین انتہا کے رتبہ تک پہونچ جاتا ہے تو اُس کے نام لینے کے ساتھ اس کے تمام اوصاف اور کمالات خیال مین آجاتے ہین، ان کے سادہ نام لینے سے اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے، نظامی نے بھی ایک موقع پر اس اسلوب کو برتا ہے، دارا نے جب سکندر کو خط لکھا ہے تو سکندر کے دعوای ہمسری پر نہایت تعجب اور افسوس ظاہر کیا ہے، اس موقع پر کہتا ہے، ؎

فلک بین چہ ظلم آشکارا کند	کہ اسکندر آہنگ دارا کند

دارا نے یہ فرض کیا ہے کہ سکندر کی حقارت اور میری جاہ وعزت، اسقدر مسلّمہ عام ہے کہ صرف دونون کا نام لے لینا کافی ہے، چنانچہ کہتا ہے کہ آسمان کا یہ ظلم دیکھو! کہ سکندر، دارا کے مقابلہ کا قصد کرتا ہے، لیکن

یہان اس طرز بیان کا موقع نہ تھا، اس لئے سننے والون پر کچھ اثر نہین پڑتا۔ دارا کے زمانہ مین ممکن ہے کہ یہ حالت رہی ہو، لیکن آج سکندر کی عظمت وشان اسقدر مسلم ہے کہ سکندر کے محض نام لینے سے اسکی حقارت کا تصور نہین ہوتا اس لئے شاعر (نظامی) کو چاہیئے تھا کہ وہ اور واقعات سے پہلے سکندر کی ذلت اور حقارت ثابت کرتا، تب یہ طریقہ بیان موثر ہوتا، یہی موقع فردوسی کو بھی عرب وعجم کے مقابلہ مین پیش آیا۔ چونکہ فردوسی بلاغت کے تمام اصول سے واقف تھا اُسنے سمجھا کہ گو اُس زمانہ مین عرب کی وہی حالت تھی، لیکن جس زمانہ مین خود فردوسی موجود ہے وہ حالت بدل گئی ہے، یعنی عرب کی عظمت تمام قلوب پر چھائی ہوئی ہے، اس لئے محض عرب کے نام لینے سے سامعین کے دل مین عرب کی حقارت اور ذلت کا خیال نہین آسکتا اس لئے اُسنے پہلے یہ بیان کیا کہ عرب اونٹ کا دودھ اور گوہی کا گوشت کھایا کرتے تھے، اس طرح اُسنے عرب کی قدیم حالت کی تصویر کھینچدی اور چونکہ بیان واقعی تھا، اس لئے اس کا پورا اثر ہوا۔ ؎

زشیرِ شتر خوردن وسوسمار	عرب را بجائے رسید است کار
کہ تختِ کیان را کنند آرزو	تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

اس کے ساتھ عجم کا ذکر تخت کے ساتھ کیا، اور عجم کا نام لیا تو کیان کے لفظ سے لیا جو خود شوکت وشان پر دلالت کرتا ہے، اب جب دونون قومون کی ذلت اور عظمت کا نقشہ کھینچ چکا تو یہ الفاظ ع تفو بر تو اے چرخ گردان تفو آج بھی سامعین کے دل مین انقلاب زمانہ پر حسرت کا وہی اثر پیدا کرتے ہین جو اس وقت عجم کے دل مین پیدا ہوا تھا۔

مثال ۹، حُر نے جب یزید کی فوج سے الگ ہو کر امام حسین علیہ السلام کی خدمت مین حاضر ہونا چاہا ہے تو دور ہی سے عفو تقصیر کے لئے اس طرح فریاد کی ہے۔ ؎

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اِک بار	الغیاث اے جگر وجانِ رسولِ مختار

مجرم ایسا ہون کہ عصیان کا نہین جسکے شمار
عفو کر عفو کر اے چشمۂ فیضِ غفار

پار دریائے خطا سے میری کشتی ہو جائے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہو جائے

اے مددگار و معین الضعفا آ دِر کُنی
اے خبرگیر گروہِ غربا آ دِر کُنی

پا لون لغزش مین ہین آ دست خدا آ دِر کُنی
ہات باندھے ہون مین اے عقدہ کشا آ دِر کُنی

دیجیے حر کو سند نار سے آزادی کی
آیئے جلد خبر لیجیے فریادی کی

میرے اعمال مین ہر چند سراسر ہے بدی
ہون گنہگار خدائے ازلی و ابدی

آپ ہین مالکِ سرکار جنابِ احدی
اے خداوند جہان خُذ بیدی خذ بیدی

جو تہیدست ہین تکتے ہین شہنشاہ کا ہات
آپ کا ہات زمانے مین ہے اللہ کا ہات

پھر جب جناب امام علیہ السلام نے اس کی تقصیر معاف کردی ہے اور کمال مہربانی سے پیش آتے ہین تو

حُر پکارا بابی انت و امی یا شاہ
قابلِ عفو نہ تھے بندہ آثم کے گناہ

مجھ سے گمراہ کو اک آن مین ملجائے یہ راہ
سب ہے صدقہ انہین قدمونکا خدا ہے آگاہ

مہر ذرہ پہ جو ہو نیر تابان ہو جائے
آپ جس مور کو چاہین وہ سلیمان ہو جائے

اس موقع پر میر انیس نے اپنی عادت کے خلاف، متعدد عربی جملے استعمال کئے ہین جو اُردو مین بظاہر غریب اور نامانوس معلوم ہوتے ہین، لیکن ان جملون کی وجہ سے اُس وقت کی حالت کی جو تصویر کھینچ جاتی ہے وہ اور کسی طرح ممکن نہین - دعا - استغاثہ اور فریاد کے لئے عربی جملے ایک خاص

اثر رکھتے ہین، اور اس لئے جاہل سے جاہل آدمی بھی جب دعا مانگتا ہے تو عربی ہی الفاظ استعمال کرتا ہے استغاثہ اور فریاد کے وقت بھی اسی قسم کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہین۔ مثلاً الامان۔ الغیاث، چونکہ حُر عربی النسل ہے اس لئے اس کی زبان سے بعینہٖ وہ الفاظ جو ان موقعون پر عرب استعمال کرتے ہین، واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لئے زیادہ کارگر ہو سکتے ہین، بابی انت وامی فدا اور قربان ہونے کے موقع پر بولتے ہین، اور یہ فقرہ ایسا موثر اور دلنشین ہے کہ اُردو کا کوئی جملہ وہ اثر پیدا نہین کر سکتا تھا۔

مثال ۱۰ ۔ حضرت عباس کو جب امام حسین علیہ السلام نے فوج کا علم عنایت فرمایا ہے تو حضرت زینبؑ اُن سے فرماتی ہین ؎

گھر مین سلامت آئین گے جب سروام	تب دونگی تم کو تہنیت عُمدہ علم
ہاتھون کو جوڑتی ہے یہ بھینا اسیرِ غم	کیجو صلاح صلح کہ لشکر ادھر ہے کم

تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو
بھیا تمھین سے لے گی بہن اپنے بھائی کو

اخیر شعر مین معمول طریقہ کلام یہ تھا کہ مجھکو تم سے بڑی امید ہے اور مین امام حسینؑ کو تمھین سے لونگی۔ لیکن حضرت زینبؑ نے اپنے آپ کو زہرا کی جائی کہا، اور پھر کہا کہ بہن اپنے بھائی کو تمھین سے لیگی۔ اس اسلوب کلام کے بدل دینے نے جو بلاغت پیدا کی وہ خود ظاہر ہے۔

مثال ۱۱ ؎

برسا تمھین شہید کا دینے کو آئے ہین	کس کس کے داغ آج جگر پر اُٹھائے ہین
پیٹے ہین، خاک اُڑائی ہے آنسو بہائے ہین	یہ ہم تمھارے لال کے خون مین نہائے ہین

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت علی اکبر شہید ہو چکے ہین اور امام حسین علیہ السلام زنانہ مین تشریف لے گئے ہین اور حضرت زینبؑ سے علی اکبر کی شہادت کا واقعہ بیان فرماتے ہین۔ اس موقع پر یہ لفظ "تمھارے لال"

ایک خاص اثر پیدا کرتا ہے، علی اکبر امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے تھے لیکن امام علیہ السلام ان کو حضرت زینبؑ کا لال کہکر خطاب کرتے ہین، اور کہتے ہین کہ ہم جو خون مین نہائے ہین، یہ تمھارے لال کا خون ہے، انسان کو رنج و غم کی حالت مین جب کوئی نہایت قریب کا عزیز ہمدرد اور غم گسار مل جاتا ہے تو جوش محبت مین اُس غم کو اپنی ذات کے ساتھ نہین بلکہ اُسی شخص کی طرف منسوب کرتا ہے، گویا اُس سے ایسی ہمدردی کی امید کرتا ہے کہ وہ واقعہ خود اسی شخص پر پیش آیا ہے یہان اس طرز بیان نے زیادہ اثر اس وجہ سے پیدا کیا ہے کہ فی الواقع حضرت زینبؑ کو علی اکبر سے نہایت سخت محبت تھی، علی اکبر کو بچپن سے اُنھی نے پالا تھا اور انکو اپنے بیٹون سے زیادہ عزیز رکھتی تھین۔

مثال ۱۲ - جب حضرت عباسؑ نے پانی لانے کے لئے نہر پر جانا چاہا ہے۔ تو حضرت زینبؑ نے خطرہ کے لحاظ سے ان کو روکنا چاہا۔ امام حسینؑ بھی ان کا جانا گوارا نہین کرتے۔ اُسوقت حضرت عباسؑ کی زوجہ حضرت زینبؑ سے کہتی ہین ؎

کہنے لگی یہ زوجۂ عباسؑ خوش صفات	بی بی بھلا یہ کون سے وسواس کی ہے بات
مشکیزہ لیکے گر یہ نجائین سوے فرات	پھر ننھے ننھے بچون کی ہو کسطرح حیات

ہر وقت کبریا سے طلبگار خیر ہون
آگے جو کچھ سبھون کی رضا مین تو غیر ہون

یہ فقرہ "مین تو غیر ہون" اس موقع پر نہایت موثر اور بلیغ فقرہ ہے - وہ حالانکہ حضرت عباسؑ کی بیوی ہین لیکن اپنے آپ کو غیر کہتی ہین - یہ اس بات کی تعریض ہے کہ میری بات نہ ماننا گویا مجھکو غیر سمجھنا ہے۔

مثال ۱۳ - ؎

قیدی ہون ظلم رسیدہ بھی ہون نادار بھی ہون	اس لٹے قافلے کا قافلہ سالار بھی ہون

یہ وہ موقع ہے کہ ہند (یزید کی بیوی) قید خانہ کے دیکھنے کے لئے گئی ہے، وہان امام زین العابدینؑ

کو قید مین دیکھہ کر نام و نسب پوچھا ہے اور امام موصوف نے جواب دیا ہے - اس شعر مین قافلے کے ساتھہ لُٹنے کی قید نے نہایت بلاغت پیدا کی ہے - حسرت اور رنج کے اظہار کا یہ انتہائی درجہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو، ایک ظاہری معزز لقب سے یاد کرتا ہے اور ساتھہ ہی ایک دوسرا لفظ بھی ایسا استعمال کرتا ہے جس سے وہ معزز لقب، اور زیادہ ناکامی اور حرمان ثابت کرتا ہے - امام زین العابدینؑ نے اپنے آپ کو قافلہ سالار کہا، لیکن یہ بھی کہدیا کہ لُٹے قافلے کا قافلہ سالار ہون -

مثال ۱۴

یہ سخن کہہ کے مخاطب ہوئے اعدا سے امام	اے سپاہ عرب و مصر و رے و کوفہ و شام
تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام	پسر مصحف ناطق ہون، سنو مجھہ سے کلام

سخنِ حق کی طرف کانون کو مصروف کرو
شور باجون کا مناسب ہو تو موقوف کرو

تیسرے شعر مین "مناسب ہو" کے جملہ معترضہ نے نہایت بلاغت پیدا کی ہے چونکہ وعظ اور پند کا موقع ہے اور یزیدیون سے توقع بھی نہ تھی کہ وہ امامؑ کی کسی بات کو جو تحکم کے لہجہ مین کہی جاتی قبول کرتے - اس لئے اُنھین کی مرضی پر رکھا گیا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو باجون کا شور ذرا موقوف کرو

استعارات و تشبیہات یہ چیزین حُسن کلام کا زیور ہین بلکہ سچ یہ ہے کہ نظم و نثر اور تقریر و تحریر مین جو کچھہ جادوگری ہے بہت کچھہ انھی کی بدولت ہے، لیکن جسطرح ہر چیز جب تک نیچرل حالت مین رہتی ہے، اس کا اصلی حُسن قائم رہتا ہے، جب تکلف اور تصنع شروع ہوتا ہے تو اثر مین کمی آجاتی ہے، اسی طرح تشبیہ اور استعارہ مین بھی جب بقصد و تکلف، غرابت اور غیر معتدل ندرت پیدا کی جاتی ہے تو اصلی اثر جاتا رہتا ہے -

اُردو کی شاعری مین جس طرح اور بہت سے بے معنی تکلفات پیدا ہوگئے ہین جنھون نے شاعری کا اصلی جوہر خاک مین ملا دیا ہے، اسی طرح تشبیہات و استعارات کی حالت بھی بالکل بدل گئی ہے، اور لطف یہ کہ

آجکل کے اہل سخن بدمذاقی سے، اسی کو کمالِ سخن سمجھتے ہین۔

انسان مین فطرۃً یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ وہ اشیا کی تصویر سے لطف اُٹھاتا ہے، ایک بدصورت حبشی ہمارے سامنے آئے تو ہم کو نفرت ہوگی، لیکن اگر کوئی ہوبہو اس کی تصویر کھینچدے تو ہم کو لطف آئے گا اور جسقدر وہ زیادہ اصل کے مطابق ہوگی اُسی قدر طبیعت پر لطف اور استعجاب کا زیادہ اثر ہوگا چونکہ تشبیہ بھی ایک قسم کی تصویر ہے، اس لئے طبیعت کا اس سے محظوظ اور متلذذ ہونا ایک فطری امر ہے۔

تشبیہ کی دو قسمین ہین۔ مفرد۔ مرکب، مفرد جس طرح چہرہ کو پھول سے تشبیہ دیجائے، مرکب جسطرح کہا جائے کہ میدان جنگ مین گرد اُٹھی تو اُسمین تلوارین اسطرح چمکتی تھین جسطرح شب کو ستارے ٹوٹتے ہین۔

مفرد تشبیہ مین چندان جدت نہین ہوسکتی اوّلاً تو اسوجہ سے کہ مفرد چیزون کی طرف ہر شخص کا خیال منتقل ہوسکتا ہے، ثانیاً مدت سے شعرا، اور اہل قلم اس قسم کی تشبیہ سے کام لے رہے ہین، اس لئے عالم قدرت مین جو چیزین تشبیہ کے قابل تھین، اکثر کام مین آچکین، مثلاً چہرہ کو پھول۔ آفتاب، مہتاب، آئینہ سے تشبیہ دے سکتے تھے، سو سو دفعہ دے چکے، اب عالم فطرت مین کوئی نئی چیز پیدا ہو تو چہرہ کی تشبیہ مین بھی جدت پیدا ہو۔

البتہ مرکب تشبیہ مین ہر وقت جدت پیدا ہوسکتی ہے کیونکہ اول تو ترکیب کی ہزارون صورتین ہین، دوسرے یہ کہ چند اشیا کی ترکیب سے جو مجموعی ہیئت پیدا ہوتی ہے اُس کی طرف ہر شخص کا خیال نہین منتقل ہوسکتا۔

ایک نکتہ اور سمجھ لینے کے قابل ہے تشبیہ کی اصلی خوبی یہ ہے کہ مشبہ کی تصویر آنکھون مین پھر جائے اور نیچرل شاعری مین جیسا کہ قدماے عرب کی شاعری تھی، تمام تشبیہین اسی قسم کی ہوتی تھین، لیکن ایک مدت سے ایشیائی شاعری، نیچرل حالت سے دور پڑگئی ہے اس لئے آج اس قسم کی تشبیہات کا ڈھونڈنا بیفائدہ ہے، تاہم تشبیہ کی خوبیان جسقدر میر انیس صاحب کے کلام مین پائی جاتی ہین، اُردو زبان مین ان کی نظیر نہین

مل سکتی، اُنکی تشبیہات مین جو خصوصیات ہین اُنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اکثر تشبیہات مرکب ہین۔

(۲) اکثر تشبیہات قریب الفہم اور سریع الانتقال الی الذہن ہین، اور یہی تشبیہ کا بڑا کمال ہے۔

(۳) علماے معانی نے لکھا ہے کہ تشبیہ کی غرض کبھی مُشبّہ کی رفعت اور حُسن، اور کبھی تحقیر اور ذلت، اور کبھی رعب و ہیبت ہوتی ہے، یہ باتین میر انیس کی تشبیہات مین کمال کے درجہ پر پائی جاتی ہین، مثلاً حضرت عباس پر جب ہر طرف سے برچھیان چلنے لگی ہین تو اس حالت کو اس طرح ظاہر کیا ہے ؎

یون برچھیان تھین چار طرف اُس جناب کے	جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

برچھیون سے زخمی ہونا، شکست اور مغلوبیت کی حالت ہے اس لئے اس کے بیان کرنے سے ذلت کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس تشبیہ نے حالت بدل دی۔

یا مثلاً جب حضرت عباس کے دونون ہاتھ تلوار سے کٹ کر گر پڑے اور اُنہون نے مشک کو دانتون سے پکڑ لیا تو اس حالت کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

ع مشکیزہ تھا کہ شیر کے مُنہ مین شکار تھا

مشکیزہ کا مُنہ مین لینا ایک بدنما صورت ہے، لیکن اِس تشبیہ نے بدنمائی کے بجائے شان پیدا کر دی

یا مثلاً جب تمام اہل بیت ایک ہی رسی مین قید کئے گئے ہین تو اس حالت کو اس طرح بیان کیا ہے ؎

گردنین بارہ اسیرون کی ہین اور ایک رسن	جسطرح رشتۂ گلدستہ مین گلہاے چمن

رسی مین باندھا جانا اور وہ بھی ایک ہی رسی مین، بظاہر نہایت ذلت ناک حالت تھی لیکن تشبیہ نے بدنمائی کو حُسن سے بدل دیا۔

یا مثلاً یہ شعر ؎

مقتل مین کیا ہجوم تھا اُس نورِ عین پر	پروانے گر رہے تھے چراغِ حسینؑ پر

یا مثلاً ان اشعار مین تشبیہ سے دشمن کی ہیبت اور بدنمائی پیدا کی ہے ؎

کہتی تھی یہ درہ بدنِ بدخصال مین	پکڑا ہے پیل مست کو لوہے کے جال مین

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا ؎

سینے کے تھے کواڑ کہ خیبر کا بند باب	تنور گرم تھا شکم خانمان خراب
جوشِ غضب سے سرخ ہوئی چشم نابکار	مثل تنور منہ سے نکلنے لگا بخار

(۴) محسوسات سے جو تشبیہ دیجاتی ہے نہایت عمدہ خیال کیجاتی ہے، کیونکہ محسوسات رات دن محسوس ہوتے رہتے ہین، اس لئے اُن کے ذکر کے ساتھ فوراً اُن کی صورت ذہن مین آجاتی ہے اور اس لئے مُشبّہ کی تصویر بھی آنکھون مین پھر جاتی ہے، اس قسم کی تشبیہات میر انیس کے ان کثرت سے ہین مثلاً بھاگڑ اور اضطراب کا بیان، ؎

یون روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے	جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

تلوار کی تعریف ؎

جوشن کو کاٹ جاتی تھی یون آکے اوج سے	پیرا کہ جس طرح نکل آتا ہے موج سے
کالی وہ ڈانڈ اور وہ چمکتی ہوئی سنان	غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زبان

یا مثلاً دو حریف برچھیون سے ایک دوسرے پر وار کر رہے ہین اور برچھیون کی انیان باہم ٹکراتی ہین

ع دو سانپ گتھ گئے تھے زبانین نکال کے

اسی حالت کی ایک اور تشبیہ،

ع شمعون کی تھین لوین کہ ملین اور جدا ہوئین۔

تعزیہ خانے مین لوگون کا سیاہ ماتمی لباس، ؎

مردم سیاہ پوش ہین سب اور گھر سفید	جیسے بیاضِ چشم اِدھر اور اُدھر سفید

حضرت علی اکبر کا چھوٹا سا نیزہ، دشمن کے بھالے سے ٹکراتا ہے،

ع غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا۔

غیظ اور غضب کی حالت، ؎

یون غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو	جس طرح ٹوک دے کوئی غصہ مین شیر کو

ڈھال پر تلوار کو آسانی سے روک لینا، ؎

یون روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جھول کو	جس طرح روک لے کوئی شہزور پھول کو

خزان کے موسم مین پتون کی حالت،

ع پتے برنگ چہرۂ مدقوق زرد تھے۔

(۵) بعض جگہ تشبیہ سے مبالغہ مقصود ہوتا ہے، اس قسم کی تشبیہین میر صاحب کے ہان نہایت اعلیٰ درجہ کی پائی جاتی ہین، اگرچہ فی الحقیقت اُن سے تشبیہ کی اصلی غرض نہین حاصل ہوتی کیونکہ مبالغہ خود ایسی چیز ہے جو اصلیت سے دور کردیتی ہے۔

گرمی کی شدت کا بیان، ؎

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان	انگارے تھے حُباب، تو پانی شرر فشان
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان	نہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبونپہ جان

پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

اب ہم چند اشعار ہر قسم کی تشبیہ کے ایک جا نقل کرتے ہین، جنسے اندازہ ہوگا کہ میر صاحب نے تشبیہ مین کیا کیا لطافتین اور نزاکتین پیدا کی ہین ؎

کُہنی سے دونون ہات جدا تن سے سر جدا	ہر نخل قد کی شاخ جدا اور ثمر جدا

ہر سنگ ریزہ نور سے دُرِّ خوش آب تھا		لہرین جو تھین کرن - تو ہنور آفتاب تھا

ع ہم لوگ زمانہ مین حُبابِ لبِ جو ہین

ہلنے لگے درخت لرزنے لگے جبال		سبزہ نہ تھا کھڑے تھے بدن پر زمین کے بال

ع چلنے مین نیزے کا نپتے تھے مثل پاے پیر

	یہ غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو		جس طرح ٹوک دے کوئی غصہ مین شیر کو
گھوڑے کی تعریف	سرعت مین تھا ہرن تو وغا مین ہزبر تھا	ولہ	پستی مین سیل تھا تو بلندی مین ابر تھا
	پھولون کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے	ولہ	تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے
	اک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے سیکاون کی	ولہ	برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

ع لہراتی ہے کیا نہر مثالِ شکمِ مار۔

ع افلاک ہنڈولے کی طرح تھے تہ و بالا

	یارب ترا نامِ پاک جپنے کے لئے		گویا اک ہڈیون کا مالا ہون مین
	اڑ کر گری زمین پہ سنان اس تکان سے	ولہ	گرتا ہے جیسے تیرِ شہاب آسمان سے
	گر امیان تھی، تو تیغ دم امتحان نہ تھی	ولہ	یہ طرفہ بات تھی کہ دہن تھا زبان نہ تھی
	یون جلوہ گر زرہ مین تنِ سرخ فام تھا	ولہ	گویا بچھا ہوا چمنستان مین دام تھا
	چپ ہون مگر زبان ہے وہی اپنی کام تھا	ولہ	گویا کہ ذوالفقار علی ہے نیام مین
	ناخن نے دکھایا جو رخ جلوہ گر اپنا	ولہ	شرما کے مہ نو نے جھکایا ہے سر اپنا

ع رہوار کیا، ہوا پہ سلیمان کا تخت تھا۔

پلکون اور آنکھونکی تشبیہ ع بیٹھا ہے شیر پنجہ کو ٹیکے ترائی مین

کالی وہ ڈاڑھ اور وہ چمکتی ہوئی سنان		غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زبان

ع ذرّے نہ تھے زمین پہ سونے کے پھول تھے۔

کھا کھا کے اُوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا	تھا موتیون سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

ع کھلتی تھین اور حبابون کی آنکھین جھپکتی تھین۔

جل کر کبھی بڑھا کبھی پیچھے سرک گیا	شعلہ تھا آگ کا کہ بجھا اور بھڑک گیا

ع اعدا کا لہو تیغ کی باچھون مین بھرا تھا۔

	تلوارین منہ چھپائے تھین سایہ مین ڈھال کے	خنجر بھی رہ گئے تھے زبانین نکال کے
	غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے	ولہ اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے
گھوڑا	سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا	ولہ دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا
	آیا گیا فرس جو سمٹ کر ادھر اُدھر	ڈھالون کا ابر رہ گیا پھٹ کر ادھر اُدھر
	حملہ غضب ہے بازوے شاہ حجاز کا	لنگر نہ ٹوٹ جائے زمین کے جہاز کا
	ڈر سے ہوا فرات کی موجون کو اضطراب	اور آب مین سرون کو چھپانے لگے حباب
تلوار	کڑیون سے بون زرہ کی نکل جاتے تھے شتاب	جس طرح دام سے نکل آتی ہے موج آب
	سرکش تھے باد کبر سے جو خانمان خراب	خود اُن کے گر کے ٹوٹ گئے صورتِ حباب
گرمی کی شدت	خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب	ولہ خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب
تلوار کی ہیبت	ہر چند مچھلیان تھین زرہ پوش سربسر	ولہ منہ کھولے چھپتی پھرتی تھین لیکن ادھر اُدھر
	بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر	تھے تہ نشین نہنگ مگر آب تھے جگر

دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پانون مین چھالے حباب کے

ع ہو گیا جوڑ کے ہاتون کو جلا جل خاموش ۵

تیغون کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالون کا ہوش تھا		نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا	
خاک اُڑتی تھی مُنہ پر حرم شیر خدا کے		تھا چین بہ جبین فرش بھی جنگون سے ہوا کے	

صنائع و بدائع اگرچہ اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ بعض صنائع ایسے بھی ہین کہ اگر بے تکلفی سے آجائین تو کلام مین حسن پیدا ہوجاتا ہے لیکن عام حالت یہ ہے کہ اکثر صنائع و بدائع شاعری اور انشا پردازی کا دیباچۂ زوال ہین۔

میر انیس جس زمانے مین تھے، شاعری کا مدار صنائع و بدائع پر رہ گیا تھا، مبالغہ، ابہام، اور مناسبات لفظی، یہی چیزین شاعری کا کمال خیال کیجاتی تھین، میر انیس کو انھین لوگون مین رہنا سہنا تھا، انہی سے داد سخن لینی تھی، اور زیادہ سچ یہ ہے کہ انہی کی قدردانی پر معاش اور ضروریات زندگی کا انحصار تھا، ایسی حالت مین کیونکر ممکن تھا کہ وہ زمانہ کی حکومت سے آزاد رہتے، وہ جانتے تھے کہ جس شاعری کو وہ زندہ کرنا چاہتے ہین صنائع و بدائع اسکے چہرہ کے داغ ہین، لیکن انہون نے مجبوراً اسکو گوارا کیا، یہ صرف قیاس نہین بلکہ مستند اور صحیح روایت سے ثابت ہے، میرے ایک معزز دوست نے خود میر انیس سے پوچھا کہ کیا آپ لفظی رعایتون اور صنائع و بدائع کو پسند کرتے ہین، انہون نے جواب دیا کہ "نہین، لیکن آخر لکھنو مین رہتا ہے"، تاہم میر انیس نے یہ کیا کہ جو صنعتین محض لغو تھین مثلاً صنعت اہمال اور لزوم مالایلزم وغیرہ وہ نہایت کم برتین اور جسقدر برتین ان سے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ اس جولانگاہ مین بھی وہ بھی حریفون سے پیچھے نہین، باقی صنعتون کو انہون نے اس طرح برتا کہ کلام کی اصلی خوبی یعنی برجستگی۔ صفائی اور سادگی مین فرق نہ آنے پائے۔ ہم اُن تمام صنعتون کی کچھ کچھ مثالین نقل کرتے ہین جو میر صاحب کے کلام مین پائی جاتی ہین۔

ایہام،، کے یہ معنی ہین کہ ایک لفظ کے دو معنی ہون، ایک معنی مراد ہون، اور دوسرے معنی مراد نہون، لیکن مقدم اور مؤخر الفاظ سے اسکو مناسبت ہو، مثلاً ع اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھون

رنگ کے دو معنی ہین، ایک تو وہی معمولی رنگ، دوسرے، طرح - قسم - طرز - یہان یہی پچھلے معنی مراد ہین، یعنی پھول کے مضمون کو مین سو طرح سے باندھ سکتا ہون، یہان پہلے معنی مراد نہین، لیکن گل سے اسکو مناسبت ہے، یہ صنعت اگر بیساختگی اور بے تکلفی سے برتی جائے تو کلام مین نہایت حسن پیدا ہو جاتا ہے، قدمار مین یہ صنعت بالکل متروک تھی، **سلمان ساوجی** نے اسکی ابتدا کی اور اس مین نہایت غلو کیا تاہم اکثر جگہہ نہایت بے تکلفی سے بھی استعمال کیا ہے -

سلمان کے بعد خواجہ حافظ کے کلام مین کہین کہین اسکا پتہ لگتا ہے، لیکن پھر کسی نے اسکی طرف توجہ نہین کی، اُردو مین ابتدا ہی سے اسکی طرف میلان رہا، میر انیس کے زمانہ تک اسکو رواج عام ہو چکا تھا، اور یہ صنعت مضمون بندی کی ایک بڑی عمدہ صنعت خیال کی جاتی تھی، میر انیس صاحب نے بھی عوام پسندی کی بنا پر یہ صنعت نہایت کثرت سے برتی ہے، لیکن اکثر جگہہ نہایت بے تکلفی سے ادا ہوئی ہے، چند مثالین ذیل مین درج ہین ؎

	جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے بجائے		اقلیم سخن میری قلمرو سے بجائے
	ہر چند کہ ہون خسرو اقلیم سخن		پر غیر دوات کچھ قلمرو مین نہین
	تعریف مین چشمہ کو سمندر سے ملا دون		قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون
	کیا خوف ان کو نہر پہ گر روک ٹوک ہے		نیزہ نہین جو پاس تو اس مین بھی نوک ہے
تلوار کی زبان سے	بت توڑ دیے ہین جو سوے دیر گئی ہون		خندق کو تو دو ہاتھ مین مین پیر گئی ہون

ع چلاتی تھین پریان کہ خدا جان بچائے، (جان جن کو بھی کہتے ہین)

ع دم اور تبرہ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے، (دم خون کو بھی کہتے ہین)

ع سب فوج کی تیغین تھین اور اک شاہ کا دم تھا، (دم تلوار کی باڑھ کو بھی کہتے ہین) ؎

	ڈھالون کا دور برچھیون کا اوج ہو گیا		ہنگام ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا

کچھہ گل فقط نہ کرتے تھے رب علا کی مدح		ہر خار کو بھی نوکِ زبان تھی خدا کی مدح
کم نہ کچھہ مرتبہ آل عبا ہوے گا	ولہ	عاصیون کا اسی پردہ مین بھلا ہوئیگا

ع اک ایک کوس راہ جبل مین پہاڑ تھا،

ع غل پڑگیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی،

ع سر دھڑ سے گر پڑا تو جسد کو خبر ہوئی،

ع ایسا گنہ کیا ہے کہ کچھہ جسکی حد نہین، (حد گناہ کی سزا کو بھی کہتے ہین)

ع دریا لہو کا پیر گئی چار ہاتھہ مین، ؎

پیدل مین تھی نہ جان، نہ دم تھا سوار مین		ٹوٹی ہوئی صفین تھین بھلا کس قطار مین
ایسا کوئی طفلی مین نمودار نہ ہوگا	ولہ	بات ایسا تو جعفر کا بھی طیار نہ ہوگا
اللہ رے سخن کی تیرے تاثیر انیس	ولہ	رو دیتے ہین مثل شمع جلنے والے
آکر بزم عزاے شہ مین رونا	ولہ	ہر آنکھہ پہ فرض عین ہو جاتا ہے

ع حسرت ہے کہ خواب مین بھی رویا کیجیے، (عربی مین رویا کے معنی خواب کے ہین)

ع چپ ہون مگر زبان ہے وہی اپنے کام مین، (کام فارسی مین تالو کو کہتے ہین)

ع آب بقا بھی ہو تو میرے کام کا نہین،

مبالغہ، قدما کے نزدیک مبالغہ اُس حد تک ممدوح تھا کہ کسی وصف کو ایک لطیف پیرایہ مین معمولی حالت سے کچھہ بڑھہ کر بیان کیا جائے، لیکن جب حد سے بڑھا تو عیب اور نقص ہو گیا، فنِ بلاغت کے امام، ابن قدامہ نے نقد الشعر مین اسکی مثال مین ابونواس کا یہ مصرعہ نقل کیا ہے —

یا امین اللہ عش ابدا، —— اے خدا کے امین! تو ہمیشہ زندہ رہ،

امام موصوف نے لکھا ہے کہ کسی شخص کا ہمیشہ زندہ رہنا ناممکن ہے، اس لیے یہ مبالغہ معیوب

اور قبیح ہے شعراے عرب، اس قسم کا مبالغہ کرنا چاہتے تھے تو پہلے امکان کی شرط لگا دیتے تھے، یعنی اگر یہ ممکن ہوتا تو یون ہوتا، ابو تمام کہتا ہے ؎

ولو انّ مشتاقاً تکلّف فوق ما	فی وسعہ لمشی الیک المنبر

یعنی اگر کوئی مشتاق اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کر سکتا، تو منبر خود تیرے پاس چلا آتا، لیکن عرب مین بھی جب تکلف، اور تصنع زیادہ بڑھا اور صحیح مذاق مفقود ہو گیا تو مبالغہ کی یہی خوبی رہ گئی کہ مستبعد اور ناممکن ہو، اور جس قدر زیادہ ناممکن ہو، اسی قدر زیادہ اسکا کمال ہے، اب یہ حالت پہونچ گئی کہ سودا گھوڑے کی تعریف مین کہتے ہین ؎

روبرو سے اگر آئینہ کے اس گلگون کو	ق	پھینکدے لیکے کبھی شرق سے تو غرب تلک
اتنے عرصہ مین پھر آئے تو اسے باور کر		عکس بھی آئینہ سے ہوئے نہ پاے نہ منفک

میر انیس کے زمانہ مین، مبالغہ کمال کی حد کو پہونچ چکا تھا اور یہ حالت ہو گئی تھی کہ جب تک مبالغہ مین انتہا درجہ کا استبعاد نہین ہوتا تھا، سامعین کو مزا نہین آتا تھا، مجبوراً میر صاحب نے بھی وہی روش اختیار کی لیکن چونکہ ان کی اصلِ فطرت مین سلامت روی اور اعتدال تھا، اس لئے اس میدان مین وہ اپنے حریف مرزا دبیر سے بہت پیچھے رہ گئے، اور یہی بات ہے جسکی بنا پر اُن کے حریف کہتے ہین کہ وہ خیال بندی اور مضمون آفرینی مین مرزا دبیر کا مقابلہ نہین کر سکتے۔

بہرحال ان کے مبالغہ کا نمونہ یہ ہے، گرمی کی شدت کے بیان مین لکھتے ہین ؎

وہ لون وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تپ	کالا تھا رنگ دھوپ سے۔ دن کا مثالِ شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب	خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب

سرخی اُڑی تھی پھولون سے، سبزی گیاہ سے
سایہ کنوین مین اُترا تھا پانی کی چاہ سے

آبِ رواں سے منہ نہ اُٹھاتے تھے جانور	جنگل مین چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر

مردم تھے سات پردون کے اندر عرق مین تر
خستخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر

گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ مین
پڑ جائین لاکھ آبلے پائے نگاہ مین

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تپ کی تاب
پہچھنے کو برق چاہتی تھی دامن سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجون کو اضطراب
کافور صبح ڈھونڈتا پھرتا تھا آفتاب

بھڑکی تھی آگ گنبد چرخ اثیر مین
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر مین

شیر اُٹھتے تھے نہ خوف کے مارے کچھار سے
آہو نہ مُنہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردون کو تپ چڑھی تھی زمین کے بخار سے

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بُھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان
انگارے تھے حُباب، تو پانی شرر فشان
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان
تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لہون پہ جان

پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

گھوڑے کی تعریف

اس کی ثنا اگر کوئی لائے زبان پر
ساکن جو حرف ہو وہ نہ آئے زبان پر
گُل کی طرح اشارے مین سو بار پھیر لو
بجلی ہے جس طرف دم پیکار پھیر لو
کاوے مین شکل گنبد دوار پھیر لو
نقطے کے گرد صورت پرکار پھیر لو

دوڑے بروے آب تو پُتلی بھی تر نہو

آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہو	

حُسن التعلیل، یہ ایک لطیف صنعت ہے، اسکی حقیقت یہ ہے کہ شاعر ایک ایسی چیز کو کسی چیز کی علت فرض کرتا ہے، جو درحقیقت اسکی علت نہین، مثلاً ؎

بھلائی جو کرے دنیا مین ہووے وہ پامال	بسان جادہ کسیکو نو راہ مست تبلا

جادہ یعنی راستہ پامال ہوتا ہے، شاعر اسکی یہ وجہ قرار دیتا ہے کہ راستہ لوگون سے بھلائی کرتا ہے اس لئے پامال ہے، یہ ایک قسم کی تخئیل ہے اور اس لحاظ سے یہ صنعت عین شاعری ہے کیونکہ شاعری درحقیقت تخئیل کا نام ہے، اس صنعت مین اسوقت زیادہ لطافت پیدا ہوجاتی ہے جب وہ وصف بھی جسکی علتِ بیان کرنی ہے تخئیل پر مبنی ہو مثلاً میر انیس کا یہ شعر ؎

ڈر سے ہوا فرات کی موجون کو اضطراب	اور آب مین سرون کو چھپانے لگے حباب

موجون کے اضطراب، اور حباب کے سر چھپانے کی علت، ڈر اور خوف کو قرار دیا ہے، لیکن موج کا اضطراب، اور حباب کا پانی مین سر چھپانا، خود کوئی واقعی چیز نہین، بلکہ شاعر نے موج کی حرکت کو اضطراب قرار دیا ہے اور حباب جو ٹوٹ جاتا ہے، تو اسکو فرض کیا ہے، کہ اُس نے پانی مین مُنہ چھپالیا، اس صنعت کو میر انیس نے اکثر جگہ نہایت خوبی سے برتا ہے،

ع تیغین برہنہ ہوگئی تھین چوم کر نیام، ؎

گرمی کی شدت

پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی	ولہ	ساحل سے سر پٹکتی تھین موجین فرات کی
یہ سُن کے تہلکہ صف اعدا مین پڑ گیا ہر غول مین علم سے علم جھک کے لڑ گیا	ولہ	ٹوٹا یہ مورچہ وہ رسالہ بگڑ گیا جو رہ گیا نشان وہ خجالت سے گڑ گیا
ڈر سے نہ بڑھاتے تھے جو سرکش قدم اپنے	ولہ	تیغین بھی نیامون مین چھپے تھین دم اپنے
تھم گیا، طبل و غا کی بھی، وہ آواز کا جوش	ولہ	ہوگیا جوڑ کے ہاتھون کو جلاجل خاموش

ع اکبر سے بھی وغا مین کچھ آگے بڑھی رہی، (حضرت علی اکبر کی تلوار کی تعریف) ؎

ہر چند مچھلیان تھین زرہ پوش سر بسر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر

مونہہ کھولے چھپتی پھرتی تھین لیکن ادھر ادھر
تھے تہ نشین نہنگ، مگر آب تھے جگر

دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پانون مین چھالے حباب کے

خاک اڑتی تھی موتہہ پر حرم شیر خدا کے
تھا چین بجبین فرش بھی جھوکون سے ہوا کے

ع ڈھالون کا یہ عالم تھا کہ چھپتی تھین پس پشت،

صنعت طباق، یعنی دو متضاد یا مقابل چیزون کو یکجا جمع کرنا، میر انیس نے اس صنعت کو اکثر برتا ہے اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ برتا ہے۔

ع کھلتا نہین کچھ آپ نے کیون باندھے ہین ہتیار، ؎

ہات باندھے ہون مین اے عقدہ کشا اور کنی
پانون لغزش مین ہین اے دست خدا اور کنی

ولہ

میری قدر کر اے زمین سخن
کہ مین نے تجھے آسمان کر دیا

ولہ

یہ فصل اور یہ بزم عزا یادگار ہے
پیری کے ولولے ہین خزان کی بہار ہے

ع گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے، ؎

استادہ آب مین یہ روانی خدا کی شان
پانی مین آگ آگ مین پانی خدا کی شان

ع بانو! یہ رہے یاد ہمین بھول نجانا،

ع فاقے سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر، ؎

پانی نہ تھا وضو جو کرین وہ فلک آب
نیزہ ہلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند

پر تھی رخون پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
مشکل کشا کے لعل نے کھولے تمام بند

ع تو عالم و دانا ہے کہ مین بیچدان ہون،

ع ثابت نہوا کب صف اول ہوئی آخر،

ع پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور،

ع قرآن مین کیا خفی ہے کہ ہم پر جلی نہین ؎

پیچھے کبھی قافلہ سے رہنا نہ انیس	اے عمر دراز! تیری کوتاہی ہے

ع نیزون سے کہین عقدہ کشا بند ہوا ہے،

مراعات النظیر، یعنی الفاظ کی رعایت، یہ وہی صنعت ہے جو آج عوام شعرا کا سرمایۂ کمال ہے، اور جسکو مہذب ضلع جگت کہہ سکتے ہین، امانت لکھنوی، اس شریعت کا پیغمبر ہے، اسکے مصحف کمال کی ایک آیت یہ ہے،

ع بھیڑیے ملتے ہین آنکھین تری گرگابی پر،

منشی امیر احمد صاحب مرحوم فرماتے ہین ؎

کبوتر نہوتا تھا جانے پہ راضی	تو بھیجا اُسے روغن قاز مل کر

چونکہ عوام کی تسخیر کا سب سے چلتا جادو یہی صنعت ہے، اور چونکہ لکھنو کی شاعری کے رگ و پے مین یہ صنعت سرایت کر گئی تھی، اس لئے میر انیس صاحب کے ہان بھی اسکی بہتات ہے، لیکن اتنی احتیاط ہے کہ ابتذال نہین آنے پاتا اور بعض جگہ تو واقعی اس سے لطف پیدا ہو جاتا ہے، فارسی شعرا نے بھی اسکو برتا ہے لیکن نہایت فصاحت کے ساتھ۔ مثلاً ؎

خواجہ حافظ

تا دل ہرزہ گرد من رفت بچین زلف او	زان سفر دراز خود قصد وطن نمی کند

سلمان

چشم بیمار ترا عین بلا ے بینم	لیکن ابروے تو چیزیست کہ بالا ے بلا است

بہر حال میر انیس کی صناعی کے یہ نمونے ہین ؎

جب تک یہ چمک مہر کی پرتو سے بنائے		اقلیم سخن میری قلمرو سے بنائے	
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری	ولہ	پھل ہم کو بھی ملجائے ریاضت کا ہماری	

ع آتی ہون مین سرون پہ ذرا فرق فرق سے، (تلوار کی زبان سے)

ع کیا مورچہ بندی تھی پئے قتل سلیمان، ؎

اصغر سے اگر اکبر مہرو نہ ملے گا		تم ہات سے جاؤگے تو بازو نہ ملے گا	
فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانمان خراب	ولہ	دریا کو خاک جانتا ہے ابن بوتراب	

ع آب بقا بھی ہو تو میرے کام کا نہین،

ع یہ پھول کربلا کے بسانے کو آئے تھے،

ع کٹ کٹ گئے وہ سیف زبانی دکھا گئی، (تلوار) ؎

خالی نہ گیا وار کوئی تیغ دو سر کا		ہات اڑ گئے گر پانون بچا کر کوئی سر کا	
اس ضعف مین لغزش سے نہ وہ پانون تھے آگاہ	ولہ	پایا تھا ثبات قدم پاسے یداللہ	
محتاج عصا ہوئے تو پیری نے کہا		چلیئے اب چوبدار مرگ آیا ہے	
کونسا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے		کہین کوثر کے تو چھینٹون مین نہین آیا ہے	

ع تہ مین تھے سب نہنگ، مگر تھی لبون پہ جان،

ع کافر جو تھا تو ہات بھی مارا جنیو کا، ؎

اب تک یہ لڑائی کے نہین ڈھنگ سے واقف		دونون مین نہین ایک بھی جو رنگ سے واقف	

ع سب فوج کی تیغین تھین اور اک شاہ کا دم تھا، ؎

لف و نشر	واللیل والضحیٰ، رخ روشن خط سیاہ		لعل و غزال و گل، لب و رخسار و چشم شاہ
	ابرو و زلف و رخ شب قدر و ہلال و ماہ		تیر و سنان و زرہ مژہ و سرمہ و نگاہ

چھپتی تھین بھاگی جاتی تھین گرتی تھین خاک پر
قبضون سے تیغین جم سے رجین تنون سے سر

تفصیل
کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر
پہچون سے ہاتھ شانون سے بازو تنون سے سر
قبضہ سے تیغ ابر سے زرہ ہات سے سپر
برچھی سے پھل کمان سے زہ زین سے تبر

مجملہ
وہ طاہر واطہر ہوا گر معرکہ آرا
معلوم ہو حملہ اسد اللہ کا سارا
آگاہ ہو کس طرح کہو عمر کو مارا
صمصام کا اک وار ہو اس کو گوارا

واللہ گر اک دم کو وہ صمصام علم ہو
ہر روح کو اُسدم ہوس ملک عدم ہو

کس کا اسد اللہ سا ہوا والد مرحوم
حلال مہم مالک کل طاہر و معصوم
صدر دوسرا رحم دل و سرور مہموم
آسودہ ہر اک سالک و گمراہ و محروم

معصوم کا دلدار ہو سالار امم ہو +
اولاد کا اس عالم و عادل کا الم ہو

اس طرح کا والا ہمم اس طرح کا سردار
اس طرح کا عالم کا ممد اور مددگار
وہ مصدر الہام احد محرم اسرار
وہ اصل اصول کرم داور دادار

حاصل - اگر اک مرد دل آگاہ کو مارا
مارا اگر اس کو اسد اللہ کو مارا

تلمیح، میر صاحب نے اس صنعت کو نہایت خوبی سے برتا ہے، وہ عربی فقرون کو اس خوبی سے اشعار مین لاتے ہین کہ معلوم ہوتا ہے انگوٹھی پر نگینہ جڑ دیا ہے ؎

حُر پکارا بابی انت وامی یا شاہ
قابل عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ

ع اے خداوند جہان خذ بیدی خذ بیدی ۔ ۹

انصاف کا اس وقت طلبگار ہون تم سے		ہے کون مراد آیہ لا اسئلکم سے
انھی رانڈون مین ہے اک دختر فرزند نبیؐ	ولہ	خوگر سینہ دلبند رسول عربی
آفت فاقہ کشی سے بے پدری تشنہ لبی		دمبدم لب پہ یہ ہے این ابی این ابی
حامی ہی سب کا کون حیات و ممات مین	ولہ	کسکی ثنا ہے سورہ والعادیات مین
کسکے لئے اکملت لکم دینکم آیا		اتممت علیکم کا ملا ہے کسے پایا
ہے انفسنا انفسکم کس سے اشارا		اللہ نے کس گھر مین ستارے کو اتارا

انسانی جذبات یا احساسات

"یہان تک جن محاسن کلام کا ذکر ہوا، وہ شاعری سے نہین، بلکہ بلاغت سے تعلق رکھتے تھے، شاعری جس چیز کا نام ہے، اسکی بحث اب شروع ہوتی ہے"

یہ شاعری کی اصل روح و روان ہے، اور اگر مل صاحب کی رائے تسلیم کی جائے تو صرف اسی چیز کا نام شاعری ہے۔ شاعری درحقیقت مصوری ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مادیات اور محسوسات کی تصویر کھینچنا اسقدر دشوار نہین جسقدر غیر محسوسات، اور غیر مادی اشیاء کا نقشہ اتارنا مشکل ہے۔ ایک درخت کی تصویر کھینچنی ہو تو کسی قسم کی تخیل اور دیدہ وری کی ضرورت نہین۔ ٹہنیان۔ پھل۔ پھول۔ پتے۔ سب سامنے ہین، اور ہر شخص ان کو محسوس کر سکتا ہے۔ مصور کا صرف یہ کمال ہے کہ ہر چیز کا پورا نقشہ کھینچدے۔ لیکن رنج۔ غم۔ جوش۔ محبت۔ غیظ۔ بیقراری۔ بیتابی۔ مسرت۔ خوشی، محسوس اور مادی چیزین نہین ہین۔ آنکھ ان کو محسوس نہین کر سکتی۔ البتہ دل پر اُن کا اثر ہوتا ہے۔ لیکن یہ اثر سب پر یکسان نہین ہوتا۔ اس لئے انکی ہو بھو اور اصلی تصویر اتارنا، مشکل ہے۔

میر انیس کا اصلی جوہر یہین آکر کھلتا ہے اور یہین اُنکی شاعری کی حد اُن کے ہمعصرون سے بالکل الگ ہوجاتی ہے۔ انسانی جذبات کی سیکڑون قسمین ہین۔ اور پھر ہر ایک کے مختلف مراتب اور مدارج ہین۔ مثلاً جذبات انسانی کی ایک قسم محبت ہے۔ لیکن محبت کے بھی مختلف اقسام اور مدارج ہین۔ باپ بیٹے کی محبت۔ بھائی بھائی کی محبت۔ یار آشنا کی محبت۔ آقا اور غلام کی محبت وغیرہ وغیرہ۔ میر انیس کے مرثیون مین نہایت کثرت سے ان جذبات، اور ان کے مختلف مدارج کا ذکر ہے، لیکن جس جگہ جس چیز کو لیا ہے اس کمال کے ساتھ اسکی تصویر کھینچی ہے کہ اسکا پورا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے۔

مثال ۱۔ حضرت امام علیہ السلام نے مدینہ سے جب سفر کیا تو تمام کنبہ ساتھ تھا۔ لیکن حضرت صغرا چونکہ بیمار تھین، اس لئے انکو ساتھ نہین لیا ہے۔ رخصت کے وقت جب گھر مین تشریف لائے تو چاہتے ہین کہ صغرا پر یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے۔ لیکن یہ راز کب چھپ سکتا تھا۔ بہرحال حضرت امام حسینؑ خود صغرا سے رخصت ہونے کیلئے انکے پاس تشریف لے گئے صغرا کو اصرار ہے کہ مین تنہا نہین رہ سکتی، حضرت سمجھاتے ہین کہ تم اس بیماری کی حالت مین کیونکر چل سکتی ہو۔ وہ نہین مانتین۔ اسوقت باپ۔ بیٹی ماں۔ بھائی۔ بہنون پر محبت کا جو اثر ہے، اور جس طرح اسکا اظہار ہوا ہے اسکی تصویر اسطرح کھینچی ہے ؎

یہ کہتی تھی زینب کہ پکارے شہ عادل
تیار ہین دروازے پہ سب ہودج و محمل

طے شام تلک ہوگی کہین آج کی منزل
رخصت کرو لوگو نکو بس اب رونے سے حاصل

چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقت سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہین گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو اُن کو کہ جو ہین ملنے کو آئے
کہدو کوئی گہوارۂ اصغر کو بھی لائے

نادان سکینہ کہین آنسو نہ بہائے
جانے کی خبر میری نہ صغرا کہین پائے

ڈر ہے کہین گھبرا کے دم اُسکا نہ نکل جائے

باتین کرو ایسی کہ وہ بیمار بہلجائے

سنکر یہ سخن بانو نے ناشاد پکاری
غش ہوگئی ہے فاطمہ صغرا مری پیاری

مین لٹتی ہون کیسا سفر اور کیسی عماری
یہ کس کے لئے کرتے ہین سب گریہ و زاری

اب کس پہ مین اس صاحب آزار کو چھوڑون
اس حال مین کسطرح سے بیمار کو چھوڑون

مان ہون مین کلیجہ نہین سینہ مین سنبھلتا
مین تو اُسے لے چلتی پہ کچھ بس نہین چلتا

صاحب مرے دلکو ہے کوئی ہاتھ نسے ملتا
رہ جاتین جو بہنین بھی تو دم اُسکا بہلتا

دروازے پہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغرا کی پڑی ہے

چلاتی تھی کبرا کہ بہن آنکھین تو کھولو
ہم جاتے ہین تم اُٹھ کے بغلگیر تو ہو لو

کہتی تھی سکینہ کہ ذرا منہ سے تو بولو
چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رو لو

تم جنکی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
پھر گھر مین جو ڈھونڈھوگی تو اکبر نہ ملے گا

ہشیار ہو کیا صبح سے بیہوش ہو خواہر
چھاتی سے لگو اُٹھ کے کھڑی روتی ہین مادر

اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
ہم روتے ہین دیکھو تو ذرا آنکھ اُٹھا کر

افسوس اسی طور سے غفلت مین رہوگی
کیا آخری بابا کی زیارت نہ کروگی

سنکر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے
منہ دیکھ کے بانو کا سخن لب پہ یہ لائے

بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اسکو بچائے

جس صاحب آزار کا یہ حال ہو گھر مین
دانستہ مین کیونکر اُسے لیجاؤن سفر مین

کہکر یہ سخن بیٹھ گئے سیدِ خوشخو
اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
بیمار نے پائی گلِ زہرا کی جو خوشبو
آنکھونکو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو

ماں سے کہا مجھ مین جو حواس آئے ہین اماں
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہین اماں

ماں نے کہا ہان ہان وہی آئے ہین ہر جان
جو کہتا ہے کہہ لو کہ یہان اور ہے سامان
دیکھو تو ادھر روتے ہین بی بی شہ ذیشان
صغرا نے کہا اُنکی محبت کے مین قربان

وہ کون سا سامان ہے جو یون روتے ہین بابا
کھل کر کہو کیا مجھسے جدا ہوتے ہین بابا

یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لئے باہر
نہ فرش نہ ہے مسندِ فرزندِ پیمبر
والدہ سے کیا ہو گیا گہوارۂ اصغر
اُجڑا ہوا لوگو نظر آتا ہے مجھے گھر

کچھ مُنہ سے تو بولو مرا دم گھٹتا ہے اماں
کیا سبط پیغمبر سے وطن چھٹتا ہے اماں

شبیر کا مُنہ تکنے لگی بانوئے مغموم
صغرا کے لئے رونے لگین زینب و کلثوم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم
پردہ رہا اب کیا تمھین خود ہو گیا معلوم

تم چھٹتی ہو اسواسطے سب روتے ہین صغرا
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہین صغرا

اب شہر مین اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار
مین پا بہ رکاب اور ہو تم صاحب آزار

پھر آتا ہے وہ گھر مین سفر مین جو ہو بیمار
تکلیف تمھین دون یہ مناسب نہین زنہار

غربت مین بشر کے لئے سو طرح کا ڈر ہے
میرا تو سفر رنج و مصیبت کا سفر ہے

لون چلتی ہے خاک اُڑتی ہے گرمی کے ہین ایام
جنگل مین نہ راحت نہ کہین راہ مین آرام
بستی مین کہین صبح تو جنگل مین کہین شام
دریا کہین حائل کہین پانی کا نہین نام

صحت مین گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

صغرا نے کہا کھانے سے خود ہی مجھے انکار
پانی جو کہین راہ مین مانگون تو گنہگار
کچھ بھوک کا شکوہ نہین کرنے کی یہ بیمار
تبرید فقط آپ کا ہے شربت دیدار

گرمی مین بھی راحت سے گزر جائے گی بابا
آئے گا پسینہ تپ اُتر جائے گی بابا

کیا تاب اگر منہ سے کہون درد ہے سر مین
اُف تک نہ کرون بھڑکے اگر آگ جگر مین
بھولے سے بھی شب کو نہ کرا ہونگی سفر مین
قربان گئی چھوڑ بجاؤ مجھے گھر مین

ہو جاتا خفا راہ مین گر روئے گی صغرا
یان نیند کب آتی ہے جو وان سوئیگی صغرا

وہ بات نہوگی کہ جو بے چین ہون مادر
ہر صبح مین پی لون گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی مین رہین گے علی اصغر
لونڈی ہون سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر

مین یہ نہین کہتی کہ عماری مین بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری مین بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ
مین کہہ نہین سکتا مجھے درپیش ہے جو راہ

کھلجائے گا یہ راز بھی گو تم نہین آگاہ
ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہو چاہ

ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہون صغرا
ہے مصلحتِ حق یہی جو کہتا ہون صغرا

اے نور بصر آنکھون پہ لیکر تجھے چلتا
تو مجھسے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا

تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا
یہ ضعف کہ دم تک نہین سینے مین سنبھلتا

جز ہجر علاج اور کوئی ہو نہین سکتا
دانستہ تمھین ہاتھ سے مین کھو نہین سکتا

مُنہ تکنے لگی ان کا وہ بیمار بصد غم
چتون سے عیان تھا کہ چلین آپ تو ہم

ان کہتی تھی مختار ہین بی بی شہ عالم
میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اسدم

وہ درد ہے جس درد سے چارا نہین صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہین صغرا

صغرا نے کہا کوئی کسی کا نہین زنہار
سب کی یہی مرضی ہے کہ مرجائے یہ بیمار

اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار
اک ہم ہین کہ ہین سب پہ فدا سب کے ہین غمخوار

بیزار ہین سب ایک بھی شفقت نہین کرتا
سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہین کرتا

ہمشیر کے عاشق ہین سلامت رہین اکبر
اتنا نہ کہا مرگئی یا جیتی ہے خواہر

مین گھر مین تڑپتی ہون وہ ہین صبح سے باہر
وہ کیا کرین برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر

پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے

نہ بھائیون کو دھیان نہ بہنون کو خبر ہے

کیا ان کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے
ہوتی جو غرض چھاتی سے لپٹانے کو آتے

مین کون؟ جو صورت مجھے دکھلانیکو آتے
زلفین جو الجھتین تو سلجھوانے کو آتے

کل تک تو مرے حال پریشان پہ نظر تھی
تقدیر کے اس پیچ کی مجھکو نہ خبر تھی

مانوس سکینہؑ سے ہین عباسؑ دلاور
سرسبز ہے خلق مین نو بادۂ شبیرؑ

مین کون ہون؟ جو میری خبر پوچھتے آکر
شادی مین بلائین مجھے یہ بھی نہین باور

بے دولہے منہ کو چھپاتے ہین ابھی سے
مین جیتی ہون اور آنکھ چراتے ہین ابھی سے

کس سے کہون اس درد کو مین بیکس و رنجور
اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی مین ہون مجبور

بہنین بھی الگ مجھسے ہین اور بھائی بھی ہین دور
ہمراہی بیمار کسیکو نہین منظور

دنیا سے سفر رنج و مصیبت مین لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت مین لکھا تھا

سب بیبیان رونے لگین سن سن کے یہ تقریر
لو صبر کرو کوچ مین اب ہوتی ہے تاخیر

چھاتی سے لگا کر اسے کہنے لگے شبیرؑ
منہ دیکھ کے چپ رہگئی وہ بیکس و دلگیر

نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
اچھا تو کہا منہ سے پہ آنسو نکل آئے

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ
آئے علی اکبرؑ تو کہا شاہ نے آؤ

اکبرؑ کو بلاؤ علی اصغرؑ کو بھی لاؤ
روٹھی ہے بہن تم سے گلے اس کو لگاؤ

چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے انہین کب آؤ گے اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبرؑ نے یہ کی پیار کی تقریر
کیا مجھ سے خفا ہو گئین جعفرؑ امری تقدیر
چلانے لگی چھاتی پہ منھ رکھکے رہ دلگیر
محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر

صدقے ترے سر پہ سے اُتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفون پہ وارے مجھے کوئی

رخسارون پہ سبزے کے نکلنے کے مین صدقے
تلوار لئے شان سے چلنے کے مین صدقے
افسوس سے ان ہاتھونکے ملنے کے مین صدقے
کیون روتے ہو اشک آنکھونکے ڈھلنے کے مین صدقے

جلد آن کے بہنا کی خبر لیجیو بھائی
بے میرے کہین بیاہ نہ کر لیجیو بھائی

پیارے مرے بھیا مرے مہ رو علی اکبرؑ
چھپ جائین گے آنکھون سے یہ گیسو علی اکبرؑ
یاد آئیگی یہ جسم کی خوشبو علی اکبرؑ
ڈھونڈھین گی یہ آنکھین تمھین ہر سو علی اکبرؑ

دل سینے مین کیونکر تہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا تو اجالا نہ رہے گا

کیا کرے گی جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی
کیسے مجھے ہر بات مین یاد آؤ گے بھائی
تشریف خدا جانے کب لاؤ گے بھائی
کی دیر تو جیتا نہ ہمین پاؤ گے بھائی

کیا دم کا بھروسہ کہ چراغ سحری ہین
تم آج مسافر ہو تو ہم کل سفری ہین

ہان سچ ہے کہ بیمار کا بستر نہین جانا
صحت سے جو ہین اُن مین کہان سر اٹھانا

بھیا جو اب آنا تو مری قبر پہ آنا
ہم گور کی منزل کی طرف ہونگے روانا

کیا لطف کسی کو نہین گرچہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے تو یہ راہ ہماری

ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا نے زبان
گھبرا کے نہ اب تن سے نکلجائے مری جان
بے کس مری بچی ترا اللہ نگہبان
صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنون سے ہوتے نہین بیٹا
کنبہ کے لئے جان کو کھوتے نہین بیٹا

مین صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری
اصغر مرا روتا ہے صدا سن کے تمہاری
وہ کانپتے ہاتھون کو اٹھا کر یہ پکاری
آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہین سکتی
تپ ہے تمہین چھاتی سے بہن لپٹا نہین سکتی
جو دل مین ہے لب پر وہ سخن لا نہین سکتی
رکھ لون تمہین اماں کو بھی سمجھا نہین سکتی

بے کس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے
تم ہو سو تمہین طاقت گفتار نہین ہے

معصوم نے جبدم یہ سنی درد کی گفتار
صغرا کی طرف ہاتھون کو لٹکا دیا اک بار
لے لے کے بلائین یہ لگی کہنے وہ بیمار
جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار

دنیا سے کوئی دن مین گذر جائیگی صغرا
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغرا

مثال ۲- انھی واقعات کو ایک اور موقع پر لکھا ہے ؎

باتین یہ ابھی تھین کہ شہ بحر و بر آئے
دیکھا رخِ ہمشیر کو اور اشک بہائے

مان بیٹھی تھی صغرا کو جو چھاتی سے لگائے
روتے ہوئے تشریف شہ دین وہین لائے

بیٹی شہ ذیجاہ کی تعظیم کو اُٹھی
بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اُٹھی

جلد اُسکے قریب آکے یہ کہنے لگے حضرت
بیٹھو کہ ابھی اُٹھنے کی تم مین نہین طاقت

اک ضعف کی تصویر ہو ایسی ہے نقاہت
کیون رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت

تپ مین جو کراہی تھین تو گھبرائے تھے صغرا
بیہوش تھین تم شب کو بھی ہم آئے تھے صغرا

صحت دے تمہین حق ہی بابا کی دعا ہے
اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے

اب بادیہ پیمائی ہے ایذا ہے بلا ہے
کیا جانئے شبیر کی تقدیر مین کیا ہے

دل جلتا ہے جب تپ مین تمہین پاتا ہون صغرا
اس رنج سے مین اور گھلا جاتا ہون صغرا

ایسا سفرِ صعب اور اس طرح کا بیمار
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہین راہ مین آزار

کیا نرگسی آنکھون سے نقاہت ہے نمودار
سب زرد ہے از مانِ حرارت سے تن زار

چہرے پہ کسی روز بحالی نہین پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہین پاتا

دم چڑھتا ہے بستر سے اُٹھاتی ہو اگر سر
بی بی کو محل مین چڑھا جائے گا کیونکر

گھر مین تمہین پانی کی بھڑک رہتی ہے دن بھر
پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسر ✦

تم جانے کے قابل نہین مین رہ نہین سکتا
شب ہے وہ تشویش کہ کچھ کہہ نہین سکتا

گھر مین تمہین چھوڑون یہ نہین دل کو گوارا
بچون مین کوئی تمسے زیادہ نہین پیارا

لیجاؤن تو بچنا نہین ممکن ہے تمہارا
مجبور ہون بے ہجر نہین اب کوئی چارا

فرقت مین سدا نالۂ و فریاد کرون گا
اُترون گا جو منزل پہ تمہین یاد کرون گا

صغرا نے کہا آپ کی الفت کے مین قربان
صدقے گئی صحت کا بھی ہو جائیگا سامان

پھر کس کو ہو گر آپ کو لونڈی کا نہ ہو ہیان
مولا کی توجہ سے ہر اک درد کا درمان

جس پر نظر لطف مسیح دوسرا ہو
برسون کا ہو بیمار تو اک دم مین شفا ہو

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
تپ کی بھی ہے شدت مین کئی روز سے خفت

بستر سے مین خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہون حضرت
پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے مُنہ کا بھی مزا تلخ نہین ہے

کیون روتے ہو بابا یہ تردد کی نہین جا
سب سہل ہے کچھ مجھکو نہین ہونے کی ایذا

پہلے سے کہے دیتی ہون دیتی ہون اسے ڈالا
مین خانہ ویران مین نہین رہنے کی تنہا

اب روح مرے جسم مین گھبراتی ہے بابا
ان باتون سے کچھ بوئے فراق آتی ہے بابا

مرجاؤنگی بچھڑی جو مسیح دوسرا سے
صحت مجھے ہو جائیگی حضرت کی دعا سے

کٹ جائیگا اندوہ سفر فضل خدا سے
بیماری مین جان آئیگی جنگل کی ہوا سے

سب ساتھ ہین روؤنگی نہ غم کھاؤن گی بابا
لپٹی ہوئی محمل مین چلی جاؤن گی بابا

شہ نے کہا تم حال سے میرے نہین آگاہ
آفت کا ہے بی بی یہ سفر خوف کی ہے راہ

مجبور نکلتا ہون مین اس شہر سے واللہ
بیمار ہو کس طرح سے لیجاؤن تمہین آہ

آزار رسیدہ ہون گرفتار بلا ہون
گھر چھوڑ کے جلاوطن کی سرحد مین چلا ہون

وہ صعب پہاڑون کا سفر اور وہ کڑے کوس
ایک ایک قدم رنج والم حسرت وافسوس

دن رات مسافر پہ کبھی دھوپ کبھی اوس
ہوتا نہین جز خار کوئی آکے قدم بوس

آرام کہین راہ مین جانی نہین ملتا
جنگل ہین وہ پر ہول کہ پانی نہین ملتا

تھوڑے ہی دنون ہوئیگی کنبے سے جدائی
پردیس سے آکر تمہین لیجائینگے بھائی

کی مجھسے نہ گر کوفے کی خلقت نے برائی
ممکن ہے کہ مین اور نکرون وعدہ وفائی

خوش ہون گا تم اب دل پہ اگر جبر کروگی
مرجاون گا جب مین تو نہ کیا صبر کروگی

ثابت ہوا صغرا پہ کہ اب ہم رہے گھر مین
بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر مین

اک جوش ہوا آنسوؤن کا دیدۂ تر مین
صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر مین

مشکل اپنی شب ہجر جو دکھلا گئی اُس کو
کانپا یہ تن زار کہ تپ آگئی اُسکو

تھراتی ہوئی اُٹھ کے گری شہ کے قدم پر
کی عرض کہ مرجاؤن گی یا سبط پیمبرؐ
تنہائی مین بابا مرا دل پہلے گا کیونکر
سب بیٹیان ہین کیا مین نہین آپکی دختر

بے آپکے اس گھر مین نہ یا شاہ رہون گی
اچھا مین کنیزون ہی کے ہمراہ رہون گی

سب رونے لگے سُنکے یہ بیمار کی تقریر
چلائی سکینہؑ کہ مین صدقے مری ہمشیر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے حضرت شبیرؑ
تم بیٹی کو سمجھاؤ کچھ اے بانوئے دلگیر

کم سن ہین مسافر مجھے تشویش بڑی ہے
دن چڑھتا ہے اور آج کی منزل بھی کڑی ہے

یہ سنتے ہی بس مان کی تو چھاتی اُمنڈ آئی
چلائی وہ ناشاد کہ ہے ہے مری جائی
زینبؑ نے کہا گھر سے نکلتا ہے یہ بھائی
مرجانے سے کچھ کم نہین صغرا کی جدائی

گھر لٹتا ہے کس طرح قیامت نہ بپا ہو
پہلا ہے یہ غم آگے خدا جانے کیا ہو

آغاز سفر مین تو یہ ماتم ہے یہ کہرام
کیا دیکھین دکھاتا ہے اس آغاز کا انجام
جنگل ہو کہ بستی ہو کہان راحت و آرام
مان روئے گی بیٹی سے بچھڑ کر سحر و شام

بستی بھی ہے جنگل جو کلیجہ نہو بر مین
بھولے گی وہ چھوڑینگے اکیلا جسے گھر مین

صغرا نے کہا آپ کی باتون کے مین قربان
تم جان بچا لو کہ مین لونڈی ہون پھوپھی جان
بیٹی ہو علیؑ کی مری مشکل کرو آسان
جیتی رہی صغرا تو نہ ہوئے گی یہ احسان

کچھ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین

اماں تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

پیاری رہین جو دو بیٹیان وہ جائین گی ہمراہ
کیا انس کہ مین گور کنارے بھی تو ہون آہ

بابا کو نہ اماں کو نہ بہنون کو مری چاہ
سب جیتے رہین خیر ہمارا بھی ہے اللہ

بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کرین گے
مین قبر مین جب ہونگی تو سب یاد کرینگے

کیا خلق مین لوگو کوئی ہوتا نہین بیمار
ہے کونسی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار

زندہ ہون پہ مردے کی طرح ہو گئی دشوار
کیون بھاگتے ہین سب مجھے ہے کونسا آزار

حیرت مین ہون باعث مجھے کہتا نہین اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہون جس کا

تپ کیا مجھے آئی کہ پیام اجل آیا
ہے ہے مری راحت کی بنا مین خلل آیا

چھوڑا مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا
کیا خوب مرے نخل تمنا مین پھل آیا

دل سخت کیا مان نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ زمانے مین نہین کوئی کسیکا

وہ چاہنے والا ہے مصیبت مین جو کام آئے
مین سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہوا ہائے

اس راہ مین ہمراہ کنیزین تو ہون اے وائے
کہنے کی جو ہو چاہنے والی وہی رہ جائے

بیماری مرمن مین دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی مین رونے سے اتر جائیگی یہ تپ
ہان درد بھی سر مین مرے ہوگا نہین اب

تڑپونگی تو جائیگی یہ اعضا شکنی سب
بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب

کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن مین +
غم کھانے سے آجائیگی طاقت مرے تن مین

تنہائی مین شدت بھی نہوگی خفقان کی
بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکان کی
تڑپونگی نہ فرقت مین امام دوجہان کی
شفقت مجھے باد آئے گی بہنون کی زبان کی

فرقت مین مری طرح جگر کس سے سنبھلتا
مین گھر مین نہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا

سب چاہنے والے ہین کرون کسکی شکایت
بابا کی یہ تقدیر ہے بہنونکی یہ صورت
چھوڑا ہمین بس دیکھ لی اماں کی محبت
بولین نہ پھوپھی جان بھی کچھ واہ ری قسمت

فرقت کا الم مرے کلیجہ کو چھری ہے
سب اچھے ہین لوگو مری تقدیر بری ہے

عاشق مرے مشہور ہین بیتاب کے مین واری
دو دن سے خبر بھی نہین لی آکے ہماری
قاسم کو غرض کیا جو سنین گریہ و زاری
مین کون؟ سکینہ ہے چچا جان کو پیاری

اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہین ہے
مٹی مری کچھ قبر کو دشوار نہین ہے

اُسوقت محبت مری ہوجائے گی حالی
جب راہ مین خط پڑھ کے کہین گے شہ عالی
لو مرگئی کہنے کی جو تھی چاہنے والی +
آباد جو حجرہ تھا وہ اب ہوگیا خالی

قسمت نے سنائی خبر مرگ سفر مین
وہ قبر مین سوئی جسے چھوڑ آئے تھے گھر مین

پھر ہم نہین ملنے کے کوئی لاکھ ہو جویا
سب رو کے کہین گے کہ اُسے ہاتھ سے کھویا

عالم سے وہ بیگانہ ہے جو قبر مین سویا
کیا نفع اُسے کوئی گڑھا یا کوئی رویا

پرسے کے لئے جمع ہوے لوگ تو پھر کیا
پردیس مین کنبے نے رکھا سوگ تو پھر کیا

یان ذکر یہ تھا آئے جو روتے ہوئے اکبرؑ
سرخ آنکھین تھین اور زرد تھا غم سے رخ انور
چلائی بہن بھائی کی چھاتی سے لپٹ کر
اس سینے کے ان ہاتھونکے قربان یہ خواہر

فریاد ہے بے موت بہن مرتی ہے بھائی
تقدیر ہمین تمسے جدا کرتی ہے بھائی

بھیا مری تنہائی پہ آنسو نہ بہاؤ
وہ دن ہون کہ پھر خیر سے اس شہر مین آؤ
ہرچند یہ مشکل ہے کہ جیتا ہمین پاؤ
صدقے گئی پھر آنے کا وعدہ کئے جاؤ

عرصہ ہو تو خط لکھ کے طلب کیجیو بھائی
اب بیاہ مین مجھکو نہ بھلا دیجیو بھائی

رونے کا ادھر غل تھا کہ فضہ یہ پکاری
تیار ہے ناموس محمدؐ کی سواری
دروازے کے نزدیک ہے زینبؑ کی عماری
کیا دیر ہے اب آئے یداللہ کی پیاری

ہر بار قناتون کے قریب آتے ہین عباسؑ
اب جلد سواری ہو یہ فرماتے ہین عباسؑ

شبیرؑ نے رو کر کہا لو جاتے ہین صغراؑ
جلد آتے ہین یا خود تمھین بلواتے ہین صغراؑ
ہم سب تری تنہائی کا غم کھاتے ہین صغراؑ
جان اپنی نہ کھونا تمھین سمجھاتے ہین صغراؑ

قربان پدر آب و غذا ترک نہ کیجیو
بڑھ جائے گا آزار دوا ترک نہ کیجیو

بیٹی سے یہ فرما کے چلے قبلۂ عالم
ناموس محمدؐ بھی چلے ساتھ بصد غم

صغراؑ بھی چلی جاتی تھی روتی ہوئی باہم
ہمسائیان باندھے ہوئے تھین حلقۂ ماتم

راحت تھی جو سب کو شہ ذیجاہ کے دم سے
اک پیٹتی تھی ایک لپٹتی تھی قدم سے

ظل تماشہ ابرار خدا حافظ و ناصر
رانڈون کے مددگار خدا حافظ و ناصر

اے خلق کے سردار خدا حافظ و ناصر
محتاجون کے غمخوار خدا حافظ و ناصر

دکھ فاقون کی غربت کے الم کس سے کہینگے
مشکل کوئی اب ہوگی تو ہم کس سے کہینگے

صغراؑ کو نقاہت سے نہ تھی طاقتِ رفتار
اُٹھی کئی بار اور گری در پہ کئی بار

جس ناقے پہ تھی بانوے ناشاد دل افگار
اُس ناقے کے پاس آکے یہ چلائی وہ بیمار

قربان گئی آخری دیدار دکھا دو
امان مجھے اصغرؑ کو پھر اک بار دکھا دو

مضطر ہوئی سنکر یہ سخن بانوے بے پر
پردے سے جگر بند کا منہ کر دیا باہر

بیٹی سے کہا دست پسر ماتھے پہ رکھکر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہین اصغرؑ

منہ زرد ہے رخسارون پہ آنسو بھی بہے ہین
یہ نرگسی آنکھون سے تمہین دیکھ رہے ہین

تھراتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر وہ پکاری
اس ماہ کے اس چاند سے اتنی کیون یاری

آخر کوئی دن مین ہے بس اب موت ہماری
بھیا نہین جینے کی مین فرقت مین تمھاری

جب آکے پھر اس جھولے کو آباد کروگے

تم بھی مری گودی کو بہت یاد کروگے

عباسؑ سے شہ نے کہا اے ثانی حیدر
مرجائیگی اب فاطمہ صغرا مری دختر

حمالون سے کہدو کہ بڑھین اونٹون کو لیکر
اسواریون کے ساتھ رہین قاسم و اکبرؑ

احباب جو روتے ہین تو غم کھاتے ہین ہم بھی
سب شہر کے ناکے پہ تھمین آتے ہین ہم بھی

مثال ۳ - حضرت علی اکبرؑ کی رخصت اور باپ مان کی حالت

موسونمرنے کو ہمشکل نبیؐ جاتا ہے
دولت بانوؑ سے بیکس پہ زوال آتا ہے

کیا الم ہے کہ جگر سینے مین تھراتا ہے
داغ بیٹے کا فلک باپ کو دکھلاتا ہے

مان تڑپتی ہے شہ جن و بشر روتے ہین
کس جوان بیٹے سے مان باپ جدا ہوتے ہین

بیٹا کیا جاتا ہے ہوتا ہے بھرا گھر برباد
ہوتی ہے دولت فرزند پیمبرؐ برباد

کرتے ہین اپنی جوانی علی اکبرؑ برباد
جان کھوتا ہے پدر ہوتی ہے مادر برباد

داغ اولاد ہے یان صبر کا مقدور نہین
پہلے فرزند سے مرجائین تو کچھ دور نہین

ایسا بیٹا جسے اٹھارہ برس پالا ہے
گھر سے جاتا ہے وہی گھر کا جو اوجالا ہے

تفرقہ چرخ ستمگر نے عجب ڈالا ہے
کیا کرین صبر کلیجہ بھی تہ و بالا ہے

دل کی بیتابی ہر اک آن سوا ہوتی ہے
روح مان باپ کے قالب سے جدا ہوتی ہے

داغ اولاد نہین آہ اٹھایا جاتا
ایسا بیٹا نہین ہاتھون سے گنوایا جاتا

درد وہ ہے کہ زبان پر نہین لایا جاتا
زخم وہ ہے کہ جگر پر نہین کہایا جاتا

داغ فرزند حسینؑ ابن علیؑ سے پوچھو
نوجوان بیٹے کا غم باپ کے جی سے پوچھو

سوچین سب صاحب اولاد کیا مشکل ہے
پہلے فرزند سے بابا کا جگر گھائل ہے

تا کجا صبر کہ مان باپ کا آخر دل ہے
زخم اکبرؑ نے نہین کہائے پہ مان بسمل ہے

پار جب سینے سے برچھی کی انی ہووے گی
کیا غضب ہووے گا کیا سینہ زنی ہووے گی

باندھتا ہے وہ کمر اور کمر شاہ ہے خم
شان سے شانے پہ رکھتا ہی کمان وہ ضیغم

تیغ سجتا ہے پسر باپ کے دم مین نہین دم
تیر غم لگتے ہین مادر کے جگر پر پیہم

تن پہ چار آئینہ سجنے کا وہان سامان ہے
چار پارا ہے جگر مان کا پدر حیران ہے

واقعی دولت اولاد عجب دولت ہے
نوجوان بیٹے کا مرنا بھی بڑی آفت ہے

اُسکو راحت ہے تو مان باپ کو بھی راحت ہے
زندگی تلخ ہے پھر جینے کی کیا لذت ہے

اُسکا دل دیکھو چھٹے باپ سے جس کا بیٹا
اور بیٹا بھی تو ہمشکل نبیؐ سا بیٹا

ہین مسین بیگمی اٹھارہ برس کا ہے سن
رنج مین کاٹی ہین دکھ درد کی راتین گن گن

منتین مانی ہین مادر نے مرادون کے ہین دن
پالنے والی کو چین آئے گا کیونکر اُس بن

مان کو حسرت ہے دلہن بیاہ کے گھر لانے کی
فکریان عین جوانی مین ہے مر جانے کی

ماں کو منظور ہے جاوے نہ کہیں نوز نظر
اور فرزند کو درپیش ہے دنیا سے سفر

باپ کو غم ہے کہ چھٹتا ہے برابر کا پسر
سیدھی ہو سکتی نہیں خم ہوی جاتی ہے کمر

بھائی کے واسطے قاسمؑ کی دلہن روتی ہے
پکڑے دامانِ قبا چھوٹی بہن روتی ہے

رن کو جانے کیلئے بانوؑ کے جاتے ہیں کھڑے
شوق ہے جنگ کا ہتھیار لگائے ہیں کھڑے

ہاتھ جوڑے ہوئے گردن کو جھکائے ہیں کھڑے
ماں سے مرنے کیلئے آنکھ چرائے ہیں کھڑے

شاہ خاموش ہیں پر بول نہیں سکتے ہیں
کبھی بانوؑ کا کبھی بیٹے کا منہ تکتے ہیں

دل سے فرماتے ہیں یہ دیکھیے اب ہوتا ہے کیا
بانوؑ دیتی ہے کہ بیٹے کو نہیں دیتی رضا

صبر کی جا نہیں ہوتا ہے پسر ماں سے جدا
اب خدا خیر کرے ہے یہی مر جانے کی جا

جسم کانپے گا فلق ہو گا غش آجائے گا
حرفِ رخصت کا نہ بانوؑ سے سنا جائے گا

بانوؑ کہتی ہے کہ کیا کہتے ہیں اکبرؑ بادشاہ
انکے جو دل میں ہے کچھ آپ ہیں اس سے آگاہ

دیکھتی ہوں میں کہ حضرت کی بھی حالت ہے تباہ
ماجرا کیا ہے یہ کچھ مجھ سے تو کہیے للہ

منہ سے کچھ کہتے نہیں پاسِ ادب کرتے ہیں
کون سی چیز ہے جو ماں سے طلب کرتے ہیں

شاہ فرماتے ہیں بانوؑ سے کہ اے نیک نہاد
رازداں ہوتی ہے ماں بیٹے کی بابا سے زیاد

پوچھو اکبرؑ سے کہیں گے جو کچھ انکی ہے مراد
حق نہ ماں باپ کو دکھلائے فراقِ اولاد

تھا مقدر میں کہ سب ہو دیں جدا ہم دیکھیں

اب بھی اُٹھ جائین جہان سے تو نہ یہ غم دیکھین

سُنکے یہ باتون فرزند سے پوچھا رو رو
کیا کہا چاہتے ہو مان سے تو اے لال کہو

ہاتھ کیون جوڑے ہو ان ہاتھونکے ان صدقہ ہو
کہا اکبر نے رضا مرنے کی اماں ہمین دو

صبر فرماؤ کہ اب تم سے جدا ہون گے ہم
دودھ بخشو ہمین بابا پہ فدا ہون گے ہم

یہ سخن سنتے ہی فرزند سے مان ہوگئی زرد
دھیان آیا کہ چلا ہائے پسر بہر نبرد

مردنی چھا گئی چہرے پہ اُٹھا دل مین درد
دیکھ مُنہ بیٹے کا کہنے لگی بھر کر دم سرد

تم سے بچھڑون گی تو واری مین کدھر جاؤنگی
پھر نہ رخصت کا سخن کہنا کہ مر جاؤن گی

کہا اکبر نے کہ بہتر ہے نہ دیجے رخصت
خیر مرنے کو نہ جاوین گے نہ کیجے رخصت

میرے بابا سے ہوئے بھائی بھتیجے رخصت
مجکو بھی دھیان یہ تھا آپ سے لیجے رخصت

مان سے فرزند کو تکرار کا یارا کیا ہے
تابع حکم ہین ہم زور ہمارا کیا ہے

سب نے قربان کئے زہرا کے پسر پر فرزند
کٹ گئے تیغون سے کس کس کے جگر کے پیوند

مین نے چاہا تھا کہ ہو آپ کا بھی نام بلند
پر تعجب ہے کہ آئی نہ مری عرض پسند

آپ کہتی ہین بچاؤ تو بچا دین گے ہم
اپنے ہمچشمون کو پھر مُنہ نہ دکھاوین گے ہم

جائیے گا سوے یثرب تو بچائے گا غلام
کام بابا کے نہ آئے تو وطن سے کیا کام

خیمے کے لوٹنے کو آئے گا جب لشکر شام
قید ہم ہون گے کہ لڑنے کا ہی ہے ہنگام

آیرو پاتے جو سر تیغ سے کٹواتے ہم
طوق و زنجیر کی ایذا سے بھی چھٹ جاتے ہم

آج جو مرتے تو داخل شہدا مین ہوتے
پائیتی باپ کے آرام سے رن مین سوتے
لاش پر کہتے ملک ہائے علیؑ کے پوتے
حشر تک ہم کو عزادار جہان مین روتے

جو ہے منظور ہمین آپ کو منظور نہین
اب بھی فرماؤ تو میدان وغا دور نہین

بولی مان ہو گئے آزردہ مین واری بیٹا
گلہ آمیز یہ باتین ہین تمھاری بیٹا
باپ پیارا ہے تمھین مان نہین پیاری بیٹا
دھیان اپنا ہے نہین فکر ہماری بیٹا

پھلو بابا کا تو آباد کیا چاہتے ہو
پالنے والی کو برباد کیا چاہتے ہو

علی اکبر میری محنت کی طرف دھیان کرو
اماں واری مری بستی کو نہ ویران کرو
چھوڑ کر مان کو نہ تم کوچ کا سامان کرو
پھر فدا ہو جیو پہلے مجھے قربان کرو

مرے جیتے نہ قدم گھر سے نکالو بیٹا
اپنی مادر کا جنازہ تو اٹھا لو بیٹا

مان کی تقریر سے مایوس ہوئے جب اکبرؑ
اشک آنکھون سے بہے چاند سے رخسار پہ
رکھدی تلوار لگے کھولنے ہاتھون سے کمر
بانو گھبرا گئی ٹکڑے ہوا زینبؑ کا جگر

لے کے بیٹے کی بلائین کہا کیون روتے ہو
لو نہ روکونگی مین کاہے کو خفا ہوتے ہو

رو کے کہنے لگے بیٹے سے امام خوشخو
مان تو دیتی ہے رضا مرنے کی آزردہ نہو

پھر کہا بانو سے اب مرنے کی رخصت انہین دو
تمہا مقدر مین یہی صبر کرو شکر کرو

یہ دعا مانگو کہ تڑپے نہ کلیجا میرا
آزماتا ہے مرے صبر کو مولا میرا

تمنے اٹھارہ برس کھینچے ہین گو رنج و تعب
بانو پر خواہشِ تقدیر سے ناچار ہین سب
اس کا مین کون ہون تم کون ہو جو مرضی رب
زور کیا؟ جسکی امانت تھی وہ کرتا ہے طلب

اب نہین جینے کے عمر اتنی ہی یہ لائے تھے
خلق مین داغ دکھانے کو ہمین آئے تھے

شہ نے سمجھایا تو بانو نے کہا یہ رو کر
کیون کمر کھولتے ہو غصے سے صدقے اور
ماں سے چلتے ہوئے آزردہ نجاؤ اکبر
خیر جو مرضی ہے اچھا کرو دنیا سے سفر

اب تو راضی ہوئے مادر سے ہین واری بیٹا
آگے آؤ کہ بلائین لون تمھاری بیٹا

سنکے ماں سے یہ سخن قدمون پہ فرزند گرا
عرض کی آپ سے روٹھون مرا مقدر ہے کیا
ماں نے چھاتی سے لگا کر کہا صدقے بیٹا
جاؤ رخصت بھی کیا دودھ بھی تمکو بخشا

غم نہ کھانا کہ یہ ماں رو رو کے مرجائے گی
ساتھ دو باپ کا ماں کی بھی گذر جائیگی

کہکے یہ روئی جوان بیٹے کو چھاتی سے لگا
غل ہوا بانو نے دی مرنے کی اکبر کو رضا
خاک پر سید سجاد نے سر دے پٹکا
رو کے چلانے لگین بہنین کہ ہے ہے بھیا

کچھ زبان سے علی اصغر جو نہ کہہ سکتا تھا
جھولے سے رو رو کے بھائی کی طرف تکتا تھا

کہتی تھی پیٹ کے سر زینبِ مضطر ہے ہے
نوجوان مرنے چلا بھائی کا دلبر ہے ہے
بانو لوٹی گئی برباد ہوا گھر ہے ہے
ہمسے پردیس مین چھوٹے علی اکبر ہے ہے

پاس کوئی نہین تنہا شہ مظلوم ہوئے
ہائے نانا کی زیارت سے بھی محروم ہوئے

چھوڑ کر روتا انھین خیمے سے اکبر نکلے
پیچھے فرزند کے روتے ہوئے سرور نکلے
پر عجب حال سے ہمشکل پیمبر نکلے
مڑ کے تکتے تھے کہ خیمے سے نہ مادر نکلے

مان کے رونے کی جو کانون مین صدا آتی تھی
ٹکڑے ہوتا تھا جگر چھاتی پھٹی جاتی تھی

در پہ موجود سواری کو جو تھا اسپ عقاب
جوڑ کر ہاتھ کہا شاہ سے با چشم پُر آب
فدوی اسوار ہو لیجائین جو تشریف جناب
بولے شہ تم چڑھو گھوڑے پہ مین نامونگار کا ب

باپ نے پاؤن کو گر ہاتھ لگایا تو کیا
کاندھے پر چڑھتے تھے گھوڑے پہ چڑھایا تو کیا

مثال ۴ - حضرت امام زین العابدینؑ اپنے بھائی علی اکبرؑ کو رخصت کر رہے ہین

فضہ سے کہا، کیا ہوا؟ کیسی ہے یہ زاری
سر پیٹ کے وہ خادمہ خاص پکاری
شبیرؑ اکیلے ہین، غضب ہو گیا، واری
اب جاتی ہے رن کو علی اکبرؑ کی سواری

مان خاک اُڑاتی ہے، پھوپی غش مین پڑی ہین
سب بی بیان حلقہ کیے گرد انکے کھڑی ہین

فرمایا عصا لا کہ برادر سے مل آئین
غازی سے مجاہد سے دلاور سے مل آئین
دریائے شہادت کے شناور سے مل آئین
شبیرؑ کے پیارے علی اکبرؑ سے مل آئین

بھائی کا نہین کوچ یہ رخصت ہے نبیؐ کی
ہم آپ چلین گے کہ زیارت ہے نبیؐ کی

فضہ نے عصا دے کے، جو بازو کو سنبھالا
خم ہو گیا تھا، درد کمر سے قد والا

بستر سے اُٹھا کانپ کے وہ گیسوؤن والا
ٹھوکر کے پڑا پاؤن کہین، اور کہین ڈالا

اشک آنکھون سے بہتے تھے، گریبان قبا پر
ہر بار ٹھہر جاتے تھے، سر رکھ کے عصا پر

آواز حزین تھی کہ میری جان برادر
ہم آتے ہین ٹھہرے رہو، اک آن برادر

ہمسار برادر ترے قربان برادر
ذی قدر برادر، میرے ذیشان برادر

بھائی سے بغلگیر تو ہوتے ہوئے جاؤ
ہم روئین تمہین، تم ہمین روتے ہوئے جاؤ

عابدؑ کی طرف دیکھ کے دوڑے علی اکبرؑ
سجادؑ نے فرمایا کلیجے سے لگا کر

آنکھون کو، ہاتھون سے قدمون پہ رکھا سر
گردن مین، میرے ڈال دو باہون کو برادر

شانے کے قرین، زلف معنبر رہے، بھائی
چہرہ میرے چہرہ کے برابر رہے، بھائی

اے روشنی خانۂ زہراؑ ترے صدقے
اے تشنہ لب، اے بیکس و تنہا ترے صدقے

اے باپ کے عاشق، میرے نیدا ترے صدقے
اے رہرو فردوس معلا ترے صدقے

گھر آج اُجڑتا ہے، لٹے جاتے ہین بھائی
ہم قافلہ والون سے چھٹے جاتے ہین بھائی

مثال ۵۔ حضرت امام حسینؑ بہن، بیٹی، اور بیوی سے رخصت ہوتے ہین۔

روتے ہوئے حرم مین گئے قبلۂ نام
ترتھی لہو سے لخت جگر کی قبا تمام
رخ زرد دل مین درد بدن سرد تشنہ کام
طاقت نہ قلب مین نہ بدن مین لہو کا نام

یہ درد تھا بکا مین کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
یہ حال تھا کہ روئے پہ دشمن بھی روتے تھے

پیارے نہ تھے حسینؑ علیہ السلام کے
لائی حرم سرا مین بن ہاتھ تھام کے
تھرا رہے تھے پاؤن شہ تشنہ کام کے
سر دوش پر تھا زینبؑ عالی مقام کے

فرماتے تھے بن علی اکبرؑ گذر گئے
ہم ایسے سخت جان تھے کہ ابتک نہ مر گئے

برسا تمہین شہید کا دینے کو آئے ہین
کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہین
پٹیے ہین خاک اڑائی ہے آنسو بہائے ہین
ہم تمہارے لال کے خون مین نہائے ہین

سر تھا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود مین
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود مین

سر بار دوش ہے ہمین رخصت کرو بہن
اب عنقریب خیمۂ عصمت مین تیغزن
مرے پڑے ہوئے ہین عزیزون کے بے کفن
پامال ہو نہ لاشۂ فرزند صف شکن

محجوب ہم ہین قاسمؑ بے پر کی روح سے
شرمندگی نہ ہو علی اکبرؑ کی روح سے

یہ سنکے بی بیون کے جگر پر چھری چلی
زینبؑ زمین پہ گر کے پکاری کہ یا علیؑ
سر مخفی جہان کے ہین سب آپ پر جلی
جاتا ہے سر کشون مین یہ کونین کا ولی

بیکس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا

آقا یہی تو وقت ہے مشکلکشائی کا

صدقے گئی پسر کے بچانے مین کد کرو
دریا کو چیر لو حق زہرا سند کرو

فرزند فاطمہ کی بلاؤن کو رد کرو
یا شیر حق مقام مدد ہے مدد کرو

پانی پہ جنگ آگ لگی ہے یہ دھر مین
حصہ پسر کا کیا نہین مادر کے مہر مین

یا مصطفے بلا مین پھنسا ہے تمہارا لال
یا شیر ذوالجلال دکھاؤ انہین جلال

یا فاطمہ مین لٹتی ہون بکھراؤ سر کے بال
یارب الٹ دے آج یہ سب عرصۂ قتال

پھر کیا کسی سے کام ہے سب سے جدا رہون
بھائی کو اپنے لے کے مین جنگل مین جا رہون

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیے تمہین
خالق کی یاد سر و علن[1] چاہیے تمہین

لب پر رضا رضا کا سخن چاہیے تمہین
جو مان کا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمہین

ہر بار پوچھتے تھے سبب آہ سرد کا
شکوہ کیا علی سے نہ پہلو کے درد کا

یہ سچ کہ تمکو مجھ سے محبت ہے اے بہن
کیا کیجیے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن

پیارے تمہارے بھائی کی رخصت ہے اے بہن
دنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن

بھولے نہ یاد حق کبھی گو حال غیر ہو
اُسکی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو

دیکھا یہ کہکے بالی سکینہ کو یاس سے
لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردون اساس سے

[1] یعنی پوشیدہ و ظاہر ۱۲

طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے
بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے

کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہ نے ہان سفر ناگزیر ہے
آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے

اب آرزوے قرب خدائے قدیر ہے
تنہا ہین ہم سپاہ مخالف کثیر ہے

طے ہو یہ مرحلہ جو اعانت خدا کرے
جسکا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

سُنکر مصیبت پدر بیکس و حزین
بولی بلائین باپ کی لیکر وہ مہ جبین

نکلو بلا کے بن سے کہین یا امام دین
آقا ہو حضور کے میرا کوئی نہین

صدقے گئی مدینے چلو یا نجف چلو
للہ ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو

شہ نے کہا کہ بند ہین راہین پدر نثار
پیدل نکلنے پاتا ہے نا کون سے نہ سوار

پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوج نابکار
اس دشت کین ہین قید ہی احمد کا یادگار

قاصد جو میرے نام کا خط لیکے آتے ہین
سر کاٹ کر درختون مین لٹکائے جاتے ہین

عمو تمہارے چھوڑ گئے ہمکو جان لب
تلوارین چل گئین بنے قاسم پہ بے سبب

بی بی قدم پہ گر کے رہین کون روکے اب؟
مرنا شباب مین علی اکبر کا ہے غضب

تھے جتنے زندگی کے حلاوت وہ چھٹ گئے
دو تین گھر بھرے ہوئے اکدم مین لٹ گئے

بی بی یہان سے اہل وطن ہین قریب تر
پر میری بیکسی کی نہین ایک کو خبر

بھیجے ہین شیعیان یمن نے بھی نامہ بر
لیکن حسینؑ تک نہوا ایک کا گذر

قریون سے بھی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا
لشکر بنی اسد کا قریب آکے پھر گیا

گھیرا ہے اس لئے مجھے اس بن مین بیکسی
تا مجھ تک آسکے نہ کوئی میرا خیر خواہ

نہ دوست نہ عزیز نہ غمخوار نہ سپاہ
ہمراہی سب عدم مین وطن دور گھر تباہ

مجھسا بھی کوئی بے کس و بے پر بشر نہو
مر کر نہ دفن ہون تو کسیکو خبر نہو

جانا ہے دور شب کو جو آنا نہوا دھر
ضد کرکے روئیو نہ ہمین چھاتی ہو گر

پہلے پہل ہے آج شب فرقت پدر
سو رہیو مان کی چھاتی پہ غربت سے رکھکے سر

راحت کے دن گذر گئے یہ فصل اور ہے
اب یون بسر کرو جو یتیمون کا طور ہے

ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام
بتلائیے مجھے کہ یتیمی ہے کسکا نام

آنکھون سے خون بہا کے یہ کہنے لگے امام
کھل جائیگا یہ درد والم تم پہ تا بہ شام

بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

بندے اُتارو طوق بڑھاؤ پدر نثار
چھپنا کہین جو لوٹنے آئین ستم شعار

چلائیو نہ این ابی کہہ کے بار بار
دشمن ہمارے نام کا ہے شہر نابکار

لو الوداع جاتے ہین اب قتل گاہ مین

سونپا تمھین خدا و نبیؐ کی پناہ مین

یہ کہہ کے پیاری بیٹی سے دیکھا ادھر اُدھر
پوچھا کہ ہر ہین بانوے ناشاد نوحہ گر

فضہ نے عرض کی کہ اُدھر بیٹھتی ہین سر
رخصت کی ہی حضور کے اُنکو نہین خبر

لب پر گھڑی گھڑی علی اکبرؑ کا نام ہے
چلیے ذرا کہ کام اب اُن کا تمام ہے

رکھی تھی لاکے لاش پسر آپنے جہان
مُنہ اُس زمین پہ ملتی ہین اور ہر لبون پہ جان

کرتی ہین اُٹھ کے آہ تو ہلتا ہے آسمان
نعرہ یہ ہے کہ ہائے علی اکبر جوان

واری گئے نہ قبر مین اماں کو گاڑ کے
جنگل بسا دیا مری بستی اُجاڑ کے

روتے ہوئے وہان جو گئے شاہِ خوشخصال
دیکھا کہ غش ہین خاک پہ بکھرے ہوئے ہین بال

شبیرؑ بیٹھ کر یہ پکارے بصد ملال
اے شہر بانو ہوش مین آؤ یہ کیا ہے حال

سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دکھ دکھائے ہین
صاحب اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہین

سُنکر صدا حسینؑ کی چونکی وہ نوحہ گر
کی عرض سر جھکا کے قدم پر بچشم تر

تنہا حضور آئے ہین باندھے ہوئے کمر
صاحب کہان ہے منتون والا مرا پسر

ایسے نہین وہ دُکھ مین جدا ہون جو باپ سے
اپنے مرادون والے کو مین لونگی آپ سے

اے جانِ فاطمہؑ مرا پیارا کہان گیا
اماں کی زندگی کا سہارا کہان گیا

وہ تین دن کے پیاس کا مارا کہان گیا
سیدانیون کی آنکھون کا تارا کہان گیا

مرتی ہون اپنے سروسہی قدکو دیکھ لون
اِک بار پھر شبیہ محمدؐ کو دیکھ لون

وہ گورا گورا چاندسا مکھڑا دکھائین پھر
مجھکو تو خیر سے غرض ہے نہ آئین پھر

لے لون مین گیسوؤن کی بلائین تو جائین پھر
خوشبو مین تن کی سونگھ لون جنگل بسائین پھر

تڑپے گا دل تو لے کے اجازت حضور سے
مین دیکھ لون گی در پہ کھڑی ہو کے دور سے

بیخود تھی مین جب آئے تھے میدان سے وہ ادھر
سنبھلا ذرا جو دل تو بھڑکنے لگا جگر

کیا دیکھتی مجھے تو کچھ آتا نہ تھا نظر
کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہین خبر

آئے تو چپکے آئے گئے بے ملے ہوئے
باتین نہ پیار کی ہوئین نہ کچھ گلے ہوئے

گر ہین خفا تو آئین مین اُٹھ کر نثار ہون
دائی ہون اُنکی آپ کی خدمت گذار ہون

اُنکی خطا نہین ہے مین تقصیر وار ہون
اب رحم کیجیے کہ بہت بیقرار ہون

تکلیف گرچہ ہوگی شہ مشرقین کو
لے آیئے منا کے مرے نور عین کو

باتین یہ سُنکے کہنے لگے شاہ بحر و بر
یا نور کسے بُلاؤن کہان ہے وہ سیمبر؟

یارب جدا نہو کسی ماں سے جوان پسر
ہمشکل مصطفےٰ تو گئے فاطمہؑ کے گھر

ہر دکھ مین صبر کرتے ہین جو حق شناس ہین
جس نے تمہین دیا تھا وہ اب اُسکے پاس ہین

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آگئی اُنہین
ہے ہے منافقون کی نظر کھا گئی اُنہین

مخفی بہت کیا یہ اجل پاگئی اُنہین
صحرائے کربلا کی فضا بھا گئی اُنہین

زندہ نہوگا لال اگر مر بھی جاؤ گی
اب تو کوئی گھڑی مین ہین بھی پاؤ گی

جاتے ہین ہم وہین کہ جہان ہے وہ لالہ فام
دے دو جواب اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام
سُنکر یہ ذکر ہوش مین آئی وہ تشنہ کام
سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام

خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا طور ہے
بستی اُجڑ کے تخت اُلٹنے کا طور ہے

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دلفگار
اے ابن فاطمہ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئین ستم شعار
بیٹھے کہان یہ بیکس و غمگین و سوگوار

کچھ حق مین اس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جائیے

مین وہ ہون جو کہ قید مین آئی تھی یا امام
مشہور ہون کنیز امام فلک مقام
پاس آپکے ہے نانا کا اے قبلۂ انام
گر قید ہوگئی تو کہین گے یہ خاص و عام

بندی چلی ہے شام کو آل رسولؐ کی
دیکھو یہی بہو ہے علیؑ و بتولؑ کی

فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال
زہراؑ کی بیٹیون کی رہو تم شریک حال
زینبؑ کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دو نو لال
صاحب تمہارے ساتھ ہے عابدؑ سا نونہال

بے وارثون کا وارث و والی الٰہ ہے
دیکھو ڈگے نہ پاؤن کہ مشکل کی راہ ہے

لو الوداع لاش پہ اب آکے روئیو
لیکن نہ خاک اُڑا کے نہ چلّا کے روئیو
زانو پہ سر کو شرم سے نہوڑا کے روئیو
قبرِ رسولؐ پاک پہ ہان جا کے روئیو

لُٹنے مین صبر شکر تباہی مین چاہیے
رونا بشر کو خوفِ الٰہی مین چاہیے

مثال ۵، حضرت امام حسین علیہ السلام، اپنے بھائی عباسؑ کے مرنے کی خبر سنکر رزمگاہ مین جاتے ہین

دریا پہ سر برہنہ، شہ بحر و بر چلے
صدمہ یہ تھا کہ ہاتون سے تھامے کمر چلے
اکبرؑ سنبھالے باپ کو با چشمِ تر چلے
یہ بھی اُدھر چلے، شہ والا جدھر چلے

صدمہ ہے، ضربِ غم سے دل پاش پاش پر
رونے کو بھائی جاتا ہے، بھائی کی لاش پر

صورت یہ شاہ کی ہے کہ زلفون پہ خاک ہے
آلودۂ غبارِ الم روئے پاک ہے
سوکھے لبون پہ نالۂ روحی فداک ہے
اور تا کمر قبا کا گریبان چاک ہے

دستِ یسار بیٹے کے گردن مین ڈالے ہین
شہ کو جھکے ہوئے علی اکبرؑ سنبھالے ہین

جب پاؤن کانپتے تھے تو کہتے تھے رو کے شاہ
طاقت بدن کی لے گئے عباسؑ آہ آہ
دریا نہ اتنا دور تھا اے میرے رشکِ ماہ
رستہ غلط کیا ہے کہ کچھ بڑھ گئی ہے راہ

ہے دور یان سے یا مرا بھائی قریب ہے
کہتے ہین، وہ "حضور! ترائی قریب ہے"

القصہ لائے باپ کو اکبرؑ ترائی مین
زخمی ملا وہ شیرِ دلاور ترائی مین
پائی جو بوئے خون برادر ترائی مین
لاشے کے پاس گر پڑے سرور ترائی مین

گذری تھی عمر ہاتھ جسے جوڑتے ہوئے
دیکھا اُسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے

منہ رکھکے منہ پہ بھائی کے بھائی نے دی صدا
کیون پٹیان پھراتے ہو بھائی یہ کیا کیا

اے شیر اے دلیر یہ بیکس ترے فدا
عباسؑ ہین حسینؑ ہون دیکھو مجھے ذرا

میرا بھی حلق خشک ہے خنجر کے واسطے
بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے

ٹھہرو عنانِ توسنِ عمر روان نہ لو
کروٹ کراہ کر مرے آرام جان نہ لو

ساتھی تھکا ہوا ہے رہِ کاروان نہ لو
لگتی ہے چوٹ دل پہ مرے ہچکیان نہ لو

مرجاؤن گا مین ساتھ اگر چھوٹ جائے گا
بھائی مرا تو رشتۂ جان ٹوٹ جائے گا

بولے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ نامدار
یہ موت زندگی ہے زہے فخر و افتخار

آقا ہزار جان گرامی ترے نثار
نکلے جو گُل کے سامنے بلبل کی جان زار

دیدار دیکھنے مین نہ آتا تو موت تھی
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی

زانوے پاک نور خدا اور سرِ حقیر
ذرّے کو مہر کر دیا اے آسمان سریر

عالم کا بادشاہ کجا اور کجا حقیر
تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دمِ اخیر

پایا یہ اوج ان کی نہ بابا کی گود مین
معراج مل گئی شہ والا کی گود مین

رحمت نے رخ کیا مری جانب حضور آئے
لیکر رسولؐ جام شرابِ طہور آئے

روشن ہو کیوں نہ چشم جو خالق کا نور آئے
ایسا نہو سرور جو بالین پہ حور آئے

عشاق مر بھی جاتے ہین زخمی بھی ہوتے ہین
مین اب تو تندرست ہون کیون آپ روتے ہین

شہ نے کہا کہ لینے کو آئے ہین تمکو سب
عباسؑ چھوڑ جاؤ گے اب ہمکو ہے غضب
سر خاک پر پٹک کے یہ بولا وہ جان بلب
اے جانِ فاطمہؑ جگر سیدِ عرب

کس کس کو روئیے کہ یہ اعدا کے ریلے ہین
صدمہ بڑا یہی ہے کہ حضرت اکیلے ہین

راحت کی راہ ہے سفرِ گلشنِ ارم
صدمہ مگر ہے روح پہ اے قبلۂ امم
اب تک تو کب کے مر گئے ہوتے تڑپ کے ہم
الفت یہ آپ کی ہے کہ اٹکا ہوا ہے دم

دنیا سے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہین
اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہین

یہ کہکے چپ ہوئے تھے کہ اٹھا جگر مین درد
رخسار سرخ سرخ جو تھے ہو گئے وہ زرد
لین کروٹین تو بھر گئی زخمون مین رن کی گرد
منہ رکھکے شہ کے پانو پہ کھینچی اک آہِ سرد

دنیا سے انتقال علمدار ہو گیا
سردار فوج بے کس و بے یار ہو گیا

بھائی کے آگے بھائی تڑپ کر جو مر گیا
صدمہ غضب کا سبطِ نبیؐ پر گذر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اتر گیا
چلاتے تھے کہ شیر ہمارا کدھر گیا

لیتے تھے بوسے جھک کے تن پاش پاش کے
اٹھ اٹھ کے گرد پھرتے تھے بھائی کی لاش کے

جھک کر پکارتے تھے کہ بھیا صدا سنا دو
زینبؑ تمھین بلاتی ہین خیمے کے در پہ جاؤ

سر رکھ لو میرے زانو پہ گردن ذرا اُٹھاؤ
کب سے بلک رہی ہے سکینہؑ کو دیکھ آؤ

باتون مین پیار کی کہین تم سے گلا نہو
دریا پہ سو گئے ہو سکینہؑ خفا نہو

کیا ہے جو آنکھ بند کئے ہو حیا سے تم
اکثر ہمین بچاتے تھے لون مین ہوا سے تم

کیا کچھ خفا ہو سبط رسولؐ خدا سے تم
ہم اَٹ گئے ہین گرد تو جھاڑو قبا سے تم

ہے دوپہر کا وقت برادر پہ دھوپ ہے
سایہ کرو علم کا مرے سر پہ دھوپ ہے

اکبرؑ نے رو کے عرض یہ کی اے شہ زمان
لے چلیے گھر مین لاش علمدار نوجوان

رونے سے اب ملینگے نہ حضرت کے بھائی جان
ایسا نہو نکل پڑین خیمہ سے بی بیان

دریا پہ ننگے سر کہین بنت علیؑ نہ آئے
فضہ کو ساتھ لے کے سکینہؑ چلی نہ آئے

اکبرؑ نے عرض کی کہ چلین اب شہ زمان
واں بھی مرے لئے وہی رونا ہے جو یہان

رو کر امام دین نے کہا جائین اب کہان
اپنا بھی گھر ہے اب وہی بھائی رہے جہان

اُٹھتے نہ تھے حسینؑ برادر کو چھوڑ کر
رکھا پسر نے پانون پہ سر ہاتھ جوڑ کر

فضہ کھڑی تھی خیمہ کے باہر جو بیخبر
پردہ اُلٹ کے خیمہ کا بولی وہ نوحہ گر

حضرت کو اُس نے دور سے دیکھا برہنہ سر
سیدانیو اُٹھو علم آتا ہے خون مین تر

اکبرؑ علم لئے ہین علیؑ کا نشان نہین

کوتل فرس تو آتا ہے وہ نوجوان نہین

ناگاہ سب کو دور سے آیا نظر نشان
گویا کہ تھا شبیہ الم سر بسر نشان

تھا خاک سے بھرا ہوا وہ جلوہ گر نشان
ڈوبا تھا خون سے پنجہ پُر نور اور نشان

چپ جاتا تھا پھریرے مین یون کانپ کانپ کے
روتا ہے جس طرح کوئی مُنہ ڈھانپ ڈھانپ کے

سمجھے یہ سب کہ بازوے عباسؑ کٹ گئے
بچون کے ننھے ننھے جگر غم سے پھٹ گئے

سیدانیون کے غم سے لہو اور گھٹ گئے
رنگ اُڑ گئے رخون سے کلیجے اُلٹ گئے

ہر دل پہ برق رنج و غم و یاس گر پڑی
بچون سمیت زوجۂ عباسؑ گر پڑی

اکبرؑ علم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے
چلاتے تھے کہ بھائی کو بھائی کہان سے پائے

سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر مین حسینؑ آئے
عاشق نے ساتھ چھوڑ دیا ہائے ہائے

چھینا اجل نے ہمکو ہمارے دلیر کو
لو بیبیو اترائی مین روآئے شیر کو

لپٹی تو تھی علم سے سکینہؑ جگر فگار
پرچم پہ یون لچکتا تھا پنجہ وہ بار بار

ہے ہے علیؑ کے لعل کی رانڈ نہین تھی بچاؤ
سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار

تصویر حسرت و الم و یاس بن گیا
رایت بھی نخل ماتم عباسؑ بن گیا

زیر علم تھا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال
چلاتی تھی کہ اے اسد کبریا کے لال

ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
مین سر کو پیٹتی ہون تمہین کچھ نہین خیال

جاتا ہے یون جہان سے کوئی آنکھ موڑ کے
مسکن کیا ترائی مین لونڈی کو چھوڑ کے

پُرخون علم کے پاس تھے عباسؑ کے پسر
ٹکڑے ٹکڑے تھے کرتون کے تھرانے تھے جگر
مان نے جو طوق اُتارے تھے اور کان کے گُہر
سہما ہوا تھا ایک تو اک پیٹتا تھا سر

زلفون پہ گرد تھی تو رخون پر غبار تھا
چہرون سے درد بے پدری آشکار تھا

چھوٹا یہ شہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا
بابا ہمارے گھر مین کب آئین گے ای چچا
آیا علم پر اُنکے نہ آنے کی وجہ کیا
چھوٹے سے روکے تب یہ بڑے بھائی نے کہا

اماں کی مانگ اُجڑ گئی صدمے گذر گئے
بھیا تمھین خبر نہین بابا تو مر گئے

دوڑا یہ سُنکے نہر کی جانب وہ بے پدر
رُو کر پکارے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر
بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہین نہر پر

میت نہ اُٹھ سکے گی تو خالی نہ آئین گے
دامن مین ہم کٹے ہوے ہاتھون کو لائینگے

مثال ۶، علی اکبرؑ نزع کی حالت مین ہین، اور امام حسین علیہ السلام اُنکے پاس جاتے ہین ؎

جسدم سنی حسینؑ نے یہ جانگزا صدا
صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ اُلٹ گیا
ہاتھون سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا
نعرہ کیا کہ اے علی اکبرؑ کرو نہین کیا

مل کر غریب و بیکس و تنہا سے جائیو
آئے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو

ہے ہے مرے شفیق پسر مہربان پسر
خوش رو پسر سعید پسر قدردان پسر
مادر کا چین باپ کا آرام جان پسر
گم گو پسر شہید پسر نوجوان پسر

مقتل کدہر ہے کوئی بتاتا نہین مجھے
اے نور عین کچھ نظر آتا نہین مجھے

مجکو غریب دشت بلا کہکے پھر پکار
اک بار یا شہ دوسرا کہکے پھر پکار
اے شیر سید الشہدا کہکے پھر پکار
صدقے ہو باپ یا ابتا کہکے پھر پکار

میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائیگی
مرجاؤن گا یہین جو نہ آواز آئے گی

کچھ ہوش دست و پا کا نہین بیحواس ہون
زخمی ہے قلب کشتۂ اندوہ و یاس ہون
غمگین ہون مردہ دل ہون حزین ہون اُداس ہون
دم توڑو تم تو ہے غضب اور مین نہ پاس ہون

کیونکر قرار آئے دل ناصبور کو
لاؤن کہان سے ڈھونڈ کے آنکھونکے نور کو

دوڑے یہ بات کہکے جو سلطان بحر و بر
بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو مین تر
اُٹھا یہ دل مین درد کہ خم ہوگئی کمر
دیکھا جو زخم منہ کے قریب آگیا جگر

تڑپے جو گر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
غل پڑ گیا صفون مین کہ شبیر مر گئے

ہوش آیا تین ساعت کامل کے بعد جب
دیکھا کہ سٹ رہی ہے شبیہ رسول رب
آنسو بہا کے رکھدیے بیٹے کے لب پہ لب
چلاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہمکو ہے غضب

دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو

باہین اُٹھا کے باپ کی گردن مین ڈال دو

اکبرؑ نے آنکھین کھول کے دیکھا رخِ پدر
گالون پہ اشک آنکھون سے ٹپکے ادہر اُدہر
فرمایا شہ نے زانو پہ رکھ کر سرِ پسر
روتے ہو کسکے واسطے اے غیرتِ قمر

یان سے اُٹھا کے آل پیمبر مین لے چلین
غم مان کا ہے تو آؤ تمھین گھر مین لے چلین

کی عرض مہلت اتنی کہان اے شہِ اُمم
اب کیجیے قبلہ رو کہ نکلتا ہے تن سے دم
دولت ملی کہ دیکھ لئے آپ کے قدم
غیر از غمِ فراق مجھے کچھ نہین ہے غم

ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دور ہین
روتا ہون اس لئے کہ اکیلے حضور ہین

شہ نے کہا مرے لئے بیٹا نہ رو بس
ہوگا جہان سے جانے مین تھوڑا سا پیش و پس
دنیا کی آرزو ہے نہ جینے کی کچھ ہوس
میرے لئے ہے اب دمِ خنجر ہر اک نفس

اکبرؑ ترے الم سے جگر چاک چاک ہے
جب تو نہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

یہ بات سُنکے لینے لگا ہچکیان پسر
سوکھی زبان دکھائی کہ پیاسا ہون اے پدر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سربسر
دو بار لی کراہ کی کر دو سٹ ادہر اُدہر

دنیا سے انتقال ہوا نورِ عین کا
ہنگامِ ظہر تھا کہ لٹا گھر حسینؑ کا

نکلی ادہر تو جسم سے اکبرؑ کی جانِ زار
یان بیبیان ہوئین دخیمہ پہ بیقرار
فضہ پکاری ڈیوڑھی سے بڑھکر یہ ایک بار
اکبرؑ پہ کیا گذر گئی اے شاہِ نامدار

چھریان غم والم کی کلیجے پہ چلتی ہین
جلد آیئے کہ حضرت زینبؑ نکلتی ہین

گھبرا کے شاہ دین نے اُٹھائی پسر کی لاش
لائے قریب خیمہ جو اُس سیمبر کی لاش
لپٹائے تھے کلیجے سے لختِ جگر کی لاش
غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشکِ قمر کی لاش

زہراؑ کی بیٹیان جو کھلے سر نکل پڑین
سب بیبیان خیام سے باہر نکل پڑین

سر ننگے شہ کے گرد تھین سیدانیان تمام
بانوؑ پکارتی تھی کہ یا شاہِ تشنہ کام
تھے بیچ مین شہید کا لاشہ لئے امام
جیتا ہے یا جہان سے گیا میرا لالہ فام

منکا ڈھلا ہے ہونٹون پہ سوکھی زبان ہے
اے جانِ فاطمہؑ مرے بچے مین جان ہے؟

زینبؑ تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار
طاقت نہین ہے آپ مین یا شاہِ نامدار
یہ لاش میری گود مین دیجے بہن نثار
صدقے گئی لرزتا ہے فاقون سے جسمِ زار

شہ کہتے تھے یہ کام ہے مجھ خستہ جان کا
تجھسے بہن اُٹھے گا نہ لاشہ جوان کا

لاشہ پسر کا خیمہ مین لائے امامِ پاک
شہ نے لٹا کے لاش جو کی آہِ دردناک
مسند رسولِ حق کی بچھائی بروے خاک
دل بی بیون کے ہو گئے سینے مین چاک چاک

پہلے گمان تھا غش مین وغا کر کے آئے ہین
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آئے ہین +

لاشے کے پاس ہائے پسر کہکے ماں گری
ہاتھون سے دل پکڑ کے پھوپھی نیمجان گری

دل پر ہر اک کے برق غم نوجوان گری
غش ہو کے یان گری کوئی اور کوئی وان گری

چھوٹی بہن جو لاشے سے آکر لپٹ گئی
اک حشر ہو گیا صفِ ماتم اولٹ گئی

مثال ۷، حضرت علی اکبرؑ نزع کی حالت مین امام حسین علیہ السلام کو پکارتے ہین اور وہ بدحواس قتلگاہ کی طرف جاتے ہین۔ اُسوقت کی اضطرابی حرکات، اور باپ بیٹے کی گفتگو ؎

سُنکر یہ استغاثۂ فرزند خوشخصال
سیدؑ نے آہ کی کہ ہلا عرش ذوالجلال

کھولے جناب فاطمہؑ کی بیٹیون نے بال
بانوؑ پکاری خیر تو ہے اے علیؑ کے لال

ہے ہے پسر سے کونسی مادر بچھڑ گئی
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اُجڑ گئی

نیزے سے کسکے لال کا زخمی ہوا جگر
کرتے ہین کسکی لاش کو پامال اہل شر

کہتا ہے کون رن مین تڑپ کر پدر پدر
اب گھر سے مین نکلتی ہون ہے ہے مرا پسر

پروانہ مجھسے کیجیے سب جانتی ہون مین
آواز یہ اُسی کی ہے پہچانتی ہون مین

بانوؑ کو تسمین دے کے چلے شاہ نامدار
وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار

دل تھا اُلٹ پلٹ تو کلیجہ تھا بیقرار
اُٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار

چلاتے تھے شبیہ پیمبرؐ ہم آتے ہین
گھبرائیو نہ اے علی اکبرؑ ہم آتے ہین

آؤن کدھر کو اے علی اکبرؑ جواب دو
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر جواب دو

اکبرؑ برائے خالق اکبر جواب دو
بیٹا جواب دو مرے دلبر جواب دو

گرتے ہین ہم ثواب کا ہاتھون سے کام لو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

کچھ سوجھتا نہین مین کدھر جاؤن کیا کرون
مضطر ہے جان، دل کسے سمجھاؤن کیا کرون

اے نور چشم تجکو کہان پاؤن کیا کرون
کیونکر پسر کو ڈھونڈ کے مین لاؤن کیا کرون

پایا تھا مدتون مین جسے خاک جہان کے
وہ لعل ہمنے کھو دیا جنگل مین آن کے

بس اب خبر حسینؑ کی لے جلد اے اجل
اے جان ناتوان، تن مجروح سے نکل

اے جسم زار زیست کا باقی نہین محل
ہان اے نفس جہری کمیطر جسے گلے پہ چل

چھوٹے نہ اُسکا ساتھ جو پیری کی آس ہو +
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبرؑ کے پاس ہو

جنگل سے بیحواس بھرے نہر پر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے

وان بھی جو وہ گھر نملا سوے بر گئے
تھالے ملے لہو کے برابر جدھر گئے

ٹپکا ہوا زمین پہ جگر کا لہو ملا +
لیکن کہین نہ وہ پسر ماہرو ملا

جا کر صفون کے پاس پکارے باشک و آہ
اے ظالمون یہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ

ہے کسطرف مرے علی اکبرؑ کی قتل گاہ
کس ابر مین چھپا ہے مرا چودھوین کا ماہ

تبلاؤن جان ہے کہ نہین جسم زار مین
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار مین

لاش پسر کو ڈھونڈھتے تھے شاہ بحر و بر
سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہل شر

کہتا تھا شمر اے پسر سید البشر
کس کو حضور ڈھونڈتے ہین، مر گیا پسر

خود ڈھونڈھ لیجیے جسد پاش پاش کو
بتلائین گے نہ ہم علی اکبر کی لاش کو

یہ سُنکے کھینچ لی شہ والا نے ذوالفقار
چمکی جو برق تیغ تو بھاگے ستم شعار
شہ کو نظر پڑا علی اکبر کا راہوار
چلائے اے عقاب کدھر ہے ترا سوار

دکھلا دے مجھکو لاش مرے نور عین کی
کس دشت مین پڑی ہے بضاعت حسینؑ کی

ملنے دے ان رکابون کے حلقون سے چشم نم
ہے ہے اسی مین تھے مرے فرزند کے قدم
بوسے تری لگام کے لون مین اسیر غم
اکبرؑ کے ہاتھ مین تھی یہی باگ ہے ستم

ہے ہے وہ ہاتھ پاؤن مرے آفتاب کے
قربان تری لگام کے صدقے رکاب کے

گھوڑے نے ہنہنا کے سوے دشت کی نظر
یعنے کہ لاش آپکے پیارے کی ہے ادھر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی بچشم تر
گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطان بحر و بر

جنگل مین لاشہ پسر نوجوان ملا
وہ مہ لقا ملا تو مگر نیم جان ملا

دیکھی عجیب حالت فرزند نوجوان
پیکان گلے مین ہونٹون پہ نکلی ہوئی زبان
تن پر جراحت تبر و خنجر و سنان
گردن تھی کج، بھری ہوئی آنکھون مین تلملان

ٹاپون سے مرکبون کے جراحت پہ ہٹے ہوئے
چہرہ سفید خاک مین گیسو اٹے ہوئے

ہچکی کے ساتھ کہتے ہین واکر کے چشم تر
اے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر

اے جان جسم زار مین اور ایک دم ٹھہر
اے درد تھم ذرا کہ پھٹا جاتا ہے جگر

پھر ایک بار سیدِ والا کو دیکھ لون
مہلت بس اتنی دے کہ مین بابا کو دیکھ لون

دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے
زندہ ہے یہ پیر جوان یون جہان سے جائے

حضرت زمین پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
اے لال تین روز کے فاقے مین زخم کھائے

شاید جگر کے زخم سے تم بیقرار ہو
زخمی تمھاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

کیون کھینچتے ہو پاؤن کو اے میرے گلعذار
آنکھین تو کھولدو کہ مرا دل ہے بیقرار

کیون ہاتھ اُٹھا اُٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
بیٹا تمھاری مان کو تمھارا ہے انتظار

بہنین کھڑی ہین در پہ بڑے اشتیاق مین
اکبرؑ تمھاری مان نہ جیے گی فراق مین

غش مین سُنا جو ہین علی اکبرؑ نے ان کا نام
سوکھی زبان دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام

کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام

اب اور کوئی دم کا پسر میہمان ہے
امداد یا حسینؑ کہ پانی مین جان ہے

فرمایا شہ نے اے علی اکبر مین کیا کرون
گھیرے ہین نہر کو یہ ستمگر مین کیا کرون

پانی نہین ہے مجھکو میسر مین کیا کرون
کچھ بس نہین مرا مرے دلبر مین کیا کرون

اعدا نہ دینگے بوند اگر لاکھ کہ کرین

بیٹا تمھاری ساقی کوثر مدد کریں

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر
اتنی زباں ہلی کہ خدا حافظ اے پدر
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر
انگڑائی لیکے رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر

آباد گھر لٹا شہ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے

لکھتا ہے ایک راوی غمگین و پر ملال
یعنی ادھر ہوا علی اکبرؑ کا انتقال
نکلی حرم سے ایک زن فاطمہؑ جمال
گویا جناب سیدہؑ کھولے ہوئے تھیں بال

تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اُس جناب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

چلاتی تھی ارے مرا پیارا ہے کس طرف
اے آسمان وہ عرش کا تارا ہے کس طرف
اے ابر شام چاند ہمارا ہے کس طرف
اے ارض کربلا وہ سہ حارا ہے کس طرف

ہے ہے سنان سے جان گئی میہمان کی
میت کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی

اے میرے لمبے گیسوؤں والے کدھر ہے تو
ہے ہے مرے غریبی کے پالے کدھر ہے تو
واری کہاں لگے تجھے بہلے کدھر ہے تو
کیونکر بھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو

اٹھارواں برس تھا کہ موت آگئی تجھے
اے نور عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

ہے ہے مرے سعید و رشید و متین جوان
خوشرو جوان غریب جوان رحیم جوان
صفدر جوان شکیل جوان نازنین جوان
کس نے تجھے مروڑ لیا اے حسین جوان

آغاز تھین مسین ابھی ایسے مُسن نہ تھے
بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

یہ بین کرتی جاتی تھی وہ سوختہ جگر
جاتی تھی بیحواس ادھر سے وہ نوحہ گر

سیدانیون کا غول تھا پیچھے برہنہ سر
آئے اُدھر سے لاش لئے شاہ بحر و بر

دیکھا الوروان جو تنِ پاش پاش سے
سب بی بیان لپٹ گئین اکبر کی لاش سے

مناظر قدرت

عربی اور فارسی مین مناظرِ قدرت پر بہت کم لکھا گیا ہے، اور اُردو مین تو گویا سرے سے اس کا وجود ہی نہ تھا، میر ضمیر نے سب سے پہلے اس پر طبع آزمائی کی، لیکن وہ مضمون بندی اور استعارات کو کلام کا اصلی جوہر سمجھتے تھے، اسلئے اصلی حالت نہ ادا کر سکے، میر انیس نے اس صنف پر اگرچہ صرف دو تین مرثیے لکھے ہین، لیکن جو کچھ لکھا ہے، کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔

صبح کا سان،

طے کر چکا جو منزل شب، کاروانِ صبح
ہونے لگا اُفق سے ہویدا نشانِ صبح

گردون سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح
ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح

پنہان نظر سے روئے شب تار ہو گیا
عالم تمام مطلع انوار ہو گیا

خورشید نے جو رخ سے اُٹھائی نقابِ شب
در کھل گیا سحر کا، ہوا بند بابِ شب

انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب
دفتر کشای صبح نے اُلٹی کتابِ شب

گردون پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا
سلطانِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

یون گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے عیان
آئی بہار مین گل مہتاب پر خزان،
چُن لے چمن سے پھولونکو جسطرح باغبان
مُرجھا کے رہ گئے ثمر و شاخ کہکشان

دکھلائے طور، باد سحر نے سموم کے
پژمردہ ہو کے، رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور
یاد خدا مین زمزمہ پردازی طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا، وہ فضا وہ نور
خنکی ہو جس سے چشم کو، اور قلب کو سرور

انسان زمین پہ محو، ملک آسمان پر
جاری تہا، ذکر قدرتِ حق، ہر زبان پر

وہ سرخی شفق کی اُدہر چرخ پر بہار
وہ بار ور درخت، وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کی وہ گلون پہ گہرہائے آبدار
پھولون سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار

نافے کھلے ہوے، وہ گلون کی شمیم کے
آتے تہے سرد سرد وہ جہونکے نسیم کے

تھی دشتِ کربلا کی زمین رشکِ آسمان
تھا دور دور تک شبِ مہتاب کا سمان
چٹکے ہوے ستارون کا ذرّون پہ تھا گمان
نہر فرات بیچ مین تہی مثل کہکشان

سبزہ جو درخت تہا وہ نخل طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

ایک اور موقع پر لکھتے ہین ؎

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح
گلزارِ شب خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثار صبح
سرگرم ذکر حق ہوئے طاعت گزار صبح

تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن مین گلاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکا دمبدم
مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیان بہم
وہ آب و تابِ نہر وہ موجون کا پیچ و خم
سردی ہوا مین پر نہ زیادہ بہت نہ کم

کہا کہا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیون سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
تھے طائرونکے غول درختون پہ بیشمار
چلنا نسیم صبح کا رہ رہ کے بار بار
کوکو وہ قمریونکی وہ طاؤس کی پکار

واتھے درپے باغ بہشتِ نعیم کے
ہر سو روان تھے دشت مین جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں
تھا جسکی ضو سے وجد مین طاؤس آسمان
ذرون کی روشنی پہ ستارونکا تھا گمان
نہرِ فرات بیچ مین تھی مثل کہکشان

ہر نخل پر ضیائے سر کوہ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ باران نور تھی

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
محفل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد
یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد

وہ ہوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا

سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

ایک اور موقع پر بھی یہی سماں باندھتے ہیں ؎

وہ صبح اور وہ چھانوں ستاروں کی اور وہ نور
دیکھے تو غش کرے، ارنی گوی اوج طور
پیدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور
وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خوان طیور

گلشن خجل تھے، وادی مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوائیں سبزۂ صحرا کی وہ لہک
شرمائے جس سے اطلس زنگاری فلک
وہ جھومنا درختوں کا، پھولوں کی وہ مہک
ہر برگ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک

ہیرے خجل تھے، گوہر یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور اور وہ دشت مہاناسا، وہ فضا
دراج و کبک، دیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوش گل، وہ نالۂ مرغان خوش نوا
سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا

پھولوں کے سر پہ شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبد گلفروش تھے

وہ دشت، وہ نسیم کے جھونکے، وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جا بجا وہ گہرہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار

خواہاں تھے زیب گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم
کوکو کا شور، نالۂ حق سرّہ کی دھوم

سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم — جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کی تھی رسوم

کچھ گُل فقط نہ کرتے تھے رب عُلا کی مدح
ہر خار کو بھی نوک زبان تھی خدا کی مدح

چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار — اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حی و یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار — تسبیح تھی کہیں، کہیں تھلیل کردگار

طائر ہوا میں مست، ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

گرمی کا سمان گرمی کا سمان شعرائے فارس نے باندھا ہے لیکن نہایت مبالغہ اور دور از کار خیالات سے کام لیا ہے۔ طالب آملی کا ایک قصیدہ ہے جس میں قصیدہ کی تشبیب، گرمی کے بیان سے شروع کی ہے ؎

چنان بخار زمین تیرہ ساخت آب زلال — کہ قطرہ بر لب جو می کند نیابت خال
ہوائے مہر ز تفسیدگی چنان گردید — کہ شعلہ را ز نسیم است بیم اضمحلال

مرزا صایب ایک قصیدہ میں گرمی کی شدت کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

نیست این فوارہ ہر مو جلوہ گر در حوض ہا — کردہ است از تشنگی بیرون زبان خویش آب

ایک اور شاعر نے فرضی توجیہ خوب کی ہے ؎

گرد باد، از پے آن سے جہد از جا کہ براہ — پائے می سوزدش از بسکہ زمین شد سوزان

میر انیس بھی، اگرچہ رواجِ عام کے اثر سے، بیجا حالت سے، جا بجا تجاوز کر گئے ہیں تاہم ان کا اصلی جوہر بھی نمایاں ہے، ؎

وہ لون، وہ آفتاب کی حدت، وہ تاب و تب — کالا تھا، رنگ، دھوپ سے دن کا مثال شب

خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب

اڑتی تھی خاک، خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا، دھوپ سے پانی فرات کا

آبِ رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے، طائر ادھر ادھر

مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر
خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر

گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے، پائے نگاہ میں

کوسوں، کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار

ہنستا تھا کوہِ گل، نہ ٹھکانا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی پھول کی، ہر شاخ بار دار

گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
تپتے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اٹھتے تھے نہ، دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے

آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا، جو گرتا تھا، دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشان

منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان
تہ میں تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جان

پانی تھا آگ، گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تپ کی تاب	چھپنے کو برق چاہتا تھا دامن سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب	کافور صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب

بھڑکی تھی آگ گنبد چرخ اثیر میں
بادل چھپے تھے سب، کرۂ زمہریر میں

جو لوگ کہتے ہیں کہ میر انیس کے ہاں خیال آفرینی اور مضمون بندی نہیں ہے، وہ ان اشعار میں سے ان شعروں کو دیکھیں، جہاں نیچرل حالت سے ہٹ کر، مبالغہ اور تکلف پیدا ہو گیا ہے۔

منظر

(یعنی سین)

کسی خاص واقعہ یا کسی خاص حالت کی تصویر کھینچنا جسکو انگریزی میں سین کہتے ہیں، واقعہ نگاری کی ایک قسم ہے۔

عام واقعہ نگاری اور سین میں یہ فرق ہے کہ واقعہ نگاری میں ہر واقعہ انفرادی حیثیت رکھتا ہے بخلاف اسکے سین اس کیفیت کا نام ہے جو متعدد واقعات یا واقعہ کے متعدد جزئیات کے مجموعہ سے پیدا ہوتی ہے، مثلاً اس شعر میں ؎

لوں چلتی ہے خاک اڑتی ہے ظہر کا ہنگام	تنہا چلی آتی ہے اندھی سے پیغام

لوں کا چلنا۔ خاک کا اڑنا۔ ظہر کا وقت ہونا۔ فوجوں کا امنڈنا۔ ہر چیز کو الگ الگ لیا جائے تو واقعہ ہے، اور ان سب کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو سین ہے۔

میر انیس نے شاعری کے اس صنف کو جس کمال تک پہنچایا اردو کیا فارسی میں بھی اسکی بہت کم مثالیں ملتی ہیں، ہم چند مثالیں ذیل میں درج کرتے ہیں۔

مثال ۱ - حُر نزع کی حالت مین ہے، امام حسین علیہ السلام اس کے سرہانے موجود ہین اسوقت کی

نزع کی حالت | حالت اور گفتگو

قبلہ رو کیجیے لاشہ مرا اے قبلۂ دین
پڑھیے یٰسین کہ اب ہے یہ دم بازپسین
کوچ نزدیک ہے اے بادشۂ عرش نشین
لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزین

بات بھی اب تو زبان سے نہین کیجاتی ہے
کچھ اُڑا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود مین شبیر کے لی انگڑائی
آیا ماتھے پہ عرق، چہرہ پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمین چھوڑ چلے اے بھائی
چل بسے حُر، جری پھر نہ کچھ آواز آئی

طائرِ روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
پتلیان رہ گئین پھر کر شہ والا کی طرف

مثال ۲-

گرمی کی شدت مین لوگون کی حالت

وہ گرمیون کے دن وہ پہاڑون کی راہ سخت
پانی نہ منزلون، نہ کہین سایۂ درخت
ڈوبے ہوئے پسینون مین ہین غازیون کے رخت
سونا لگے ہین رنگِ جوانانِ نیک بخت

راکب، عبائین چادر سے چہرون پہ ڈالے ہین
تونسے ہوئے سمند زبانین نکالے ہین

وہ دن ہین جن دنون کوئی کرتا نہین سفر
صحرا کے جانور بھی نہین چھوڑتے ہین گھر
رنج مسافرت مین ہین سلطانِ بحر و بر
لب برگ گل سے خشک ہین، چہرہ عرق مین تر

آتی ہے خاک اُڑ کے یمین و یسار سے

گیسوئے مشکبار اٹے ہین غبار سے

اہل حرم ہین ہودج و محمل مین بیقرار
معصوم پانی مانگتے ہین رو کے بار بار

بانو پکارتی ہے کہ اے شاہِ نامدار
گرمی سے جان بلب ہے مرا طفل شیرخوار

کیونکر یہ دکھ اُٹھے چہ مہینہ کی جان سے
گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

چلاتی ہے سکینہؑ کہ اچھے مرے چچا
محمل مین گھٹ گئی مجھے گودی مین لو ذرا

بابا سے کہدو اب کہین خیمہ کرین بپا
ٹھنڈی ہوا مین لے کے چلو تم پہ مین فدا

سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو میری حالت خراب ہے

مثال ۳

صغیر السن بچہ نزع کی حالت مین

راوی نے یہ لکھا ہے کہ اسدم بہ حالِ زار
لائے حسینؑ ہاتون پہ اک طفلِ شیرخوار

دن کو ہوا قرانِ مہ و مہر آشکار
مرجھا گیا تھا پیاس سے لیکن وہ گلعذار

تھا فرطِ غش سے نہتا سا منکا ڈھلا ہوا
باندھے ہوئے تھا مٹھیان اور منہ کھلا ہوا

چھوٹا سا ایک سبز عمامہ تھا دوش پر
ماتھا جھنڈولے بالون مین آئے جون قمر

جتی ہوئین وہ جن پہ تصدق دل پدر
آنکھین تو نرگسی پہ نقاہت زیادہ تر

سایہ مین دامنِ خلف بوتراب کے
رخسار تھے کہ پھول کھلے تھے گلاب کے

پھیلا ہوا وہ آنکھون مین کاجل ادھر اُدھر
خشکیدہ ہونٹھ، موے مژہ آنسوون سے تر

باچھون سے تھا نمود جسے دودھ کا اثر
ہاتھون مین نیلے ڈورے تھے ہنسلی تھی سینہ پر

ننھے سے دل کو مان کے بچھڑنے کا درد تھا
رن کی ہواے گرم سے جسم اسکا سرد تھا

گرنا بدن مین آتا تھا اس رنگ سے نظر
پڑتی ہے اوس پھولون پہ جیسے دم سحر

سینہ تھا صاف صورت آئینہ جلوہ گر
گرمی سے ہوگیا تھا شلوکہ عرق مین تر

چھاتی مین دمبدم جو دم اسکا اٹکتا تھا
گھبرا کے ننھے ہاتھون کو دیدے پٹکتا تھا

مثال ۴

فوجون کی آمد و جنگ کی طیاری

ہے شور آمد آمد فوج فلک سریر
فوجون کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بھیڑ

دعوت کے واسطے ہین منانین لئے شریر
حضرت کی پیشکش کو کمانین ہین اور تیر

پانی پہ چوکیان ستم آرا بٹھاتے ہین
دریا کے گھاٹ برچھیون سے روکے جاتے ہین

سقے کئے ہین شام کے حاکم کے جابجا
ہر بارگہ سے ہے طلب لشکر جفا

اکثر اترتی جاتی ہین فوجین جدا جدا
لیتا ہے جائزہ عمر سعد بے حیا

غل ہے کریگے قتل جو زہرا کے ماہ کو
انعام مین ملے گا دو ماہہ سیاہ کو

تیغین سلاح خانہ سے نکلی ہین بیشمار
ہے جابجا درستی اسباب کارزار

ہوتے ہین لیس تیرون کے دستے کئی ہزار
خنجر ہوے ہین ذبح کو پیاسون کے آبدار

نوکین نکالی جاتی ہین تیرون کی سان پر
پھل برچھیون پہ چڑھتے ہین پرچم نشان پر

ولہٗ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب، یک بیک
اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگے فلک
شہپور کی صدا سے ہراسان ہوے ملک
قرنا پہنکی کہ گونج اُٹھا دشت دور تک

شور دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

حد سے فزون تھی کثرتِ افواجِ نابکار
نیزہ پہ نیزہ تیغ پہ تھی تیغِ آبدار
ہر سمت تھی سنان پہ سنان مثل خارزار
ہر صف مین تھی سپر پہ سپر مثل لالہ زار

پیکان بہم تھے جیسے ہون گل بے کھلے ہوئے
گوشون سے تھے کمانون کے چلے ملے ہوئے

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل
تھے برچھیون کی صورت مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جنکی آب مین ہے تلخی اجل
وہ گرز جنکے ڈر سے گرے دیو سر کے بل

دو دو تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقون پہ تھے بچھے ہوے حلقے کمند کے

مثال ۵۔

سفر کی طیاری

آراستہ ہین بہر سفر ہر دو قبا پوش
عمامے سرون پر ہین عبائین بسر دوش

یارانِ وطن ہوتے ہین، آپسمین ہم آغوش
حیران کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش

مُنہ ملتا ہے رو کر کوئی سرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبرؑ کے قدم پر

ہم سنون کی وداعی ملاقات

عباسؑ کا مُنہ دیکھکے کہتا ہے، کوئی آہ
اب آنکھون سے چھپ جائیگی تصویر یداللہ
کہتے ہین گلے مل کے یہ قاسم کے ہوا خواہ
وللہ دلون پر ہے عجب صدمۂ جان کاہ

ہم لوگون سے شیرین سخنی کون کرے گا
یہ اُنس یہ خلقِ حسنی کون کرے گا

روتے ہین وہ جو عونؑ و محمدؑ کے ہین ہمسن
کہتے ہین کہ کمسن ہین نہ جی بہلے گا تم بن
اس داغ سے چین آئے ہمین یہ نہین ممکن
گرمی کا مہینہ ہے، سفر کے یہ نہین دن

تم حضرتِ شبیرؑ کے سایہ مین پلے ہو
کیون دھوپ کی تکلیف اُٹھانے کو چلے ہو

ہم جولیون سے کہتے ہین وہ دونون برادر
ہان بھائیو تم بھی ہمین یاد آؤ گے اکثر
بالا ہے ہمین شاہ نے ہم جائین نہ کیونکر
مامون رہین جنگل مین تو اپنا ہے وہی گھر

وہ دن ہو کہ ہم حقِ غلامی سے ادا ہون
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہون

رخصت کیلئے لوگ چلے آتے ہین ہیہم
ہر قلب حزین ہے تو ہر اک چشم ہے پرنم
ایسا نہین گھر کوئی کہ جس مین نہین ماتم
غل ہے کہ چلا دلبرِ مخدومہ عالم

خدام کھڑے پیٹتے ہین قبرِ نبیؐ کے
روضہ پہ اُداسی ہے رسولِ عربیؐ کے

سفر کی تیاری اور سواری کی تقسیم۔

تدبیر سفر مین ہے اُدھر سبط پیمبرؐ
گھر مین کبھی آتے ہین کبھی جاتے ہین باہر
اسباب نکلواتے ہین عباسؑ دلاور
تقسیم سواری کے تردد مین ہین اکبرؑ

شہ کو جنہین لیجانا ہے وہ پاتے ہین گھوڑے
خالی ہوا اصطبل چلے آتے ہین گھوڑے

حاضر در دولت پہ ہین سب یاور و انصار
کوئی تو کمر باندھتا ہے، اور کوئی ھتیار
ہودج بھی کسے جاتے ہین محمل بھی ہین تیار
چلاتے ہین دربان کوئی آئے نہ خبردار

ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ پڑے ہین
پردے کی قناتین لئے فراش کھڑے ہین

عورتین کیونکر رخصت ہوتی ہین۔

عورات محلہ چلی آتی ہین، بصد غم
کہتی ہین، یہ دن رحلت زہراؑ سے نہین کم
پُرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم
فرش اُٹھتا ہے کیا، بچھتی ہے گویا صف ماتم

غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہے زینبؑ
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینبؑ

عورتون کا سمجھانا کہ یہ سفر کے دن نہین۔

لے لے کے بلائین یہی سب کرتی ہین تقریر
اس گرمی کے موسم مین کہان جاتے ہین شبیرؑ
سمجھاتی نہین بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر
مسلمؑ کا خط آئے تو کرین کوچ کی تدبیر

للہ ابھی قبر پیمبرؐ کو نہ چھوڑین
گھر فاطمہؑ زہراؑ کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑین

اُجڑے گا مدینہ جو یہ گھر ہوئے گا خالی
بربادی یثرب کی بنا چرخ نے ڈالی
کیا جانین کہ پھر آئین نہ آئین نہ عالی
حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی

زہراؑ ہین نہ حیدرؑ نہ پیمبرؐ نہ حسنؑ ہین

اب اُن کی جگہہ آپ ہین یا شاہِ زمن ہین

گرمی کے یہ دن اور پہاڑون کا سفر آہ
رستے کی مشقت سے کہان ہین کبھی آگاہ

ان چھوٹے سے بچون کا نگہبان ہے اللہ
ان کو تو نہ لیجائین سفر مین شہِ ذیجاہ

قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہین ملتا
کوسون تلک اس راہ مین پانی نہین ملتا

مُنہ دیکھہ کے صغرا کا چلا آتا ہے رونا
جھولا یہ کہان اور کہان نرم بچھونا

آرام سے مادر کی کہان گود مین سونا
لکھا تھا اسی سن مین مسافر نہین ہونا

کیا ہوگا جو میدان مین ہو اگرم سے چلے گی
یہ پھول سے کُمھلائین گے مان اتہہ ملے گی

اُن بی بیون سے کہتی تھی یہ شاہ کی شمشیر
اس شہر مین رہنا نہین ملنا کسی تدبیر

سبون نے مین شبیر سے لئے جاتی ہے تقدیر
یہ خط پہ خط آتے ہین کہ مجبور ہین شبیر

مجھکو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھہ کہہ نہین سکتی
بھائی سے جدا ہوکے مگر رہ نہین سکتی

مثال ۶

گرمی اور گرمی کی شدت مین زن و مرد اور بچون کی حالت،

گرمی کی شدت

مخفی تھے شرر شدتِ گرما سے حجر مین
جلتی تھی یہ لون آگ بھڑکتی تھی جگر مین

نہ بحر مین راحت تھی کسی دل کو نہ بر مین
جھیلون مین نہ پانی تھا نہ پتے تھے شجر مین

پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتین بھی نہ آتی تھین، کنوین خشک پڑے تھے

پتھر کی چٹانون سے نکلتے تھے شرارے
ناری تھی ہوا، سبز شجر زرد تھے سارے
ڈوبے تھے عرق مین اسد اللہ کے پیارے
دھڑکا تھا کہ یہ لون کسی بچے کو نہ مارے

ہوش آتا نہ تھا اصغرؑ معصوم کو غش سے
اودے تھے لب لعل سکینہؑ کے عطش سے

گرمی کی شدت سے ایک ایک شخص کی حالت۔

تھا مہر کی حدت سے یہ حال شہ ابرار
ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق، سرخ تھے رخسار
تھمتے مین جبان تھی لب لعل گہربار
بھر کر نفس سرد یہ فرماتے تھے ہر بار

اک پھول بھی زہرا کے چمن مین نہ ملے گا
کیا ہوگا جو پانی کسی بن مین نہ ملے گا

گرمی سے یہ تھا حضرت عباسؑ کا عالم
منہ سرخ تھا اور ہانپتے تھے صورت ضیغم
چہرہ بھی عرق ناک تھا، اور طبع بھی برہم
فرماتے تھے اشک آنکھون مین بھر کر شہ عالم

تم شیر ہو راحت تمھین بھائی نہ ملے گی
جب تک کسی دریا کی ترائی نہ ملے گی

یون اکبرؑ مہرو تھے پسینے مین نہائے
جیسے تپ محرق مین جوان کو عرق آئے
جب چھکنے لگا دل تو سخن لب پہ یہ لائے
رب دو جہان حشر کی گرمی سے بچائے

گزرے گا ہر اک دم، تپش دل سے فلق مین
سب تا بہ کمر، ڈوبے ہوئے ہونگے عرق مین

حضرت کو سکینہؑ یہ صدا دیتی تھی پیہم
محمل مین گھٹا جاتا ہے، گرمی سے مرا دم
سب ڈوب گئی ہون یہ پسینے کا ہے عالم
برسے گی یون ہی آگ تو جینے کے نہین ہم

ہین ابر کرم آپ کرم کیجیے بابا

سایہ کہین مل جائے تو دم لیجیے بابا

سُنکر یہ بھتیجی کی صدا حضرتِ عباسؑ
کہتے تھے چچا صدقے ہو، رُکو نہ بصد یاس
لو پانی پیو تم کو لگی ہو جو بہت پیاس
دم گھٹتا ہے محمل مین تو آجاؤ مرے پاس

تکلیف تمہاری ہمین منظور نہین ہے
دن ڈھلتا ہے، منزل بھی بس اب دور نہین ہے

مشکین لئے سقّے جو سواری کے تھے ہمراہ
بھرلاتے تھے پانی، سپہِ فوجِ شہِ ذیجاہ
جسطرح کہ پیاسون کا ہو مجمع بسرِ راہ
پانی پہ گرے پڑتے تھے یون شہ کے ہوا خواہ

جنگل مین عطش کا جو تھا صدمہ کہ دمِ سیر
چہرے پہ چڑکتا تھا، کوئی کوئی زرہ پر

گرمی سے بچنے کی تدبیرین

بھرتا تھا دمِ سرد، پریشان کوئی ہو کے
دامن سے ہوا دیتا تھا مُنہ کو کوئی دھو کے
بچتا تھا کوئی لُون سے، ردا چہرے پہ رُو کے
رکھ لیتا تھا سر پر کوئی رومال بھگو کے

پڑتی نہین جو چھینٹین تو مزا دیتا تھا پانی
جُھک کر کوئی چلّو ہی سے پی لیتا تھا پانی

کہتے تھے قرین ناقون کے اکرمشہ ابرار
حاضر ہے جو پانی کسی بی بی کو ہو درکار
آندھی ہے گھٹا ٹوپ اُڑے جاتے ہین ریگزار
اے بنت یداللہ سکینہؑ سے خبردار

رستا یہ پہاڑون کا ہے منزل یہ کڑی ہے
بچون کو چھپائے رہو، لون آج بڑی ہے

محمل سے نظر کر کے یداللہ کی جائی
کہتی تھی کہ اللہ نے یہ شکل دکھائی
جس دن سے چھٹا گھر کہین راحت نہین پائی
فریاد بہن دھوپ مین سونا لگی بھائی

کیا بن گئی جنگل مین امامِ دوسرا پر
سایہ بھی درختون کا نہین ظلِ ہما پر

صدقے گئی جنگل کی شتابی ہو پہین چلیے
دن کاٹیے سایہ مین کہین رات کو چلیے
مُنہ دھوئے دم لیجیے پوشاک بدلیے
لون چلتی ہے آفت کی پہاڑون سے نکلیے

ناشاد بہن آپ کی عزت پہ فدا ہو
بچہ کوئی گر تونس کے مرجائے تو کیا ہو

مثال ۷۔

لڑائی کی طیاری

طبل جنگ بجنے پر شجاعون کی کیا حالت ہوتی ہے۔

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف
مشکل کشا کی فوج نے باندھی اُدھر بھی صف
تیرون نے رخ کیا سوے ابن شہ نجف
سینون کو غازیون نے اُدھر کر دیا ہدف

تھا بسکہ شوق جنگ ہر یک رشک ماہ کو
جوش آگیا دغا کا حسینی سپاہ کو

غصے سے آفتاب ہوے موشون کے رنگ
فوجون پہ جا پڑین یہ دلون کو ہوئی اُمنگ
تن تن کے برچھیان جو سنبھالین برائے جنگ
بیچین ہو گئے فرسِ ابلق و سرنگ

پاسِ ادب سے شاہ کی اصف بڑھے تھم گئی
پٹری ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضہ کو چوم کے
بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
بولا کوئی یہ غول ہین کیا شام و روم کے
ٹکڑے اُڑائین گے عمر و شمر شوم کے

نامرد جو ہین آنکھ چُراتے ہین مرد سے

دونون کو چار کرکے پھرین گے بنرد سے

دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی
چتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی

بل کھا کے زلف رخ پہ کسی کے اکڑ گئی
منہ سرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی

نکلا کوئی سمند کو زانون مین داب کے
غصے سے رہ گیا کوئی ہونٹون کو چاب کے

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے

نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے

اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشون سے چل کے پاٹ دو نہر فرات کو

سنتے ہی یہ کلام جوانان نام ور
کہتے تھے نیچے لیے وہ غیرت قمر

لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
یارب شکست کوفیون کو دے ہمین ظفر

سر کے نہ پھرو غا مین جو بڑھ کے قدم گڑے
جا کر دریز ید پہ اپنا علم گڑے

مثال ۸

بیکسی اور تنہائی

حضرت پہ اُدھر ہوتی ہے اعدا کی چڑھائی
سیدانیان دیتی ہین محمد کی دہائی

تنہا ہین نہ بیٹا نہ بھتیجا ہے نہ بھائی
اعدا مین یہ غل ہے کہ کرو فتح لڑائی

ڈوبے ہوئے خون مین شہدا گرد پڑے ہین

گھوڑے پہ اکیلے شہِ ابرار کھڑے ہین

ہے تابشِ خور سے عرق افشان رخِ گلفام
لب خشک ہین پانی کا میسر نہین اک جام
لون چلتی ہے خاک اُڑتی ہے ظہر کا ہنگام
تنہا پہ چلی آتی ہے اُمنڈی سپہِ شام

یہ شوقِ شہادت ہے شہنشاہِ زمن کو
بوچھار سے تیرون کے بچاتے نہین تن کو

ہین آگ مین تیغون کے کھڑے پر نہین کچھ غم
اُمت پہ نہ آنچ آئے دعا ہے یہی ہر دم
ہین گرد بیابان مین اُڑے گیسوے پُرخم
نیلے ہین لب لعل یہ ہے پیاس کا عالم

بو آتی ہے دریا سے برادر کے لہو کی
چھینٹین ہین قبا پر علی اکبرؑ کے لہو کی

ذکرِ غمِ عباسؑ بھی اصلا نہین کرتے
غیرت سے نظر جانبِ دریا نہین کرتے
خونِ علی اکبرؑ کا بھی دعوا نہین کرتے
امت کے یہ ہین ظلم پہ شکوا نہین کرتے

پانی کے بھی طالب نہین گو تشنہ دہن ہین
کلمے ہین نصیحت کے محبت کے سخن ہین

مثال ۹-

فوج کا داخلہ اور طیاری جنگ

خیمہ مین اُترے یان تو شہِ عرش بارگاہ
آ آ کے اُس طرف بھی اُترنے لگی سپاہ
کوسون علم کھلے تھے جدھر کیجیے نگاہ
یان تک کہ بند ہو گئی چارون طرف سے راہ

فوجون سے تا بہ صبح زمین رن کی بھر گئی
اک رات مین چڑھی ہوئی ندی اُتر گئی

اس کثرتِ سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دہوم
جسکی جلو مین لاکھہ سوارون کا ہے ہجوم

آپہونچا شام سے پسرِ سعد نحس و شوم
اکثر ہین یکہ تاز جوانانِ شام و روم

بس کُھل گیا نہ طورِ صفائی کا ہوئے گا
اب کل سے بند و بست لڑائی کا ہوئے گا

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشان
موجون کی طرح سب نہین صفین پیش و پس روان

امڈا زمین پہ ظلم کا دریائے بیکراں
لہراتے تھے ہوا سے علم مثلِ بادبان

ہلتا تھا دشت کین دہل اس طرح بجتے تھے
باجون کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیون کے پرے شامیون کے دل
مکار و اہلِ نار و دغا باز و پر دغل

خوف خدا نہ جن کو نہ اندیشہ اجل
شکلین مہیب دیو سے قد ابرؤن پہ بل

بدخواہ خاندان رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلوارین کھینچے بڑھ کے جمے دو طرف سوار
ڈنکے کی دمبدم تھی صدا آسمان کے پار

غل ہوگیا سلامی کے باجون کا ایک بار
"آگے بڑھے چلو" یہ نقیبون کی تھی پکار

گھوڑون کے گرد و پیش رئیسانِ شام تھے
زرین کمر جلو مین کئی سو غلام تھے

مثال ۱۰ حضرت عباسؑ نہر سے مشک بھر چکے ہین اور واپس آنا چاہتے ہین، دشمن یہ دیکھہ کر ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے ہین حضرت عباسؑ اس کشمکش مین ہین کہ آپ کو بچائین یا مشک کو سنبھالین

اس وقت کے مضطربانہ حرکات کی تصویر ؎

اِک تشنہ کام لاکھون مین کس کس کو دے جواب
شل ہو گیا تھا بازوے فرزندِ بوتراب

کہتا تھا ہات اُٹھنے کی مجھ مین نہین ہے تاب
لڑنے مین فکر تھی کہ نہ ضایع ہو مشکِ آب

پروانہ تھی جو بازوؤن پر تیر کھاتے تھے
لیکن سپر سے مشکِ سکینہ بچاتے تھے

برچھی سے چھد گیا کبھی دل اور جگر کبھی
اِک شیر سے ادھر کبھی چمٹے اُدھر کبھی

چھاتی تلے تھی مشک کبھی دوش پر کبھی
سینہ کبھی تھا مشک کے اوپر سپر کبھی

رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے
روتے تھے بازوؤن کو علی چوم چوم کے

تکتے تھے مسکرا کے سوے آسمان کبھی
ہونٹون پہ پھیر لیتے تھے سوکھی زبان کبھی

لگتا تھا تن پہ تیر کبھی اور سنان کبھی
جھکتے تھے خود فرس سے کبھی درفشان کبھی

گھوڑے کو جب بڑھاتے تھے رانون مین داب کے
قدمون سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے

چھینٹین لہو کی اُڑ کے جو پڑتی تھین مشک پر
دامن سے پوچھتے تھے علمدارِ نامور

یہ پاس تھا کہ تیغون سے ٹکڑے ہو میرا سر
شقہ مگر علم کا لہو سے نہ ہوے تر

اقبال بادشاہِ زمین و زمان رہے
دنیا مین مین رہون نہ رہون یہ نشان رہے

ولہ

گر گر کبھی اُٹھے؟ کبھی رکھا زمین پہ سر
اُبلا کبھی لہو، تو سنبھالا کبھی جگر

حسرت سے کی، خیام کی جانب کبھی نظر
کروٹ کبھی تڑپ کے ادھر لی کبھی اُدھر

اُٹھ بیٹھے جب، تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن میں گڑ گئے، جب مُنہ کے بل گرے

مثال ۱۱-

پردہ کا اہتمام

بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار
روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار
فراشوں کو عباسؑ پکارے یہ بہ تکرار
پردے کی قناتوں سے خبردار خبردار

باہر حرم آتے ہیں رسولؐ دوسرا کے
شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے
اتنا ہوا دہر جو وہ اُسی جا پہ وہ ٹھہر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے
دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے

مریم سے سوا حق نے شرف ان کو دیئے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کئے ہیں

آپہونچی جو ناقہ کے قریں دختر حیدرؑ
خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے سبط پیمبرؐ
فضہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر
تھے پردۂ محمل کو اُٹھائے علی اکبرؑ

فرزند کمر بستہ چپ و راس کھڑے تھے
نعلین اُٹھا لینے کو عباسؑ کھڑے تھے

مثال ۱۲-

مستورات کا محمل سے اُترنا

جمازۂ زینبؑ جو قریں ڈیوڑھی کے پہونچا
کُرسی سے اُٹھے آپ شہ یثرب و بطحا

گرد آ کے کیا قاسمؑ و عباسؑ نے پردا
محمل سے اُترنے جو لگی دختر زہراؑ

اک ہاتھ علی اکبرؑ ذیجاہ نے تھاما
اک ہاتھ جگر بند یداللہ نے تھاما

چھاتی سے سکینہ کو لگائے ہوئے اُترین
آنسو رخِ انور پہ بہائے ہوئے اُترین
شہزادی کو چادر مین چھپائے ہوئے اُترین
پردا تھا مگر سر کو جھکائے ہوئے اُترین

مثال ۱۳ - عون و محمد میدان جنگ مین لڑ رہے ہین، سیدانیان دروازہ پر بدحواس کھڑی ہین حضرت زینبؑ فضہ سے پوچھتی ہین کہ میرے بچے کیا کر رہے ہین؟ وہ جواب دیتی ہے ؎

سیدانیان دروازہ پہ تھین کھولے ہوئے سر
اصغرؑ کو لئے کانپتی تھی بانو بے پر
فضہ تھی پریشان، کئے مو خیمہ کے اندر
پردہ سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر

بتلا مجھے بچے مرے کیا کرتے ہین دونون
وہ کہتی تھی لاکھون سے وغا کرتے ہین دونون

وہ رُخ پہ نظر آتے ہین، اُڑتے ہوئے گیسو
وہ شیہ بجلی کی طرح گرتے ہین ہر سو
ڈھالین لئے وہ بھاگتے پھرتے ہین جفا جو
وہ ابر مین چھپ چھپ کے نکل آتے ہین مہ رو

بہتا ہے لہو چھاتیون سے - چور ہین دونون
کس طرح پکارون کہ بہت دور ہین دونون

مثال ۱۴ - حضرت عباسؑ نہر کے کنارے پہنچے ہین - گھوڑا کئی دن کا پیاسا تھا - پانی دیکھ کر بیتاب ہو گیا ہے، لیکن چونکہ تمام قافلہ پیاسا ہے، حضرت عباسؑ اسکو پانی پینے سے روکتے ہین - اس وقت گھوڑے کی حالت ؎

دو دن سے بیزبان پہ جو تھا آب دانہ بند
دریا کو جھنکا کے لگا دیکھنے سمند

ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند
چمکارتے تھے حضرت عباسؑ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

مثال ۱۵ - حضرت امام حسین علیہ السلام کا میدان کربلا مین داخلہ، رفقا سے خطاب، اور نوجوانون کی سیر و تفریح

اُترا یہ کہہ کے کشتی امت کا ناخدا
جتنے سوار تھے وہ ہوے سب پیادہ پا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا
دیکھو تو، کیا ترائی ہے؟ کیا نہر؟ کیا فضا

اکبرؑ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہ سربلند
کیون یہ مقام ہے تمہین شاید بہت پسند
کی مسکرا کے، عرض کہ اے شاہِ ارجمند
بس ہان تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند

شیراب یہین رہین گے عنایت جو رب کی ہے
مین کیا کہون حضور، ترائی غضب کی ہے

روتے ہوے وہان سے بڑھے آپ چند گام
گویا زمین کی سیر کو اُترا مہ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدرؑ کے لالہ فام
شکلین وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام

زلفین ہوا مین اُڑتی نہین؟ ہاتون مین ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

مثال ۱۶

تمام رفقا کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ کی بیکسی، اور دشمنون کا نرغہ

مومنو خانۂ زہراؑ پہ تباہی ہے آج
گھر پہ سادات کے پانی کی مناہی ہے آج

تن تنہا خلفِ شیرِ الٰہی ہے آج
خلق سے سبطِ نبیؐ خلد کو راہی ہے آج

قتل کی بیکس و مظلوم کی تدبیرین ہین
ایک نبیؐ زادہ ہے اور سیکڑون شمشیرین ہین

نیزے تانے ہوئے اُمڈے چلے آتے ہین سوار
ہین کمان دار پر اباندھے ہوئے تیس ہزار
تیغین کھینچے ہوئے چوگرد کھڑے ہین جو اُدھار
غل ہے مہلت نہ ملے سبطِ نبیؐ کو زنہار

برقِ شمشیر ہر اک جا پہ چمک جاتی ہے
جسطرف دیکھتے ہین موت نظر آتی ہے

نہ ہے غمخوار نہ ہمدرد نہ یاور کوئی
نہ بھتیجا ہے نہ بیٹا نہ برادر کوئی
نہین اتنا ہے خبر پوچھے جو آکر کوئی
ایک اللہ تو ہے اور نہین سر پہ کوئی

تھے جو غمخوار وہ ریتی پہ پڑے سوتے ہین
اپنی تنہائی پہ شاہِ دوجہان روتے ہین

جسم پر تیغ لگاتا ہے کوئی اور کوئی تیر
خون مین سر تا بقدم تر ہین جنابِ شبیرؑ
روکے فرماتے ہین اعدا سے کہ اے قومِ شریر
کیا گنہ ہے مجھے کیون مارتے ہو بے تقصیر

یون ستاؤ نہ کہ مین مرگ پہ آمادہ ہون
رحم لازم ہے کہ سید ہون نبیؐ زادہ ہون

کوئی سنتا نہین فریادِ امامِ عالی
برچھیان چلتی ہین اور ہوتے ہین ترکش خالی
ماہِ زہراؑ پہ فلک نے یہ مصیبت ڈالی
خون مین تر زلفین ہین بانٹک ہے پریشان حالی

زخمِ تلوارون کے خاموش کھڑے کھاتے ہین
غش مین جھکتے ہین کبھی گاہ سنبھل جاتے ہین

لاشۂ اکبرؑ و عباسؑ جو آتا ہے نظر
تھام لیتے ہین کلیجہ کبھی اور گاہ جگر
رو کے فرماتے ہین بیٹے سے کہ اے جانِ پدر
ایسے غافل ہو کہ لیتے نہین بابا کی خبر

مرے پیارے مرے جائے مرے دلبر اُٹھو
ہم پہ تنہائی ہے اُٹھو علی اکبرؑ اُٹھو

لاش عباسؑ سے کرتے ہین بصد یاس بیان
اے مرے یار وفادار مرے شیر جوان
وقتِ امداد و اعانت ہے برادر قربان
چھوڑ کر ہمکو لعینون مین سدھارے ہو کہان

لاکھ ملعونون نے میدان مین ہمین گھیرا ہے
تمنے بھائی سے عجب وقت مین مُنہ پھیرا ہے

کہتے تھے اہل ستم حال سُناتے ہو کسے
مر گئے اکبرؑ و عباسؑ بلاتے ہو کسے
کون ہے بیکس و مظلوم دکھاتے ہو کسے
چونکتے ہین کہین مردے بھی جگاتے ہو کسے

حلق پر خنجرِ خونخوار پھرا دیتے ہین
اب تمہین بھی اسی مقتل مین گرا دیتے ہین

رو کے فرماتے ہین یہ فوجِ ستمگار سے شاہ
ذبح ہونے کی مجھے عید ہے خالق ہے گواہ
غم مین اپنون کے کیونکر نہ کرون نالہ و آہ
اُن کو روؤن گا مین جبتک کہ جیون گا واللہ

بھولتا ہے کوئی اسطرح کے غمخوارون کو
یاد کرتے ہین وفادار وفادارون کو

دشت مین چلتی ہے لو دھوپ کی شدت ہے کمال
جیٹھ بیساکھ کے ایام ہین اور وقتِ زوال
سُرخ ہے خون سے قبا دھوپ سے رخسار ہے لال
نکلی آتی ہے زبان مُنہ سے یہی پیاس کا حال

تن جلا جاتا ہے جب گرم ہوا آتی ہے

ریت اوڑ اوڑ کے ہر اک زخم مین بھر جاتی ہے

تیر بیٹھا ہے جو اس چاند سی پیشانی پر
خون کی چادر سی ہے اک چہرۂ نورانی پر
ہے عجب بیکسی اُس فاطمہ کے جانی پر
کبھی اعدا پہ نظر ہے تو کبھی پانی پر

تیغین کہا کہا کے لبِ خشک جو دکھلاتے ہین
تیر اُدھر سے عوضِ جرعۂ آب آتے ہین

جون کمان کٹ کے گلے آئے ہین ابرِ خدا
ہین لہو رونے سے وہ نرگسی آنکھین بینا
بوسے جن ہونٹون کے لیتے تھے رسولِ مختار
پیاس سے سوکھ گئے ہین وہ لب گوہر بار

چاند منہ سندہ تھا جن پھول سے رخسارون سے
چاک ہین مثل کتان ظلم کی تلوارون سے

زخمی ہین ابن یداللہ کے دونون بازو
ہاتھ بیہات کہ یکدست ہین اب بے قابو
تیغ شانے پہ کبھی لگتی ہے ساعد پہ کبھو
اونگلیان ایسی ہین زخمی کہ ٹپکتا ہے لہو

پر یہ ہے امتِ محبوبِ خدا کی خاطر
زخمی ہاتھون کو اُٹھائے ہین دعا کی خاطر

سخت آفت مین ہے وہ پشت و پناہِ عالم
کمر پاک ہے بارِ غمِ عباس سے خم
علی اکبر کی جوانی کا ہے جانکاہ الم
زانو پر مارتے ہین دست تاسف بہ ندم

وار سے تیغون کے اعضائے بدن کٹتے ہین
کہبھی سے پر کہین شیرون کے قدم ہٹتے ہین

ساتھ اسوار کے زخمی ہے سراپا رہوار
کئی سو تیر ہین گردن سے بھی اوپر پیدا

یال سے خون کی بوندین ہین ٹپکتی ہر بار
نہ کھڑے رہنے کی طاقت ہے نہ تاب رفتار

تیر جب لگتا ہے کچھ کہہ تو نہین سکتا ہے
پھیر کر منہ شہ والا کی طرف تکتا ہے

شاہ فرماتے ہین اے میرے رفیق وہمدم
ہے مجھے اپنے عزیزون کے برابر ترا غم
ہمسے تو چھٹتا ہے اب تجھسے جدا ہوتے ہین ہم
مر کے بھی تجھکو نہ بھولون گا مین خالق کی قسم

خلق سے سوے عدم کوچ کی تیاری ہے
آخری اب ترے آقا کی یہ اسواری ہے

دیکھ لے تیری طرح مین بھی ہون زخمی واللہ
فاقہ مجھپر بھی ہے اور تو بھی ہے بے دانہ و کاہ
ہے اگر تشنہ دہانی سے ترا حال تباہ
تین دن گذری ہین پانی سے نہین ہون آگاہ

تو زبان خشک جو منہ پھیر کے دکھلاتا ہے
پسر ساقی کوثر کو حجاب آتا ہے

مثال ۱۷ - اس سین کو ایک دوسرے موقع پر دکھایا ہے ؎

آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے
ظلم کی چاند پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہے
اُس طرف لشکر اعدا مین صف آرائی ہے
یان نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے

برچھیان کھاتے چلے جاتے ہین تلوارون مین
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگارون مین

زخمی بازو ہین کمر خم ہے بدن مین نہین تاب
ڈگمگاتے ہین نکل جاتی ہے قدمون سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہین آنکھین ہین پر آب
تیغ سے دیتے ہین ہر وار کا اعدا کو جواب

شدت ضعف مین جس جا پہ ٹھہر جاتے ہین

سیکڑون تیر ستم تن سے گذر جاتے ہین

گیسو آلودۂ خون لپٹے ہین رخسارون سے
شانے کٹ کٹ کے لٹک آئے ہین تلوارون سے
تیر پیوست ہین خون بہتا ہے سو فارون سے
لاکھ آفت مین ہے اک جان دل آزارون سے

فکر ہے سجدۂ معبود مین سر دینے کی
وار سے تیغون کے فرصت نہین دم لینے کی

خون مین تر پیچ عمامے کے ہین سر زخمی ہے
ہے جبین چاند سی پُر نور مگر زخمی ہے
سینہ سب برچھیون سے تا بہ کمر زخمی ہے
تیر بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے

ضرب شمشیر سے بیکار ہین بازو دونون
ظلم کے تیرون سے مجروح ہین پہلو دونون

برچھی آکر کوئی پہلو پہ لگا جاتا ہے
مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھتے ہین زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے
بند آنکھین ہین سر پاک جھکا جاتا ہے

گرد زہرا و علیؑ گریہ کناں پھرتے ہین
غل ہے گھوڑے سے امام دو جہان گرتے ہین

گرتے ہین قطرۂ خون زخم جبین سے پیہم
دست مجروح سے کھچ سکتے نہین تیر ستم
فکر ہے بخشش امت کی کچھ اپنا نہین غم
کرتے ہین حمد خدا خشک زبان سے ہر دم

ہے عبا تیرون سے غربال قبا گلگون ہے
ہونٹ یاقوت سے زخمی ہین دہن پُر خون ہے

زین سے ہوتا ہے جدا دوش محمدؐ کا مکین
چمن فاطمہؑ کا سرو ہے مائل بہ زمین
برچھیان گرد ہین اور بیچ مین ہے سرور دین
ہے یہ نزدیک گرے مہر نبوت کا نگین

پاؤن ہر بار رکابون سے نکل جاتے ہین
یا علیؑ کہتی ہے زینبؑ تو سنبھل جاتے ہین

لاکھ شمشیرین ہین اور ایک تنِ اطہر ہے
ایک مظلوم ہے اور ظالمون کا لشکر ہے
سیکڑون خنجر فولاد ہین اور اک سر ہے
نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے

باگ گھوڑے کی لٹکتی ہے اُٹھا سکتے نہین
سامنے اہل حرم روتے ہین جا سکتے نہین

کوئی سید کا نہین آہ بچانے والا
حربے لاکھون ہین اور اک زخم اُٹھانے والا
پیاس مین کوئی نہین پانی پلانے والا
سینکلے کسطرح بھلا برچھیان کھانے والا

چرخ سے آگ برستی ہے زمین جلتی ہے
مارے گرمی کے زبان خشک ہے لون جلتی ہے

کہین دم لینے کو سایہ نہین ہے وقتِ زوال
اینٹھی جاتی ہے زبان پیاس کی شدت سے کمال
کبھی زینبؑ کا ہے غم گاہ سکینہؑ کا خیال
دل جو ڈھلتا ہے تو حضرت ہوئے جاتے ہین نڈھال

مثلِ خورشید بدن ضعف سے تھراتا ہے
نیر برجِ امامت پہ زوال آتا ہے

کہتے ہین ظالمون سے خشک زبان دکھلا کر
بھر حق پانی کا اک جام پلا دو لا کر
اہل کین کہتے ہین یہ تیغ ستم چمکا کر
آپ شمشیر ہین جیون سے پھل کھا کر

یہ سخن سنکے بھی غصہ نہین فرماتے ہین
یاس سے سب فلک دیکھکے رہ جاتے ہین

عرض کرتے ہین یہ خالق سے کہ اے رب غفور
تو ہے عالم کہ نہین کچھ ترے بندون کا قصور

کرتے ہین یہ مجھے بجرم و خطا تیغون سے چور		ہاتھ امت پہ اُٹھانا نہین مجھکو منظور	

جانتے ہین کہ محمدؐ کا نواسا ہون مین
پانی دیتے نہین دو روز کا پیاسا ہون مین

واقعہ نگاری

اُردو زبان کا ایک مشہور انشا پرداز لکھتا ہے۔

"فارسی مین صدہا نظم و نثر کی کتابین ہین جن کے خیالات، باریکی اور تاریکی عبارت مین، جگنو سے اُڑتے نظر آتے ہین لیکن کیا حاصل؟ اس انداز مین اصلی ماجرا ادا کرنا چاہو تو ممکن نہین، ایسی ان کا دودھ پی کر اُردو نے پرورش پائی تو اسکا کیا حال ہوگا"

فارسی کے متعلق تو یہ الزام تسلیم نہین کیا جا سکتا، لیکن کچھ شبہہ نہین کہ اُردو مین جس چیز کی بڑی کمی ہے وہ یہی واقعہ نگاری ہے، شاعری کی جو صنفین اُردو مین آئین، وہ قصیدہ اور غزل تھی، ان دونون کو واقعہ طرازی سے کوئی نسبت نہ تھی، مثنویان جو لکھی گئین وہ مورخانہ نہین بلکہ عاشقانہ تھین، اس لئے اصلی واقعات کے اظہار کی چندان ضرورت پیش نہین آئی، اُردو زبان کی نسبت جو کم مائگی کی شکایت ہے، وہ زیادہ تر اسی لحاظ سے ہے کہ وہ ہر قسم کے واقعات، معاملات، کاروبار۔ معاشرت، کے جزئیات کے ادا کرنے پر قادر نہین، اسی بنا پر، اگر اُردو نظم مین، کوئی تاریخ کی کتاب لکھنا چاہین تو نہین لکھ سکتے،

واقعہ نگاری کی دو قسمین ہین،

(۱) واقعہ نگار کسی تاریخی واقعہ کو بے کم و کاست نظم کر دے، اسکے لئے صرف زبان پر قدرت درکار ہے شاعری کی چندان ضرورت نہین۔

(۲) واقعہ، اجمالاً معلوم ہے، لیکن واقعہ نگار، واقعہ کے تمام جزئیات اور حالات، اپنی طبیعت سے پیدا

کرتا ہے، وہ واقعہ کی نوعیت کو دیکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس قسم کے موقع پر فطرت کا اقتضا کیا ہے، ان تمام چیزون کو وہ موجود فرض کر لیتا ہے اور ان کو ادا کرتا ہے۔

اس قسم کی **واقعہ نگاری** کا کمال یہ ہے کہ جو کچھ بیان کیا جائے بالکل بیان واقعی ہو، اور تمام واقعات مین اس قسم کا تناسب، ربط، اور موزونی ہو کہ کسی واقعہ کی نسبت، شک کا احتمال بھی نہ آنے پائے۔ اس قسم کی واقعہ نگاری کے لئے صرف قدرت زبان کافی نہین، بلکہ فطرت کا بڑا نکتہ دان ہونا درکار ہے، مثلاً شاعر احباب کی جدائی کا واقعہ لکھنا چاہتا ہے تو اسکو اُن تمام جزئی کیفیتون پر نظر ہونی چاہیئے جو اس حالت مین پیش آتی ہین مثلاً یہ کہ اس حالت مین ایک دوسرے کو کس حسرت آمیز نگاہ سے دیکھتا ہے؟ کس قسم کی باتین کرتا ہے؟ کن باتون سے دل کو تسلی دیتا ہے؟ رخصت کے وقت بے اختیار کیا حرکات صادر ہوتے ہین، آغاز کی کیفیت، کس طرح بتدریج ترقی کرتی جاتی ہے؟ حاضرین پر ان سے کیا اثر پڑتا ہے؟ پھر جُدائی جُدائی مین بھی فرق ہے، باپ بیٹے کی جدائی، بھائی بھائی کی جدائی، زن و شوہر کی جدائی۔ احباب کی جُدائی، ان مین سے ہر ایک کی الگ الگ خصوصیات ہین، ان مختلف، اور کثیر الانواع خصوصیات کا احاطہ کرنا، اور ان کو موثر پیرایہ مین ادا کرنا شاعرانہ واقعہ نگاری ہے،

اسی طرح لشکر کشی، معرکہ آرائی، فتح و شکست، سفر و حضر۔ بیماری و موت، قید و بند۔ دشت نوردی و بادیہ پیمائی، سیکڑون ہزارون واقعات ہین، اور ہر واقعہ کی سیکڑون جزئیات ہین، ان تمام کا احاطہ کرنا، اور اُن کو ہو بہو ادا کر سکنا، کمال شاعری ہے۔

اُردو زبان مین چونکہ ایک مدت تک بیہودہ مبالغہ اور خیال بندی کی گرم بازاری رہی، اس لئے واقعات کے ادا کرنے کے لئے جو الفاظ۔ ترکیبین، اصطلاحات مقرر ہین، استعمال مین نہین آئین اس لئے آج نئے سرے سے ان کو استعمال کیا جائے تو یا ابتذال یعنی عامیانہ پن یا غرابت یعنی روکھا پن پیدا ہو جاتا ہے، نظیر اکبرآبادی کے کلام مین جو سوقیانہ پن ہے، اسکا یہی راز ہے۔ میر حسن نے اپنی مثنوی مین

اکثر واقعات کا سمان دکھانا چاہا ہے اور یہ ان کی صحیح المذاقی کا نتیجہ ہے لیکن اکثر جگہہ ابتذال پیدا ہو گیا ہے،

ع کرے کو کڑے سے بچاتی چلی، اگر واقعہ نگاری ہے، تو شعرا نے اچھا کیا کہ واقعہ نگاری سے الگ رہے

واقعہ نگاری جب کمال کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے تو اُسکو مُرقّع نگاری کہتے ہین جسکو آج کل کی زبان مین کسی چیز کا سمان دکھانا، یا سین دکھانا کہتے ہین۔

میر انیس نے، واقعہ نگاری کو جس کمال کے درجہ تک پہنچایا ہے، اُردو کیا فارسی مین بھی اسکی نظیرین مشکل سے مل سکتی ہین، اُنکے کمال کی خصوصیات حسب ذیل ہین۔

(۱) ہر قسم کے واقعات و معاملات و حالات اس کثرت سے نظم کئے ہین کہ واقعہ نگاری کی کوئی صنف باقی نہین رہی جو اُنکے کلام مین نہ پائی جاتی ہو۔

(۲) کوئی واقعہ جب سامنے آتا ہے تو عام نگاہین، صرف نمایان باتون پر پڑتی ہین اور اس لئے جب لوگ اُن کو بیان کرنا چاہتے ہین، تو انھی نمایان باتون کو بیان کرتے ہین، لیکن ایک دقیق النظر اُن تمام جزئیات پر بھی نظر ڈالتا ہے، اور اُن کو ظاہر کرتا ہے یہ جزئیات جب ادا کئے جاتے ہین تو سامعین پر اسطرح کا اثر پڑتا ہے گویا کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی، اسکے علاوہ واقعہ کی پوری پوری تصویر کھینچنے سے دل پر ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ یہ جزئیات، اکثر شعرا نظر انداز کر جاتے ہین جسکی وجہ اکثر تو یہ ہوتی ہے کہ اُن پر عام نگاہین پڑ نہین سکتین، اور زیادہ تر یہ کہ ہر شخص اُن کے ادا کرنے پر قادر نہین ہوتا، لیکن میر انیس چونکہ فطرت اور معاشرت انسانی، کے بہت بڑے رازدان ہین، اس لئے دقیق سے دقیق، اور چھوٹے سے چھوٹا نکتہ بھی اُنکی نظر سے بچ نہین سکتا اسکے ساتھ زبان پر یہ قدرت ہے، کہ کہین اُنکو دقّت پیش نہین آتی،

مثلاً ایک موقع پر گھوڑے کی تیز روی کو لکھا ہے قاعدہ ہے کہ گھوڑا جب حد سے زیادہ تیز دوڑتا ہے تو اکثر اُسکی دونو کنوتیان کھڑی ہو کر مل جاتی ہین، اسکو بعینہ اسطرح ادا کیا ہے،

ع دونون کنوتیان بھی کھڑی ہو کے مل گئین۔

حضرت عباسؑ، جب نہر کے پاس پہنچے ہین، تو گھوڑا جو کئی دن کا پیاسا تھا، پانی دیکھکر بیتاب ہوگیا ہے لیکن حضرت عباسؑ اسکو پانی پینے سے روکتے ہین، اس موقع پر واقعہ کی اصلی صورت کھینچنے کے لئے یہ ضرور ہے کہ اس کشمکش کے موقع پر جو اضطرابی حالت پیش آسکتی تھی، وہ دکھائی جائے چنانچہ میر انیس کہتے ہین ؎

واقعہ کی جزئیات

دو دن سے بیزبان پہ جو تھا آب و دانہ بند
دریا کو ھنھنا کے لگا دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند
چمکارتے تھے حضرت عباسؑ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

یا مثلاً حضرت امام حسینؑ کے سامنے اُن کے ترسانے کو جب عمر بن سعد نے پانی منگوا کر پیا ہے، اس موقع پر کہتے ہین، ع ظالم نے ڈگڈگا کے پیا سامنے جو آب،

ڈگڈگا کے پانی پینا، ایک معمولی اور غیر مہتم بالشان واقعہ ہے لیکن ایک تشنہ لب کے ترسانے کے مضمون مین اسکا اظہار، حسن بلاغت کا ایک بڑا ضروری نکتہ ہے۔

یا مثلاً ایک موقع پر گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت کو لکھا ہے، ع وہ ہات ہٹ کے آپنے رکھا ایال پر،

گھوڑے سے ذرا ہٹ کر ایال پر ہات رکھنا، اور سوار ہونا، سواری کی مخصوص حالت ہے، اس لئے واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لئے اس حالت کا دکھانا ضرور تھا۔

یا مثلاً حضرت شہربانوؑ جب اپنی بیٹی صغراؑ سے رخصت ہونے لگی ہین، تو اصغرؑ کی طرف سے جو صرف چھ مہینے کے تھے، رخصت کے معمولات ادا کراتے ہین اس موقع پر اکثر مستورات کا دستور ہے کہ بچے کا ہات اُسکی پیشانی پر رکھکر، کہتی ہین کہ دیکھو یہ تمہین سلام کرتے ہین اس حالت کو بعینہ ادا کیا ہے ؎

بانو نے کہا دستِ پسر ماتھے پہ رکھ کر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہین اصغر

یا مثلاً جوانان اہل بیت کی سیر و خوش خرامی کے موقع پر لکھتے ہین ؎

زلفین ہوا مین اُڑتی تھین، ہاتھون مین اُستھے	لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

یا مثلاً جب رفقاے امام علیہ السلام صف نماز سے لڑائی کے لئے اُٹھے ہین اس موقع پر لکھتے ہین ؎

طیار جان دینے پر چھوٹے بڑے ہوئے	تلوارین ٹیک ٹیک کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے

یا مثلاً حضرت عباسؑ، جب گھوڑا اُڑاتے ہوئے نہر کی طرف گئے ہین، تو دریا کے نگہبانون سے جو نشیب مین تھے اُسوقت آنکھ چار ہو جاتی تھی، جب گھوڑا زیادہ اُنچا اُڑ جاتا تھا، اس حالت کو اسطرح ادا کیا ہے ؎

برچھیون اُڑتا تھا دب دب کے فرس رانون سے	آنکھ لڑجاتی تھی دریا کے نگہبانون سے

یا مثلاً سکینہؑ جب قید خانہ مین دربانون سے اپنا حال کہنے گئی ہین وہان لکھا ہے، ؎

بولا نہ جب کوئی تو ہوا غم زیادہ تر	دیوار پکڑے پکڑے گئی وہ قریب در
پٹ کو ہلا ہلا کے پکاری وہ نوحہ گر	دربانون جاگتے ہو کہ سوتے ہو بے خبر

بیکس ہون، تشنہ لب ہون، فلک کی ستائی ہون
کچھ تم سے اپنا حال مین کہنے کو آئی ہون

دو حریفون کی معرکہ آرائی کو جہان مرزا دبیر وغیرہ لکھتے ہین، صرف عام طرح پر اوپری اوپری باتین لکھ دیتے ہین یہ مطلق پتہ نہین چلتا کہ دونون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، لیکن میر انیس اکثر جگہہ اُن خصوصیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہین، اور یہ انکی قدرت زبان، کی سب سے بڑی دلیل ہے، مثالین رزمیہ کے عنوان مین آئینگی اب ہم ہر قسم کی واقعہ نگاری کی چند مثالین درج کرتے ہین،

۱ حضرت امام حسینؑ، کا کربلا مین داخلہ، دشمنون کی روک ٹوک، رفقاے امام کی برہمی، امام علیہ السلام کی صلح پسندی اور درگذر وغیرہ وغیرہ ؎

اُترا یہ کہکے کشتی امت کا ناخدا	جتنے سوار تھے وہ ہوے سب پیادہ پا

حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا
دیکھو تو کیا ترائی ہے کیا نہر کیا فضا

اکبرؑ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہ سربلند
کیوں یہ مقام ہے تمھیں شاید بہت پسند
کی مسکرا کے عرض کہ یا شاہِ ارجمند
بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند

شیرابِ بیں رہیں گے عنایت جو رب کی ہے
بس کیا کہوں حضور ترائی غضب کی ہے

روتے ہوئے وہاں سے بڑھے آپ چند گام
گویا زمین کی سیر کو اترا مہ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدرؑ کے لاڑ فام
شکلیں وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام

زلفیں ہوا میں اڑتی تھیں ہاتھوں میں ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

تکنے لگے پہاڑوں کو مسلمؑ کے دونوں لال
پھولوں سے کھیلنے لگے زینبؑ کے نونہال
سبزے سے واں کے ابنِ حسنؑ خوش ہوئے کمال
کی عرض اس زمین کا ہر اک گل ہے بے مثال

اے خسرو زمین یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یاں کی خاک میں عطر عروس کی

صحرا سے آئے پھر سوئے دریا شہِ امم
الیاس شاد ہو کے پکارے بصد حشم
اچھلیں درود پڑھتی ہوئی مچھلیاں بہم
بولے جناب آنکھ پہ شاہا ترے قدم

پانی میں روشنی ہوئی حسن حضور سے
لے لیں بلائیں پنجۂ مرجان نے دور سے

ٹھہرے کنارے نہر جو انان ماہ رو
دھویا کسی نے رخت کسی نے کیا وضو
گھوڑے جو آئے پیاس بجھانے کنار جو
بھر لائے اشک آنکھون مین شبیر نیکخو +

کھینچی اک آہ سرد ترائی کو دیکھکر
ہاتھون سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھکر

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسِ نامور
خیمہ کہان بپا کرین یا شاہ بحر و بر
ایذا سے ہے محملون مین بہت اہلبیت پر
بچے ہین نازکی مین گلون سے زیادہ تر

کب سے عماریون کے ہین پردے چھٹے ہوئے
گرمی کے مارے دم ہین سبون کے رکے ہوئے

کچھ سوچ کر امامِ دو عالم نے یہ کہا +
زینب جہان کہین وہین خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عباسِ باوفا
جا کر قریب محملِ زینب یہ دی صدا

حاضر ہے جان نثار امامِ غیور کا
برپا کہان ہو خیمۂ اقدس حضور کا

بولی یہ سنکے دختر خاتونِ روزگار
اس امر مین بھلا مجھے کیا دخل ہین نثار
خشکی ہو یا ترائی چمن ہو کہ سبزہ زار
ہر جا مسافرون کا نگہبان ہے کردگار

مختار کائنات کے تم نور عین ہو
اترو وہان جہان مرے بھائی کو چین ہو

آرام کو ترس گئے جب سے چھٹا ہے گھر
کن آفتون مین پانچ مہینے ہوئے بسر
یہ آنا جانا یہ گرمی کے ایام یہ سفر
دن بھر چلے ہین دھوپ مین جاگے ہین رات بھر

گرمی سے کھیت خشک تھے جنگل اجاڑ تھا

ایک ایک کوس راہ جبل مین پہاڑ تھا

آج اس زمین پر ہمین لایا ہے آسمان
آقا کی خیریت کی دعا مانگو بھائی جان

اب دیکھئے دکھاتی ہے تقدیر کیا یہان
یارب مسافرون کو مبارک ہو یہ مکان

دشمن بہت ہین بادشہ خوشخصال کے
بھائی بہن نثار ذرا دیکھ بھال کے

بھائی سے اس زمین کی سُنی ہے بہت صفت
جو جو مسن ہین اُن سے بھی لازم ہے مصلحت

ہے وہ امام واقف اسرار شش جہت
صدقے گئی حبیب سے بھی کر لو مشورت

ساحل پہ دشمنون مین کسیکا عمل نہو
بھیا مجھے یہ ڈر ہے کہ ردّ و بدل نہو

دستِ ادب کو جوڑ کے اُس شیر نے کہا
ہر چند مصلحت مری کیا اور عقل کیا

تشویش کچھ نہ کیجئے اے بنت مرتضا
لیکن ترائی سے کوئی بہتر نہین ہے جا

جو مہر فاطمہؑ مین ہے یہ وہ فرات ہے
گرمی مین قرب نہر کا آبِ حیات ہے

حضرت کے حکم کا مترصد ہے جان نثار
آیا حضور سبط پیمبر وہ ذی وقار

ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
کی عرض خیمہ نہر پہ کرتا ہے خاکسار

اُترین یہین یہ مرضی آل رسول ہے
بولا وہ بحر فیض کہ اچھا قبول ہے

یہ سُن کے خادمون کو پکارا وہ مہ جبین
حاضر ہون آب باش محل دیر کا نہین

فرّاش آکے جلد مصفا کرین زمین
یان ہوگا خیمہ حرم بادشاہِ دین

جلد اُن کو بھیجو لوگ ہین جو کاروبار کے
لے آؤ اشترون سے قناتین اُتار کے

بولے زہیر قین کہ حاضر ہین سب غلام
بڑکر حبیب بھی ہوئے مصروف اہتمام

کُرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام
رتبے مین ہوگئی وہ زمین عرش احتشام

پرتو فگن تھا نور رسالت مآب کا
سر پر لگا تھا چتر زری آفتاب کا

تھا فکر مین خوشی دو عالم کا تاجدار
کھلوا رہے تھے خیمون کو عباسِ نامدار

ناگہ اُٹھا شمال کی جانب سے اک غبار
رایت سیاہ و سرخ نظر آئے تین چار

مڑکر کہا حبیب نے کچھ رنگ اور ہے
بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

یہ ذکر تھا کہ بن مین سیاہی سی چھا گئی
ڈنکے کی دشت ظلم سے کوسون صدا گئی

گھوڑون کے دوڑنے سے زمین تھرتھرا گئی
جنگی سپاہ گھاٹ کے نزدیک آگئی

اک ایک پیل زور تہمتن شکوہ تھا
ابن رکاب سبز قدم سرگروہ تھا

بولے ملازمون سے یہ عباسِ باوفا
دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے انکا کیا؟

آتے ہی سرکشی یہ طریقہ ہے کونسا؟
کہدو کہ اہلبیت کے خیمہ کی ہے یہ جا

لازم رسول زادیون کا احترام ہے
اُترین الگ کہین یہ ادب کا مقام ہے

کرسی نشین ہے لخت دل سید البشر
آئینِ خسروی سے یہ واقف نہین مگر

آتی ہے اُڑ کے گھوڑون کی ٹاپون سے گرد ادھر
کیا ہے جو روکتے نہین باگین یہ خیرہ سر

بھولے ہوئے ہین اسپہ کہ ہم خاکسار ہین
شاید ہوا کے گھوڑون پہ ظالم سوار ہین

اُس فوج کے رئیس نے بڑھکر کیا کلام
چھوڑینگے ہم اُسے کہ جو راحت کا ہے مقام

حکمِ امیر ہے یہین اُترے سپاہ شام
دریا سے ہٹ کے آپ بپا کیجیے خیام

لشکر کشی ہے بادشہ کائنات پر
کل مورچے سپاہ کے ہونگے فرات پر

کوفے سے کُل جوان ادھر آئے ہین دس ہزار
رستے مین شام کے ابھی فوجین ہین بیشمار

خالی ہین منزلین نہ بیابان نہ کوہسار
شہرون سے پرگنون سے چلے آتے ہین سوار

لاکھون ہین کوئی قبل کوئی بعد آئے گا
گیتی ہلیگی جب پسرِ سعد آئے گا

فوجون کا جائزہ تھا وہان ہم چلے تھے جب
گردے مین بیس کوس کے لشکر پڑا تھا سب

دستون کی روم و شام کے آمد ہے روز و شب
اس ارض پر نہو جو سمائی تو کیا عجب

کیجیے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہین کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے

ہم گھاٹ روکنے کے لیے آئے ہین ادھر
ہے آج شب کو داخلۂ شمر کی خبر

سنتے ہی یہ ترائی مین گونجا وہ شیر نر
تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضہ پہ کی نظر

کم تھا نہ ہمہ اسدِ کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم شکار سے

غصے مین رکھہ کے دوش پہ شمشیر برق دم
نعرہ کیا اسد نے کہ تمسے جینگے ہم
گر فوج قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم
گرتا ہے کٹ کے سر وہین جس جا جمے قدم

پھیرین جو شیر سامنے آتا نہین کوئی
یہ آنکھ وہ ہے جس مین سماتا نہین کوئی

تم کون ہو حسینؑ سے ہے مختار خشک و تر
ان کے سوا ہے کون شہنشاہ بحر و بر
دیکھو فساد ہوگا بڑھو گے اگر ادھر
شیرون کا یان عمل ہے تمہین کیا نہین خبر

سبقت کسی پہ ہم نہین کرتے لڑائی مین
بس کہدیا کہ پاؤن نرکھنا ترائی مین

ظالم بگڑ بگڑ کے بڑھے ایک بار سب
بلوہ جو ہوگیا سمٹ آئے سوار سب
نیزے علم کیے ہوئے تھے نیزہ دار سب
باندھے تھے ایک غول ضلالت شعار سب

لیکن ملا نہ سکتے تھے آنکھ اُس دلیر سے
ایک شور تھا کہ چھین لو دریا کو شیر سے

بگڑے ابو تمامہ و سعد فلک سریر
تولی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
جوڑا کمان مین ابن مظاہر نے ایک تیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہین یہ شریر

عابس کو غیظ لشکر بد خو پہ آگیا
غصے سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

اُلٹی جناب قاسمؑ ذیشان نے آستین
قبضے پہ ہاتھ رکھکے بڑھے اکبر حسین
بولے پکڑ کے نیچے زینبؑ کے مہ جبین
شیرون سے کیا ترائی کو لین گے یہ اہل کین

کہیے تو نیزہ بازون کو ہم دیکھ بھال لین

تیوری کوئی چڑھائے تو آنکھین نکال لین

آگے تھے سب کے حضرتِ عباسؑ ذی حشم
بڑھ بڑھ کے روکتے تھے دلیرونکو دمبدم
تیغین جو تولتے تھے ادھر بانیٔ ستم
کہتے تھے سر ہوگا بڑھایا اگر قدم

لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو
روکے تھا ایک شیر جری دس ہزار کو

بڑھتا تھا جھومتا ہوا جس دم وہ شیر نر
گرتا تھا کوئی ڈر کے ادھر اور کوئی اُدھر
تیغین جو کھچ گئین تو ہوا اور شور و شر
گھبرائے اہلبیت شہنشاہِ بحر و بر

آغوش مین چھپی کے سکینہؑ دہل گئی
غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

چلائی رو کے زینبؑ ناشاد و نامراد
ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
غربت زدون سے کیا سبب کینہ و عناد
دیکھے کوئی کدھر ہین شہنشاہِ خوش نہاد

ہمشیر کو نثار امام امم کرو
لو گود عاین اکبرؑ مہرو پہ دم کرو

محمل سے مُنہ نکال کے فضہ نے یہ کہا
بلوہ کنار نہر ہے اے بنتِ مرتضیٰؑ
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہین اشقیا
قبضے پہ ہاتھ رکھے ہین عباسؑ باوفا

کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

زینبؑ پکارین پیٹ کے زانو بصد ملال
ہے ہے غضب ہوا اگر آیا اُنھین جلال
کہدے کوئی کہ اے اسد کبریا کے لال
غربت پہ ابن فاطمہؑ کی تم کرو خیال

قربان ہوگئی نہ لڑائی کا نام لو
مین ہاتھ جوڑتی ہون کہ غصے کو تھام لو

یہ بات کہکے رونے لگی خواہر امام
کرسی سے جلد اٹھ کے پکارے شہِ انام

عباسؑ اُدھر غضب مین بڑھے سوی فوجِ شام
بھیا ہمارے سر کی قسم روک لو حسام

یکساں ہے بر و بحر ہماری نگاہ مین
غیظ و غضب کو دخل ندو حق کی راہ مین

آؤ تمھین قسم ہے جنابِ امیرؑ کی
ہمراہ بیٹیان ہین شہ قلعہ گیر کی

بگڑو نہ سرکشی پہ سپاہِ شریر کی
سب سے جدا ہی چاہیئے منزل فقیر کی

کیا دشت کم ہے صابر و شاکر کے واسطے
یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے؟

آقا نے دی جو اپنے سرِ پاک کی قسم
پر تھی شکن جبین پہ نہ ہوتا تھا غیظ کم

بس تھرتھرا کے رہ گیا وہ صاحبِ کرم
چپ ہو گئے قریب جب آئے شہِ اُمم

گردن جھکا دی تا نہ ادب مین خلل پڑے
قطرے لہو کے آنکھون سے لیکن نکل پڑے

غیظ اور ادب -

تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نامور
حکمِ خدا ہے حکمِ شہنشاہ بحر و بر

کہدیجیے ان سے کاٹ کے لیجائین میرا سر
اب کچھ کہون زبان سے کیا تاب کیا جگر

مین ہون غلام آپ کے ادنیٰ غلام کا
آقا مجھے خیال تھا بابا کے نام کا

گردن مین ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا
کیون کانپتے ہو غیظ سے بھائی یہ کیا کیا

لو اب اُٹھا لو تیغ و سپر تم پہ مین فدا
دریا کو تم تو لے چکے اے میرے مہ لقا

وہ شیر ہو کہ دہاک ہے ساری خدائی مین
دیکھو کوئی تمھارے سوا ہے ترائی مین +

۲ حضرت عباسؑ جب میدان جنگ مین گئے ہین تو شمر نے یہ ترغیب دی کہ ناحق آپ اپنی جان کیون گنواتے ہین اُدھر سے ٹوٹ کر ہماری طرف آجایئے تو منصب اور جاگیر اور کیا کچھ نہ ملے گا، حضرت عباسؑ نے نہایت برہم ہوکر اسکی درخواست کو رد کیا، یہ سوال وجواب ہو رہے تھے کہ دشمنون نے یہ خبر اُڑادی کہ عباسؑ ہماری طرف آگئے، اہل بیت اور خاص کر حضرت عباسؑ کی بیوی پر اس وقت جو اثر ہوا، اور جو باتین ہوئین ان کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

وان شمر و علمدار مین ہوتی تھی یہ تقریر
خیمے کے قریب آن کے اک ظالم بے پیر

بان خیمے کی ڈیوڑھی پہ کھڑے تھے شہ دلگیر
چلایا کہ لو ٹوٹ گئے بازوے شبیر

اس فوج مین فرزند امیر نجف آیا
عباسؑ علمدار ہماری طرف آیا +

اکبرؑ سے یہ بولا پسر مخبر صادق
یہ بات نہین رتبۂ عباسؑ کے لائق

کاذب ہین جفا کار ہین مفسد ہین یہ فاسق
وہ ہے مرا شیدا مرا یار و مرا عاشق

بھائی سے کنارا کبھی بھائی نہ کرے گا
عباسؑ علی مجھ سے برائی نہ کرے گا

ناموس نبی مین بھی یہ چرچا ہوا اک بار
کہنے لگی تب زوجۂ عباسؑ علمدار

زینبؑ نے کہا یہ تو نہ مانون گی مین زنہار
کیا ماجرا ہے بی بی مجھ سے کرو اظہار

ہے دیر سے اک شور بپا لشکر کین مین
وارث مرا کیا قید ہوا لشکر کین مین

بولی یہ سکینہؑ کہ چچی تم سے کہون کیا
اور کہتے ہین آپسمین خوشی ہوکے یہ اعدا
روتے ہین کمر پکڑے ہوے اتو نسی بابا
عباسؑ ملا ہمسے شہ دین ہوئے تنہا

اس صدمے سے تنہا سا کلیجہ مرا شق ہے
مین پیاس بھی بھولی ہون یہ عمو کا قلق ہے

چپکے سے سکینہؑ نے کہا جب یہ بصد یاس
گھبرائی ہوئی خیمے کی ڈیوڑھی کے گئی پاس
غرقِ عرقِ شرم ہوئی زوجۂ عباسؑ
پھر سوچ کے کہتی تھی کہ بیجا ہے یہ وسواس

قوت شہ والا کی انہین سے تو فقط ہے
عباسؑ پھرے شہ سے؟ نہ مانونگی غلط ہے

بھائی کو وہ پیارے ہین انہین بھائی ہے پیارا
عاشق کہین معشوق سے کرتے ہین کنارا
یہ ننگ علمدار کو ہوگا نہ گوارا
قسمت ہی اولٹ جائے تو اسکا نہین چارا

لیکن فلک اسطرح سے گرتے نہین دیکھا
بھائی کو کبھی بھائی سے پھرتے نہین دیکھا

اس سوچ مین پھرتی تھی سراسیمہ و مضطر
اسکا بھی نہ تھا ہوش کہ کب گر گئی چادر

۵۱ یہان عجب بلاغت کا اظہار کیا ہے۔ حضرت عباسؑ کی بیوی لوگون سے واقعہ کو تحقیق کرنا چاہتی ہین لیکن یہ اُن کے زبان سے نہین نکل سکتا کہ "کیا درحقیقت عباسؑ دشمنون سے مل گئے" اس لئے انھون نے اس پیرایہ مین سوال کیا کہ کیا دشمنون نے انکو قید کر لیا یعنی اگر وہ دشمنون کے مجمع مین چلے بھی گئے تو قید ہو کر گئے ہونگے ورنہ امر بالکل ناممکن ہے کہ وہ دشمنون سے جاکر مل جائین۔ منہ

۵۲ اس بلاغت کو دیکھو کہ اہل حرم سے کسی نے اس جھوٹی خبر کا زبان پر لانا بھی نہ چاہا لیکن سکینہؑ بالکل بچی تھین اسلئے اُنھون نے جو سنا تھا بیان کر دیا

رخ زرد تھا دل کانپتا تھا سینہ کے اندر
دھڑکا تھا کہ اب کیا کہینگے آن کے سرور

یارب نہ سنون مین کہ جدا ہو گئے عباسؑ
یہ غل ہو کہ بھائی پہ فدا ہو گئے عباسؑ

آخر کہا بیٹے سے کہ واری ادھر آؤ
باندھو کمر اور جنگ کے ھتیار لگاؤ
تم شیر کے فرزند ہو میدان مین جاؤ
بیتاب ہون اے لال خبر باپ کی لاؤ

تے پانی کو دریا کے کنارے گئے عباسؑ
دیکھو آؤ توڑتے ہین کہ مارے گئے عباسؑ

غیرت سے موئی جاتی ہون مین بیکس وناچار
کہتے ہین عدو پھر گیا بھائی سے علمدار
صدقے گئی کہو مری جانب سے بتکرار
کیا قہر ہے تم شمر سے کیون کرتے ہو گفتار

وہ تفرقہ انداز ہے مردود خدا ہے
شبیرؑ کے دشمن سے علاقہ تمھین کیا ہے

۳- ابن سعد کربلا مین داخل ہوتا ہے، اور خولی سے حالات دریافت کرتا ہے، خولی ایک ایک چیز کی تفصیل بیان کرتا ہے ؎

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشان
اٹھا زمین پہ ظلم کا دریا سے بیکران
موجون کی طرح سب تھین صفین پیش و پس روان
لہراتے تھے ہوا سے علم مثل بادبان

ہلتا تھا دشت کین دہل اسطرح بجتے تھے
باجون کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیون کے پرے شامیون کے دل
خوف خدا نہ جنکو نہ اندیشۂ اجل
مکار و اہل نار و دغا بازو پر دغل
شکلین مہیب دیو سے قد ابرؤن پہ بل

بدخواہ خاندان رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلوارین کھینچے بڑھ کے جمے دو طرف سوار
غل ہو گیا سلامی کے باجون کا ایک بار

ڈنکے کی دمبدم تھی صدا آسمان کے پار
آگے بڑھے چلو، یہ نقیبون کی تھی پکار

گھوڑون پہ گرد و پیش رئیسان شام تھے
زرین کمر جلو مین کئی سو غلام تھے

اترا قریب خیمہ فرس سے وہ خیرہ سر
سر پر لگایا دوڑ کے خادم نے چتر زر

پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر
بولا کسی سے پھر وہ سوے نہر دیکھکر

خیمہ ہے کس طرف کو شہ خوش خصال کا
دریا پہ تو عمل نہین زہرا کے لال کا

خولی نے تب کہا کہ ہماری طرف سے نہر
آئے تھے یان اترنے کی خاطر امام دہر

فرماتے تھے یہ نہر تو ہے میری ماں کا مہر
ہمنے اٹھا دیا انھین لیکن بجبر و قہر

عباسؑ مستعد تھے جبھون سے لڑائی کو
شبیرؑ پھیر لے گئے سمجھا کے بھائی کو

وہ دھوپ مین ہے خیمۂ زنگاری حسینؑ
راحت نہ رات کو ہے کوئی دم نہ دن کو چین

پہرون علیؑ کی بیٹیان روتی ہین کر کے بین
آفت مین مبتلا ہے محمدؐ کا نور عین

بچون کی مارے پیاس کے حالت عجیب ہے
خیمہ نہ سایہ مین ہے نہ دریا قریب ہے

بولا شقی کہ کتنی ہے فوج شہ امم
سنتے تھے وان سپاہ حسینیؑ کی دہوم ہم

اسنے کہا حسینؑ کے یاور بہت ہین کم
فاقون کے مارے دم مین کسی کے نہین ہے دم

ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہین
مین نے تو خود گنا ہے اکاسی جوان ہین

ہے ایک علم یہ قلتِ لشکر کا ہے نشان
یہ حال ہے لٹا ہوا جیسے ہو کارروان
اُردو مین جنس غم کے سوا جنس ہے گران
غلّہ کی یہ کمی ہے کہ ہے قحط آب و نان

اسوار بھی قلیل پیادے بھی تھوڑے ہین
کُل سترہ تو اونٹ ہین اور بیس گھوڑے ہین

مطبخ ہے سرد آگ کا اُسمین نہین ہے نام
بچے ہوائے گرم سے بیتاب ہین تمام
خاک آبدار خانے مین اُڑتی ہے صبح و شام
کیونکر لڑینگے بیکس و مظلوم تشنہ کام

یان سیکڑون کمانین ہین فوجِ امیر مین
دو دو گرینگے خاک پہ ایک ایک تیر مین

یہ سب غلط سُنا تھا کہ ہے لشکرِ کثیر
کچھ نوجوان ہین طفل ہین کچھ اور کچھ ہین پیر
ہین اُن مین سات آٹھ تو ڈر کے کئی صغیر
پس جائینگے وہ ٹاپون سے ہنگام دار و گیر

کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھونکی طاقت دکھائینگے
اِن سے تو نیچے بھی سنبھالے نہ جائینگے

کیا جانے دل مین سوچے تھے کیا شاہِ کربلا
مقتل مین کھینچکر اُنہین لے آئی ہے قضا
لشکر تو یہ قلیل اور اِس فوج سے وغا
عمرین ہین چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑینگے کیا

کچھ آزمودہ کار نہین کچھ مسن نہین
اُنکے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہین

ہمشکل مصطفیٰؐ کو تو اٹھارہ ہے سال
تیرہ برس کا ہے ابھی شبّر کا نونہال

نو دس برس کے ہونگے زینبؑ کے دونوں لال
ہان اک جوان ہین حضرت عباسؑ خوشخصال

چھوٹے ہین اور سب کوئی اُن مین جوان نہین
خط اک طرف مسین بھی کسیکی عیان نہین

گنتا ہون مین ہین دو پسر شاہ نامدار
بیمار اُن مین ایک ہے اور ایک شیرخوار

زینبؑ کے دو ہین تین حسنؑ کے ہین گلعذار
دس ہین عقیلؑ و مسلمؑ و حیدرؑ کے یادگار

زہراؑ کے جان و دل ہین محمدؐ کے پیارے ہین
یہ سترہ تو چاند ہین باقی ستارے ہین

بتیس سب سوار شہ دین کے پاس ہین
اب رہ گئے پیادے سو دو کم پچاس ہین

آفت مین مبتلا ہین مگر باحواس ہین
غازی ہین سرفروش ہین اور حق شناس ہین

کھانے کا ہے خیال نہ پانی کی فکر ہے
سجدے ہین اور دعائین ہین اور حق کا ذکر ہے

بولا وہ تب کہ ہونگے جوان پانچ کے ہزار
خولی نے کی یہ عرض کہ ممکن نہین شمار

ہین تین چار کوس کے گرد ے مین سب سوار
اک اک جوان ہے رستم میدان کارزار

کیا کوئی لڑ سکے گا قیامت کی فوج ہے
لشکر کی ہین صفین کہ سمندر کی موج ہے

پیدل ہین اک طرف تو رسالے ہین اک طرف
خنجر ہین ایک سمت تو بھالے ہین اک طرف

جانباز ہاتھ قبضون پہ ڈالے ہین اک طرف
اور دس ہزار برچھیون والے ہین اک طرف

سب لوگ فکر قتل شہنشاہ دین مین ہین

کھینچے ہوئے کمانون کو سرکش کمین مین ہین

ہاتھون مین پہلوانون کے ہین گرز گاؤ سر
ضرب سے جنکے ٹوٹتی ہے کوہ کی کمر

ہر جا بچھی ہوئی ہین کندین ادھر ادھر
کالی گھٹا سی چھائی ہے ڈھالون کی نہر پر

سب لوگ جا بجا پئے قتل و ستیز ہین
تیغین بھی ہین اوپی ہوئی خنجر بھی تیز ہین

بھالا ہلا کے کوئی یہ کہتا ہے بار بار
نوک اسکی سینۂ علی اکبرؑ کے ہوگی پار

کہتا ہے کس غرور سے اک شام کا سوار
آئے تو رن مین حضرتِ شبرؑ کا یادگار

اب کوئی دم مین گھر کے حسنؑ کی صفائی ہے
تلوار آج زہر مین مین نے بجھائی ہے

۴ - فوج آراستہ ہو رہی ہے، اور علم لاکر رکھا گیا ہے - عون و محمد جو امام علیہ السلام کے بھانجے اور حضرت زینبؑ کے صاحبزادے ہین، علم کے استحقاق کے دعویدار ہین اور چاہتے ہین کہ امام علیہ السلام سے اس منصب کی درخواست کرین - اسوقت کی گفتگو حضرت زینب کی آزردگی، اور فہمایش اور دیگر واقعات

زینبؑ کے پسر مشورہ کرتے تھے یہ باہم
کیون بھائی علم لینے کو ماموں سے کہین ہم؟

تائید خدا چاہیے گو عمر مین ہین کم
عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم

واقف ہین سبھی حیدرؑ و جعفرؑ کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہین ہم دونون طرف سے

دادا بھی علمدار ہے نانا بھی علمدار
ہم اپنے بزرگون کے ہین منصب کے طلبگار

کہتا تھا بڑا عرض کا موقع نہین زنہار
ہین بادشہ کون و مکان مالک و مختار

عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہون

چپکے رہو اماں نہ کہین سُنکے خفا ہون

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہین کچھ کام
یہ سر ہون نثارِ قدمِ شاہِ خوش انجام

مٹ جائین نشان بس یہی عہد ہی یہی نام
عزت رہے بھائی یہ دعا ہے سحر و شام

آقا جسے چاہین علمِ فوجِ خدا دین
مشتاق اجل ہین ہین مرنے کی رضا دین

روتی تھی جو پردے کے قرین زینبؑ دلگیر
فضّہ سے یہ کہنے لگی وہ صاحبِ توقیر

سب اُسنے مفصل یہ سُنی بیٹون کی تقریر
دونون کو اشارے سے بُلا لے کسی تدبیر

کچھ کہنا ہے سُن لین اُسے فرصت اُنہین گر ہو
عباسؑ نہ دیکھین نہ شہِ دین کو خبر ہو

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے وہ نکوکار
کیا باتین ابھی بھائی سے تھین اے مرے دلدار

چھوٹے سے یہ فرمانے لگین زینبؑ ناچار
اسوقت مین ہو کون سے منصب کی طلبگار

سمجھے نہ کہ مادر عقبِ پردہ کھڑی ہے
گھر لُٹتا ہے میرا تمھین منصب کی پڑی ہے

اللہ بڑا عزم کیا باندھ کے تلوار
دیکھو ابھی تم دونون سے ہو جاؤن گی بیزار

بچو تمھین ایسا نہ سمجھتی تھی مین زنہار
کچھ کہیو نہ مامون سے خبردار خبردار

کیا دخل تمھین امرِ سلطانِ اُمم کے
دیکھون گی نہ پھر مُنہ جو گئے پاس علم کے

کچھ اور ہی تیور ہین علم نکلا ہے جب سے
استادہ ہو جا کر عقبِ شاہِ ادب سے

تم کون ہو جو آگے بڑھے جاتے ہو سب سے
عہدہ ہے یہ جس کا مجھے معلوم ہے سب سے

اس امر مین خاطر نہ کرین اور کسی کی
مین خوش ہون بجالائین وصیت کو علیؑ کی

مانا کہ پہونچتا ہے تمھین منصب جعفرؑ
چھوٹا مرا بھائی بھی ہے بیٹون کے برابر

آقا کی غلامی سے ہے عمدہ کوئی بڑھکر
عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر

بگڑون گی گلہ گر کسی اسلوب کروگے
عباسؑ سے کیا تم مجھے محجوب کروگے

زینبؑ نے عتابانہ جو کی اُن سے یہ گفتار
شاہون سے غلامون نے بھی کی ہے کبھی تکرار

یون کہنے لگے جوڑ کے ہاتھون کو وہ دلدار
مالک ہین جسے چاہین علم دین شہ ابرار

رخصت کے لئے تیغ و سپر باندھے ہوئے ہین
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہین

زینبؑ نے کہا لیکے بلائین کہ سدھارو
ماں صدقے گئی سر قدم شاہ پہ وارو

بس اب مرا دل شاد ہوا اے مرے پیارو
ہو عید مجھے گر عمر و شمر کو مارو

یہ وقت ہے امداد امام ازلی کا
دے چھوٹے سے ہاتھون مین خدا زور علیؑ کا

۵ حضرت علی اکبرؑ میدان جنگ مین جانے کے لئے پھوپھی اور اماں سے اجازت طلب کرتے ہین، اُن دونون کا اضطراب۔ اور سوال وجواب ؎

خیمے مین آئے روتے ہوئے اکبرؑ حزین
اِک آہ سرد بھر کے یہ بولا وہ مہ جبین

چھاتی لگایا مان نے پھوپھی نے بلائین لین
نرغے مین ظالمون کے اکیلے ہین شاہ دین

روتے ہین غیر سید والا کے حال پر

امان مقام رحم ہے بابا کے حال پر

اعدا کا ظلم بھائی کا غم تین دن کی پیاس
اب مین ہون اور کوئی نہین شاہ دین کے پاس

بازو شکستہ ضعف بصارت ہجوم یاس
اس پر بھی اضطراب نہین کچھ نہ ہے حواس

گھیرے ہین سب امام غریب الدیار کو
تنہا کھڑے ہین تولے ہوئے ذوالفقار کو

تنہا کہان امام کہان وہ ہجوم عام
فریاد ہے کوئی نہین آتا ہمارے کام

مین یان ہون اب تو اور بڑھی ہوگی فوج شام
مٹتا ہے صفحۂ دوجہان سے پدر کا نام

مظلوم باپ آنکھون کے آگے ہلاک ہو
بیٹا جوان ہم سا نہ پیوند خاک ہو

تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب
ہم بھی نہین اگر نہین فرزند بوتراب

اچھا مرین گے بعد شہ آسمان جناب
ذرہ کہان غروب ہوا جب کہ آفتاب

دنیا کا نور نیر اعظم کے ساتھ ہے
اپنی تو زندگی شہ عالم کے ساتھ ہے

مجھکو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کرون
سر سے حقوق والد ماجد ادا کرون

راہ خدا مین فوج سے تنہا وغا کرون
مالک مرے اگر نہ رضا دین تو کیا کرون

وان اقتلوا الحسین کا اعدا مین شور ہے
پر کچھ ہمارا پالنے والون سے زور ہے

تم دونون صاحبون سے مرے اب ہین دو سوال
اول تو یہ کہ دیجیے مجھے رخصت جدال

سلہ یعنی قتل کرو تم سب حسینؑ کو ۱۲

رکھ لیجیے آبروے پسر ہر ذوالجلال
آگے مرے شہید نہ ہو فاطمہؑ کا لال

للہ ہاتھ اُٹھائیے اب نور عین سے
اماں ہین عزیز نہ کیجے حسینؑ سے

ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہین قبول
جلدی ہو کربلا سے روانہ یہ دل ملول
نیزے سے کیا علاقہ ہے بطحا سے کیا حصول
نہ جائینگے نجف نہ ہوے روضۂ رسولؐ

جنگل کی راہ لینگے گریبان کو پھاڑ کے
کافی ہین مُنہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

پوچھین جو دوستانِ مدینہ مری خبر
کہہ دیجیے نہ آئینگے اب وہ کبھی ادھر
صدقے امام دین پہ ہوے سارے نامور
کچھ اُن سے ہو سکی نہ مددگاری پسر

بستی بسا کے رن مین شہِ کربلا رہے
کنبے سے مُنھ چھپا کے وہ جنگل مین جا رہے

رونے لگا یہ کہکے جو وہ چودھوین کا ماہ
بنت علیؑ کی آنکھون مین دنیا ہوئی سیاہ
بھاوج کے مُنہ پہ یاس سے زینبؑ نے کی نگاہ
گردن ہلا کے مان نے بھری ایک سرد آہ

بنت علیؑ تو خاک پہ تھرّا کے گر پڑی
بانوؑ پسر کے پاؤن پہ غش کھا کے گر پڑی

مان کو اُٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر
بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
مجھکو بھی لے لو ساتھ جو منظور ہے سفر
زینبؑ پکارین چھوڑ کے ہمکو چلے کدھر

اچھا رضا حسینؑ سے لے لو تو جائیو
کاندھا مرے جنازے کو دے لو تو جائیو

اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ رات بھر
کرتہ وہ پہنے دوڑتے پھرنا اِدھر اُدھر
یاد آتی ہین وہ ھنسلیان وہ کان کے گہر
یا آج تیغ ہاتھ مین ہے دوش پر سپر

غازی ہو صف شکن ہو سعادت نشان ہو
کیا کام ہم سے نام خدا اب جوان ہو

دادا کا مرتبہ تمھین دے رب ذوالجلال
قایم تمھارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
قابل ہے رحم کرنے کے واری ہمارا حال
بچپن کی دائیون کا بھی رکھیے ذرا خیال

کس سے ہو پھر امید اگر تم سے یاس ہو
اب تو تمھین ہمارے بڑھاپے کی آس ہو

قوت تمھین ہو دل کی تمھین پارۂ جگر
یہ بھی خبر نہین مجھے کب مر گئے پسر
لاشین بھی گھر مین آئین تو پیٹا نہ مین نے سر
مین کہتی تھی جیسے یہ مرا غیرت پسر

اکبرؑ تو ہے اگر مرے پیارے نہین نہین
روشن ہے گھر مین چاند ستارے نہین نہین

باتین یہ کر کے منہ پہ لیا گوشۂ ردا
مرچوب سے پٹک کے کہا واہ مدعا
بس گر پڑا پھوپھی کے قدم پہ وہ مہ لقا
کی عرض رو کے اے پھوپھی مان کر دنین کیا

مین بے وفا نہین ہون یہ روشن ہے آپ پر
نرغہ ہے فوج کا مرے مظلوم باپ پر

منہ سے ہٹایئے تو ردا بھر کردگار
اچھا نہ جائیے گا ہوئے میدان کارزار
چادر ہٹا کے منہ سے یہ بولی وہ دلفگار
مین کون؟ صدقے جاؤن تمھین کو ہے اختیار

اصغرؑ ہو یا کہ تم ہو مجھے سب سے یاس ہے

رخصت گلا کٹانے کی لو مان تو پاس ہے

اکبرؑ نے مان کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر
مان نے کیا اشارہ کہ اے غیرتِ قمر
تم سے چھپی خفا ہین جھکا دو قدم پہ سر
قربان جاؤن عذر کرو ہاتھ باندھ کر

سر کی نہ کچھ خبر ہے نہ چادر کا ہوش ہے
واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے

جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
تقصیر عفو کیجیے اے خواہر امام
بس اب زبان سے کچھ نہین کہنے کا یہ غلام
میری تو مان ہین آپ مجھے کیا کسی سے کام

بندے پہ کی ہے مان نے یہ شفقت نہ باپ نے
راتون کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے

اکبرؑ نے یہ کلام کئے جب بصد ادب
الفت کا جوش آگیا بنت علیؑ کو تب
لیکر بلائین چہرے کی بولی وہ تشنہ لب
کڑھتے ہو کس لئے مین تمھین روکتی ہون کب

سچ ہے جہان مین تمسا کوئی باوفا نہین
واری تمھارے سر کی قسم مین خفا نہین

کیون کانپتے ہو اشک ہین آنکھون سے کیون رواں
تم راست گو ہو سچ ہے تمھارا یہ سب بیان
لو مین نے دی رضا تمھین اے میرے نوجوان
تم جاؤ آگے صدقے گئی اور تمھاری مان

یون تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
کچھ مان کا حق بھی کم نہین ہوتا ہے باپ سے

آنکھین بچھائین مان نے جو تم گھٹنیون چلے
تلوون سے اسنے دیدۂ حق بین سر ملے
نازون سے منتون سے مرادون سے تم پلے
صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے

مادر نے اپنی عمر مصیبت مین کھوئی ہے
برسون یہ بی بی ایک ہی کروٹ سوئی ہے

بانو نے ہاتھ جوڑ کے زینب سے یہ کہا
اس قافلہ مین آپ ہین اب فاطمہ کی جا

صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
مین نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا

صدقے ہے یہ بھی صورتِ پروانہ آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہ بحر و بر
بانو بھی روئی شہ کے قدم چھکا کے سر

لے لین بلائین بھائی کی زینب نے دوڑ کر
بولی لپٹ کے بالی سکینہ کہ اے پدر

سنتی تھی مین کہ رن سے علمدار آتے ہین
لو اب تو گھر سے زہر پہ بھیا بھی جاتے ہین

بانو کے منہ کو دیکھکے حضرت نے یہ کہا
وہ چپ ہوئی تو بولے بہن سے شہ ہدا

کیون سچ ہے تمنے بیٹے کو مرنے کی دی رضا
کہیے پھوپھی بھتیجون مین کیا فیصلہ ہوا

راہین سب انکے روکنے کی بند ہو گئین
سنتا ہون مین کہ تم بھی رضامند ہو گئین

ہاتھون کو جوڑ کر علی اکبر نے عرض کی
زہرا کی وہ بہو ہین تو یہ دختر علی

اماں نے بھی رضا ہین دی اور پھوپھی نے بھی
آقا سوال رد نہین کرتے کبھی سخی

رویا جو مین تو ماں نے گلے سے لگا لیا
مرنے کا اذن دے کے پھوپھی نے جلا لیا

ماں نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھیے
نامِ خدا زبان کی طلاقت تو دیکھیے

زینبؑ یہ بولین ذہن کی جودت تو دیکھیے
ہر بات مین ثبوتِ اجازت تو دیکھیے

کیا بات بھائی ان کی بھلا بول چال کی
گویا زبان ہے مصحفِ ناطق کے لال کی

رومال رکھ کے آنکھون پہ بولے امامِ دین
سچ ہے اجل سے کچھ کسی انسان کا بس نہین

تم دوگی رخصت انکو مجھے یہ نہ تھا یقین
آیا تھا اتنی عمر ہی لیکر یہ مہ جبین

بیجا ہے روکنا جو یہ طالب رضا کے ہین
اے بنتِ فاطمہؑ یہ کرشمے قضا کے ہین

۷- عون اور محمد زخمی ہوکر قریب المرگ ہین، حضرت علی اکبرؑ اُن کی لاش اُٹھانے کیلئے جانا چاہتے ہین، حضرت زینبؑ (عون و محمد کی مان) ان کو روکتی ہین، لاشین گھر مین آتی ہین - حضرت زینبؑ لوگون کو رونے سے منع کرتی ہین، لیکن آخر ضبط نہین ہوسکتا، اور خود بین کرتی ہین ؎

گھبرا کے درخیمہ سے زینبؑ یہ پکاری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہین پیاری

سر تنگے مین نکلون گی جو تم جاؤ گے واری
تبلاؤ تو مین اُنکی ہون عاشق کہ تمھاری

میدان کی طرف قاسمؑ بے پر بھی بجائین
تلوارون مین عباسؑ دلاور بھی بجائین

بیٹون سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی
اک دولتِ اولاد لٹائی تو لٹائی

سر پر مرے دنیا مین سلامت رہین بھائی
کیا لٹ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی +

کیون روؤن مین دنیا مین جو دلبند نہین ہین
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہین ہین

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے
ٹکڑے کیا معصومون کو تلوارون کے مارے

لو شاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
وہ لوٹتے ہین خاک پہ دو عرش کے تارے

پامال کو ان دونون کے اسوار بڑھین گے
بچون کے سر اب کٹ کے نشانون پہ چڑھین گے

یہ سنتے ہی تھرانے لگے حضرت عباسؑ
سر کھولے ہوئے بیبیان ڈیوڑھی کے جو تھین پاس

گھبرا کے اُٹھے خاک سے شبیر بصد یاس
سب نے کہا لو شہ کی بہن ہو گئی بے آس

ٹوٹا ہے فلک بنت شہنشاہ نجف پر
زینبؑ کو چلو لے کے بس اب ماتمی صف پر

ہے ہے کا جو اک شور ہوا رانڈون مین برپا
چلائی ارے چپکے رہو غل ہے یہ کیسا

زینبؑ بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردہ
بھائی ہین سلامت مجھے کیون دیتی ہو پرسا

ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائین گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مر جائینگے شبیرؑ

باتین یہ کین سب سے یہ سنبھلا نہ دل زار
وان لاشون پہ روتے ہوئے پہونچے شہ ابرار

تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار
مہمان کوئی ساعت کے ملے وہ جگر افگار

کس عمر مین ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

رُخ زرد تھے اور خاک مین آلودہ تھے گیسو
تلوارون سے ٹکڑے تھے وہ بلور سے بازو

جھک آئے تھے کٹ کٹ کے مہ نو سے وہ ابرو
مہتاب سی وہ چھاتیان اور تیر سے پہلو

چھکتا تھا جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے

ہونٹون پہ زبانین نکل آئین تھین عطش سے

ٹکڑے ہوا سینہ مین دل سبط پیمبرؐ
چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش مین آکر

سب سے کہا اور لاشون سے لپٹے شہ صفدر
بالین پہ حضور آئے ہین چونکو تو برادر

مشتاق تھے تم سید ذیجاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدار شہنشاہ کو دیکھو

سنکر یہ صدا غش سے جو چونکا دل افگار
اکبرؑ سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار

دونون نے کہا سر قدم شاہ پہ اک بار
دشمن ہین بہت قبلۂ عالم سے خبردار

ہم دونون غلامون کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹین جوانان انھین سمجھائیو بھائی

حضرت کے جو رونے کی صدا خیمے مین آئی
زینبؑ نے کہا ہائے غضب روتے ہین بھائی

رانڈون نے اُدھر ماتمی صف گھر مین بچھائی
فضہ یہ پکاری کہ دوہائی ہے دوہائی

لو چاک گریبان کئے آتے ہین شبیرؑ
معصومون کی لاشون کو لئے آتے ہین شبیرؑ

بیٹھی صف ماتم پہ ادھر شاہ کی خواہر
لاشون کو لئے آئے جو گھر مین شہ صفدر

سیدانیون نے اُٹھ کے اُدھر کھولدیے سر
زینبؑ کے قرین بیٹھ گئے سر کو جھکا کر

فرمایا کہ لو لخت جگر آئے تمھارے
لو دودھ انھین بخشو پسر آئے تمھارے

دیکھا جو لہو بچون کا چھاتی اُمنڈ آئی
پر فاطمہؑ کے صبر کی شان اُسنے دکھائی

نزدیک تھا مر جائے یداللہ کی جائی
سب سے یہ کہا نیگ لگی میری کمائی

بچے مرے قربان ہوے احسان خدا کا
اے بی بیو صدقہ ہے یہ شاہِ شہدا کا

رو کر شہ والا نے کہا صدقے مین نمبر
دم بھر انھین رو لو کہ یہ مہمان ہین خواہر
بانو نے اشارا کیا اے سبط پیمبر
قربان گئی آپ بس اب جائیے باہر

گر ضبط اسی طرح سے فرمائین گی زینب
یہ ماتم اولاد سے مر جائین گی زینب

روتے ہوئے خیمہ سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ
فرزندون کو چلانے لگی زینب ذیجاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہین آہ
صدقے گئی جاؤ شہ کونین کے ہمراہ

زخمی ہوئے شبیر تو جان اپنی مین دون گی
اچھا مین تمھین دونون سے مانجاے کو لونگی

لو نیمچے کاندھون پہ دہرو اے مرے پیارو
تیتے ہوئے شبیر کے ہمراہ سدھارو
گو پیاسے ہو دروون کے یہ ہمت کو نہ ہارو
یہ خون مین ڈوبے ہوئے کپڑے تو اتارو

اٹھ بیٹھو مین صدقے گئی اتنا نہین سوتے
اسطرح تو جاگے ہوے دو طفل نہین سوتے

سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل
بچو تمھین کیا سن کے کہین گے شہ عادل
دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ مان صورت بسمل
سلجھاؤ یہ زلفین کہ الجھتا ہے مرا دل

کیا غش[1] مین ہو یہ سونے کا نقشا نہین ہوتا
ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہین سوتا

[1] یہ اشعار جذبات کے عنوان مین بھی داخل ہو سکتے ہین۔

مثال ۱۸۔ شیرین کو خبر ہوئی ہے کہ امام حسین علیہ السلام مع تمام خاندان کے اسکے گھر تشریف لاتے ہین اور وہ مہمانی کا سامان کرتی ہے اور اپنے عزیزون کو خوشخبری دیتی ہے۔

یہ کہکے اُسنے فرش کیا گھر مین سبز سبز
مومن کے دل کیطرح مصفا ہوا وہ گھر
مسند بچھائی بہرِ شہنشاہ بحر و بر
تکیون کو صاف کرکے لگایا ادھر اُدھر

کہتی تھی میرے گھر مین ابھی سے جو نور ہے
یہ آمدِ امام زمن کا ظہور ہے

دالان ہے یہ شاہ کی خواہر کے واسطے
یہ نرم فرش ہے علی اکبرؑ کے واسطے
جھولے کی جا یہ ہے علی اصغرؑ کیواسطے
یہ گھر ہے شاہ دین کے برادر کے واسطے

راحت سے شہ نشین پہ امام زمن رہین
حجرہ یہ اس لئے ہے کہ دولھا دلہن رہین

کرسی کو لاکے جلد کسی جا بچھاتی تھی
تحفون کو کشتیون مین کبھی وہ لگاتی تھی
سجدے مین بہر شکر کبھی سر جھکاتی تھی
گھبرا کے صحن سے کبھی ڈیوڑھی پہ جاتی تھی

چہرے پہ اک خوشی تھی پہ دل بیقرار تھا
فرزند فاطمہؑ کا اُسے انتظار تھا

جاکر کبھی خواصون سے کرتی تھی یہ کلام
کھانا پکاؤ جلد کہ آتے ہین اب امام
بھر بھر کے آب سرد کے رکھدو ہوا مین جام
لبریز آبِ گرم کے کردو سبو تمام

پردیسیون کو خیر سے جب گھر مین لاؤنگی
ہاتھون سے اپنے پانون سبون کے دھلاؤنگی

ہمسائیون سے کہتی تھی ہنس ہنس کے بار بار
اب کیجیو زیارتِ سلطان نامدار

ہے باغِ فاطمہؑ پہ عجب حسن کی بہار
رشکِ ریاضِ خلد ہے ایک ایک گلعذار

سب نونہال گلشنِ دین لاجواب ہین
قد سرو باغ حسن ہین رُخ آفتاب ہین

شمشادِ بوستانِ پیمبرؐ کو دیکھیو
سروِ ریاضِ حضرتِ شبرؑ کو دیکھیو
کیا نوجوان ہین شہ کے برادر کو دیکھیو
سب ایک سے ہین علی اکبرؑ کو دیکھیو

ہوگا کبھی یہ حُسن ملک کا نہ حور کا +
جلوہ ہے اُس جری مین محمدؐ کے نور کا +

خالق رکھے اُسے صد و سی سال برقرار
نام خدا ہے شادی کے قابل وہ گلعذار
بہنین فدا ہین باپ تصدق ہے مان نثار
سر پر پھوپھی نے پیار سے گیسو رکھے ہین چار

چہرے کے آگے نیّرِ تابان بھی ماند ہے
عالم کی روشنی ہے اندھیرے کا چاند ہے

اب خیریت سے گذرے گا اٹھارواں جو سال
شادی کرینگی بیٹے کی بانوے خوشخصال
زینبؑ کو اُس کے بیاہ کا ارمان ہے کمال
ہر دم یہی دعا ہے کہ دولھا بنے یہ لال

آتی ہین نسبتین حلب و شام و روم سے
شادی خدا جو چاہے تو ہوگی دھوم سے

جب ڈھل گئی اُسے انھین باتونمین دوپہر
شوہر سے پھر یہ کہنے لگی وہ نکو سیر
اب تک نہ آئے گھر مین شہنشاہ بحر و بر
اُترے کہان کسی سے مفصل سُنی خبر

بستی سے ساتھ لے کے ہر اک اپنے بھائی کو
جا پیشوائے خلق کی تو پیشوائی کو

کہو مری طرف سے یہ تو چوم کر قدم
کرتے ہین اغنیا غربا پر سوا کرم

لونڈی کو سرفراز کر دیا شام
اب بے حضور چین نہین مجھکو ایکدم

کچھ آج ہے تپش سی دلِ بیقرار مین
آنکھین سپید ہو گئی ہین انتظار مین

قربان ہو گئی مرا گھر کچھ نہین ہے دور
ہم لوگ مشت خاک ہین حضرت خدا کے نور

خاصہ تناول آن کے اس جا کرین حضور
ہو گا یہ کوہ آپ کے آنے سے رشکِ طور

کہنا حضور راہ ہدایت کی شمع ہین
پروانے یان سحر سے زیارت کو جمع ہین

عرصہ ابھی ہے آپکے آنے مین کچھ اگر
ڈیوڑھی پہ بندوبست ہے یا شاہ بحر و بر

آنے مین کیون حرم کے ہوئی دیر اسقدر
گرد وار کھی ہین ہین نے قناتین اِدھر اُدھر

محل مین گھٹتی ہو دینگی زہرا کی پیاریان
عباسؑ لے کے آئین زنانی سواریان

رزمیہ

رزمیہ شاعری اگرچہ واقعہ نگاری ہی کی ایک قسم ہے لیکن وسعت اور اہمیت کے لحاظ سے اسکے لیے بھی جداگانہ عنوان درکار ہے

اُردو، بلکہ عربی مین بھی رزمیہ شاعری کو چندان ترقی نہین ہوئی، عربی مین **مثنوی** سرے سے مفقود ہے، اور مسلسل واقعات **مثنوی** کے سوا، اور کسی صنف مین ادا ہی نہین ہو سکتے، شعراے جاہلیت لڑائی کے جستہ جستہ واقعات، قصاید مین ادا کر لیا کرتے تھے، لیکن اس تمام شاعری مین، کوئی مسلسل رزمیہ نظم ۵۰ شعرون کی بھی نہین مل سکتی،

فارسی مین، شاہ نامہ، اور سکندر نامہ کو الگ کر لیا جاے، تو کچھ باقی نہین رہتا لیکن ایک شاہ نامہ ہزار کتابون پر بھاری ہے اس لئے فارسی شاعری کا رتبہ اس حیثیت مین، عربی سے بڑھا رہا۔ اور اسکو خود عرب نے تسلیم کیا چنانچہ ابن الاثیر نے مثل السایر مین صاف لکھدیا کہ عربی زبان باوجود اسقدر وسعت اور مایہ داری کے، شاہ نامہ کی نظیر نہین پیش کر سکتی،

اُردو مین لے دیکر، میر تقی ہوس کے چند اشعار ہین جو نوفل اور لیلی کے قبیلہ کی لڑائی کے موقع پر لکھے ہین اسکا نمونہ یہ ہے ؎

شانون سے گذر کے رُمح چالاک		تھے ہوش رُباے مار ضحاک	

مرثیہ مین، میر ضمیر نے رزمیہ کی ابتدا کی، لیکن وہ بالکل نقش اولین تھا، میر انیس نے جس طرح اس صنف کو کمال کے درجہ تک پہنچایا اسکے لحاظ سے، اُردو شاعری گو فارسی کے برابری کا دعوی نہین کر سکتی لیکن عربی سے کسی طرح پیچھے نہین،

رزمیہ شاعری کا کمال، امور ذیل پر موقوف ہے۔ سب سے پہلے لڑائی کی طیاری، معرکہ کا زور شور، تلاطم، ہنگامہ خیزی، ہل چل، شور و غُل، نقارون کی گونج، ٹاپون کی آواز، ہتیارون کی جھنکار، تلوارونکی چمک دمک، نیزون کی لچک، کمانون کا کڑکنا، نقیبون کا گرجنا، ان چیزون کا اس طرح بیان کیا جائے کہ آنکھون کے سامنے معرکۂ جنگ کا سمان چھا جاے، پھر بہادرون کا میدان جنگ مین جانا، مبارز طلب ہونا، باہم معرکہ آرائی کرنا، لڑائی کے داؤن پیچ دکھانا، ان سب کا بیان کیا جائے، اسکے ساتھ، اسلحہ جنگ، اور دیگر سامان جنگ کی الگ الگ تصویر کھینچی جاے، پھر فتح یا شکست کا بیان کیا جاے اور اسطرح کیا جاے کہ دل دہل جائین، یا طبیعتون پر اُداسی اور غم کا عالم چھا جاے۔

فردوسی کے ہان یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، مثلاً وہ معرکۂ جنگ کا سمان اسطرح کھینچتا ہے ؎

جہان لرزلرزان شد و دشت و کوہ		زمین شد زنعل ستوران ستوہ (گھوڑے عاجز)	

برآمد ز ہر سو ز لشکر خروش — ہمی پیل را زان بدرّید گوش

ز بس نیزہ و گرز و گوپال و تیغ — تو گفتی ہمہ ژالہ بارد ز میغ

بلند آسمان چون زمین شد ز خاک — ز ہر سو ہمی برشدہ چاک چاک

درخشیدن تیغ ہائے بنفش — ازان سایہ کاویانی درفش

تو گفتی کہ اندر شب تیرہ چہر — ستارہ ہمی برفشاند سپہر

سیہ شد ز گرد سپہ آفتاب — ز پیکان پولاد و پر عقاب

دل کوہ گفتی بدرّد ہمی — زمین با سواران بسپرد ہمی

تو گفتی کہ ابرے برآمد سیاہ — بباریدہ خون اندران رزمگاہ

ز گرد سیہ روشنائی نماند — ز خورشید شب را جدائی نماند

ز جوشش سواران و ز خم تبر — دگر کوہ خارا برآورد سر

زمین شد ز نعل ستوران ستوہ — ہمان کوہ دریا شد و دشت کوہ

ز بس نعرہ و نالۂ کرنائے — ہمی آسمان اندر آمد ز جائے

سنان ہائے رخشان و تیغ سران — درفش از بر و زیر گرز گران

بجوشید دشت و بجنبید کوہ — ز بانگ سواران ہر دو گروہ

ز آہن زمین بود و از گرز میغ — ستارہ سنان بود و خورشید تیغ

زمین لالہ گون شد ہوا نیلگون — برآمد ہمی موج دریائے خون

اسکے مقابلہ مین میر انیس کا رزمیہ دیکھو ؎

ہنگامۂ جنگ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک — اٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگا فلک

شیپور کی صدا سے ہراسان ہوئے ملک — قرنا پھنکی کہ گونج اٹھا دشت دور تک

شور دُھل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

گھوڑون سے گونجتا تھا وہ سب وادی نبرد
تھا چرخ چارمین پہ رُخِ آفتاب زرد

گردون مین مثل شیشۂ ساعت بھری تھی گرد
ڈر تھا گرے زمین پہ نہ مینائے لاجورد

گرمی ہجومِ فوج سے وہ چند ہوگئی
خاک اسقدر اُڑی کہ ہوا بند ہوگئی

کانپے طبق زمین کے، ہلا چرخ لاجورد
اُٹھ کر زمین سے بیٹھ گئی زلزلہ مین گرد

مانند گُھربا ہوا مٹی کا رنگ زرد
تیغون کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد

گرمی سے رن کے ہوش اُڑے وحش و طیر کے
شیر اُس طرف اُترگئے دریا کو پیر کے

اللہ رے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت و در
جنات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر

جنگل مین چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
دنیا مین خاک اُڑتی ہے اب جائین ہم کدھر

اندھیر ہے، اُٹھی برکت اب جہان سے
لو مل گیا زمین کا طبق آسمان سے

تھرا رہا تھا خوف سے مینائے لاجورد
تھا دن بھی زرد، دھوپ بھی زرد، اور زمین بھی زرد

ہلتے تھے کوہ، کانپتا تھا وادی نبرد
خورشید چھپ گیا، یہ اُٹھی کربلا مین گرد

اک تیرگی غبار سے تھی چشم مہر مین
ٹاپو پڑے ہوئے تھے محیطِ سپہر مین

فوج کی طیاری اور سامان

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل
تھے برچھیون کی صورت مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جنکی آب مین تھی تلخی اجل
وہ گرز جنکے ڈر سے گرے دیو منہ کے بھل

دو دو تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقون پہ تھے بچھے ہوئے حلقے کمند کے

وہ دھوم طبل جنگ کی، وہ برق کا خروش
کر ہو گئے تھے شور سے کرّوبیون کے گوش
تھرّا ہی یون زمین کہ اُڑے آسمان کے ہوش
نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش

ڈھالین تھین یون سرون پہ سواران شوم کے
صحرا مین جیسے آئے گھٹا جوم جوم کے

حد سے فزون ہے کثرت افواج نابکار
نیزہ پہ نیزہ، تیغ پہ ہے تیغ آبدار
ہر سمت ہے سنان پہ سنان مثل کارزار
ہر صف مین ہے سپر پہ سپر مثل لالہ زار

پیکان بہم ہین جیسے ہون گل بے کھلے ہوئے
گوشون سے ہین کمانون کے گوشے ملے ہوئے

دریا کی طرح لشکر کین مارتا ہے جوش
نیزے ہلا رہے ہین جوانان درع پوش
ھل من مبارز کا ہر اک صف مین ہے خروش
چلّے کھچے ہوئے ہین کمانون کے تا بگوش

ہر صف مین برچھیان بھی ہزارون لچکتی ہین
نوکین وہ تیز ہین کہ دلون مین کھٹکتی ہین
نیزے تلے ہوئے ہین سنانین چمکتی ہین
ترکش کھلے ہوئے ہین کمانین کڑکتی ہین

سنگین دلون نے ہاتون مین تبر اُٹھائے ہین
تیغون کے ساتھ گرز گران سر اُٹھائے ہین

سپاہیون کی آمادگی جنگ

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضہ کو چوم کے — بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے

چتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی — ولہ — منہ سرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی

نکلا کوئی سمند کو زانو مین داب کے — ولہ — غصہ سے رہ گیا کوئی ہونٹون کو چاب کے

پاس ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی — ولہ — پٹری ہر اک سوار کے گھوڑے پہ جم گئی

حملہ کا زور شور اور فوجون کی ہلچل

نکلی جو رن مین تیغ حسینی غلاف سے — اڑنے لگے شرر دم خارا شگاف سے

بجلی بڑی چمک کے جو دشت مصاف سے — صاف آئی الامان کی صدا کوہ قاف سے

طبقے فلک کے صورت گہوارہ ہل گئے
دب کر پہاڑ خاک کے دامن سے مل گئے

لرزہ تھا تحت و فوق و جنوب و شمال مین — سکان غرب و شرق تھے بیم زوال مین

مضطر تھے شش جہت کے مکین ایک حال مین — غل تھا کہ گھر گئے غضب ذوالجلال مین

شہ کا غضب نمونۂ قہر الٰہ تھا
تلوار کیا علم تھی کہ عالم تباہ تھا

جنگل مین تھی علم جو وہ تیغ شرر فشان — تھرا کے آسمان مین چھپتا تھا آسمان

غار اژدرون سے چھٹ گئے شیرون سے بیشہ ان — برپا تھا بر و بحر مین اک شور الامان

مانند موج مچھلیون مین اضطراب تھا
زہرہ ہر ایک سنگ کا پانی مین آب تھا

اٹھا جو الحفیظ کا روحانیون مین شور — مردے دہل کے چونک پڑے سب میان گور

چلّائے گرگ و شیر و غزالان و مار و مور
ہے بازوئے حسینؑ مین دستِ خدا کا زور

اُلٹے ہین مثلِ شیرِ خدا آستین کو
اے کردگارِ عرش بچائے زمین کو

تھا فوجِ قاہرہ مین تلاطم کہ الحذر
تہین موج کی طرح سب اُدھر کی صفین اِدھر
چکر مین تھی سپاہ کہ گردش مین تھا بھنور
پانی مین تھے نہنگ، ابھرتے نہ تھے مگر

فوجین فقط نہ بھاگی تہین مُنہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا، کنارہ کو چھوڑ کے

تھا شش جہت مین غل کہ یہ ہے روزِ انقلاب
اُلٹے گا اس زمین کا ورق ابنِ بوترابؑ
اس شیر پر نہوگی کوئی فوج فتحیاب
بس اب بنائے عالمِ امکان ہوئی خراب

حملہ غضب سے بازوئے شاہِ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمین کے جہاز کا

ملتی تھی جائے امن نہ زیرِ فلک کہین
غل تھا کہ مل نہ جائے سما سے سمک کہین
جنات بے حواس کہین تھے ملک کہین
سایہ کہین تھا، تیغ کہین تھی چمک کہین

پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی نار سے
گرتی تہین تین بجلیان اک ذوالفقار سے

پریون سے قاف چھوٹ گیا، اور جنون سے گھر
شیرون سے دشت، گرگ سے بن، اژدرون سے در
شاہین و کبک چھپ گئے، اک جا ملا کے سر
اُڑ گرگرے جزیرون مین جنگل کے جانور

سمٹے پہاڑ مُنہ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرغ نے گرا دئے پر کانپ کانپ کے

فوجون کی اجڑی اور ہل چل

کرتی تھی برق تیغ جو ہر پل ادھر اُدھر
سمٹے ہوئے تھے ڈھالون کے بادل ادھر اُدھر

شبدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل ادھر اُدھر
بھاگڑ تھی قلب فوج مین ہل چل ادھر اُدھر

ہر جانبون کے ڈھیر سرون سے بلند تھے
بھاگین کہان، گریز کے کوچے تو بند تھے

تیغین سپر کے ساتھ کٹین، خود کے ساتھ
سینہ کمر کے ساتھ کٹا۔ دل جگر کے ساتھ

ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھیرا پسر کے ساتھ
اس معرکہ مین چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ

بھاگے شریر خلعت و منصب کو چھوڑ کر
جانین روانہ ہوگئین قالب کو چھوڑ کر

سرہنگ شام ٹھوکرین کھا کھا کے مر گئے
جو بچ گئے ادھر سے اُدھر جا کے مر گئے

کتنے جوان سمون کے تلے آ کے مر گئے
پس پس کے سرمہ ہو گئے ٹکرا کے مر گئے

ہل چل نے استخوان بدن چور کر دیے
بیٹون نے پانون باپ کی چھاتی پہ دھر دیے

تھا الامان کا شور پریشان تھے اہل شر
تیغون کے پیچھے ڈر کے چھپی تھی ہر اک سپر

ماتھے علم رگڑتے تھے جھک جھک کے خاک پر
پرچم نے بال کھولے تھے فریادیون نے سر

دانتون مین خس، ہراس سے تھے ہر جوان کے
چادر ہلا رہے تھے پھریرے نشان کے

بے رخ کمانین تیرون سے، چلے کمان سے دور
مرغان تیر سہمے ہوئے آشیان سے دور

برچھے سے پھل گرے ہوئی نیزے سنان سے دور
پیرون سے عقل دور، تہور جوان سے دور

تیغون کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالون کا ہوش تھا
نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا

در پے تھی سرکشون کی جو وہ تیغ جان ستان
گوشون سے تھی بلند صدا سے امان امان

ترکش سے تیر بھاگتے تھے، تیر سے کمان
گردن سے سر، رگون سے لہو اور تنون سے جان

یارا عقاب تیر کو پرواز کا نہ تھا
رن مین کہین نشان قدر انداز کا نہ تھا

ملتا نہ تھا صفون مین علم کا نشان کہین
چلتے کہین تھے، شست کہین تھی کمان کہین

نیزے کہین تھے، ڈانڈ کہین تھی سنان کہین
جمدھر کہین، کمند کہین، چھپیان کہین

اک اک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالون کے پھولون سے باغ تھا

وہ گھات بڑھ اور وہ اسکی چمک دمک
کانپی کبھی زمین، کبھی تھرا گئے فلک

شعلہ مین یہ چمک تھی نہ بجلی مین یہ لپک
ہر ضرب مین سما سے تلاطم تھا تا سمک

کونین مین حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاہ زمین سمٹتی تھی گھٹنون کو ٹیک کے

ڈر ڈر کے پچھلے پانون سپاہ لعین ہٹی
یہ صف سو سے یسار وہ سو سے یمین ہٹی

سہمے جبال، نہر کہین سے کہین ہٹی
دہشت سے آسمان ہوا اونچا، زمین ہٹی

بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتی گردون پہ چڑھ گیا

نعرہ جدا، صدا سے بگیر و بدہ جدا
گوشے کمان سے دور تھے، گوشون سے زہ جدا

بکتر جدا زمین پہ ٹکڑے، زرہ جدا
نیزون کو دیکھیے تو گرہ سی گرہ جدا

اللہ رے فرق، گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتون کا ذکر کیا ہے کہ تیغون مین دم نہ تھے

منفر نہ سر کے پاس، نہ خنجر کمر کے پاس
بیٹے کے پاس باپ، نہ بیٹا پدر کے پاس
قبضہ کے پاس تیغ، نہ دستہ تبر کے پاس
کڑیان زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس

نیزے نہ تھے سنان پہ نہ پرچم نشان پر
پیکان نہ تیر پر تھا، نہ چلہ کمان پر

معرکہ آرائی، اور فنون جنگ کا اظہار قدیم زمانہ مین جنگ کا دستور تھا کہ عام لڑائی سے پہلے، دونون طرف سے پہلے، ایک ایک شخص میدان مین نکلکر حریف سے معرکہ آرا ہوتا تھا، اس بنا پر تمام مرثیہ گویون نے اس قسم کی معرکہ آرائیان بیان کی ہین۔ لیکن مرزا دبیر وغیرہ یہ واقعہ اسطرح لکھتے ہین کہ یہ نہین اندازہ ہوتا کہ حریفون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، بخلاف اسکے میر انیس اسکو اسطرح ادا کرتے ہین کہ گویا فن جنگ کا بڑا ماہر لڑائی کے تمام داؤن پیچ بتا رہا ہے چونکہ عرب مین سب سے پہلے لڑائی کی ابتدا رجز سے ہوتی تھی اس لئے پہلے ہم رجز کا انداز دکھاتے ہین۔

رجز عرب مین سب سے پہلے، حریف میدان مین نکل کر رجز پڑھتا تھا یعنی اپنی شجاعت، اور دلیری کا خود اظہار کرتا تھا، اس بنا پر میر انیس نے جا بجا رجز لکھا ہے لیکن چونکہ امام حسین علیہ السلام کی زبان سے پہلوانی کا اظہار، ان کے رتبہ کے شایان نہ تھا، اسلئے اکثر رجزون مین پہلوانی اور بہادری کے بجائے فضیلت اور شرف کا اظہار کیا ہے مثلاً ؎

مین ہون سردار شباب چمن خلد برین
مین ہون انگشتر پیغمبر خاتم کا نگین

مین ہون خالق کی قسم دوش محمد کا مکین
مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے زمین

ابھی نظرون سے نہان نور جو میرا ہو جائے
محفل عالم امکان مین اندھیرا ہو جائے

پھر یہ بیان کرکے کہ جناب رسول اللہ صلعم اور جناب امیر و حمزہ سید الشہدا کے تمام تبرکات مجھی کو وراثت مین ملے ہین، فرماتے ہین ؎

یہ قبا کسکی ہے بتلاؤ یہ کسکی دستار
یہ زرہ کسکی ہے پہنے ہون جو مین سینہ فگار

بر مین کسکا ہے یہ چار آئینہ جوہر دار
کسکا رہوار ہے یہ آج مین جسپر ہون سوار

کسکا یہ خود ہے، یہ تیغ دو سر کسکی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے، یہ سپر کسکی ہے

لیکن عام رجز کے قاعدہ کے لحاظ سے، بعض بعض جگہ شجاعت اور زور و قوت کا بھی اظہار کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہین ؎

بخشا ہے مجھکو حق نے شہ لافتی کا زور
اس دست مرتضیٰ مین ہے دست خدا کا زور

ہے انگلیون کے بند مین خیبر کشا کا زور
پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور

اُلٹون فلک کو یون، جو ہو قصد انقلاب کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے ساغر حباب کا

آگے بڑھون جو تیر کو چلہ مین جوڑ کے
بھاگین خطا شعار کمانون کو چھوڑ کے

بیکار کردون شیر کا پنجہ مروڑ کے
پٹکون زمین پر در خیبر کو توڑ کے

اُلٹون طبق زمین کے یون جھک کے زین سے

جس طرح جھاڑ دیتے ہین گرد آستین سے

دنیا ہو اک طرف تو لڑائی کو سر کرون
بے جبرئیل کا قضا و قدر کرون

آ بے غضب خدا کا اُدھر رخ جدھر کرون
اُنگلی کے اک اشارے مین شق القمر کرون

طاقت اگر دکھاون رسالت مآب کی
رکھدون زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

یہ تیغ سر پہ گر کے ٹھہرتی ہے زین پر
خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر

جب ہاتھ اُٹھاے برق گری ہے زمین پر
کاٹے ہین کسکی تیغ دو پیکر نے تین پر

گھوڑے پر سوار ہونا

لو اب سوار ہوتے ہین عباس نامور
لو ہٹ کے ہات آپنے رکھا یال پر

لو دامن قبا نے لیا بوسہ کمر
لو آفتاب خانۂ زین مین ہے جلوہ گر

برچھا لیا سمند مین زانو کو داب کے
لو دو ہلال بن گئے حلقے رکاب کے

دو حریفون کی معرکہ آرائی اور فنون جنگ

فردوسی کا یہ بڑا کمال خیال کیا جاتا ہے کہ وہ لڑائی کے تمام جزئیات دانون پیچ، اور فنون جنگ کا نقشہ کھینچتا ہے، لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ سرسری اور معمولی باتون کے سوا لڑائی کے ہر قسم کے تمام کرتب نہین دکھاتا، سب سے بڑا سین جو اسنے دکھایا ہے وہ رستم اور اشکبوس کا معرکہ ہے اس موقع کے اشعار یہ ہین ؎

خدنگے بر آورد پیکان چو آب
نہادہ بر و چاچی در پر عقاب

بمالید چاچی کمان را بدست
بہ چرم گوزن اندر آمد شکست

ستون کرد چپ را و خم کرد راست
خروش از خم چرخ چاچی بخاست

چو زد تیر بر سینۂ اشکبوس
سپہر آن زمان دست او داد بوس

چو پیکان ہوسید انگشت اوے
گذر کرد از مہرۂ پشت اوے

ان اشعار مین تیراندازی کا وہی معمولی طریقہ ادا کیا ہے، البتہ نہایت شاندار اور پُرزور الفاظ مین ادا کیا ہے۔ لیکن میر انیس لڑائی کے ہر قسم کے کرتب اور ہنر اس تفصیل سے بیان کرتے ہین کہ عربی اور فارسی مین اسکی نظیر نہین مل سکتی، ملاحظہ ہو ؎

یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزہ کو دی تکان
چمکی انی تو برق پکاری کہ الامان

اک بندہ باندہ کر جو فرس سے کہا کہ ہان
ڈانڈا آئی ڈانڈ پر تو سنان سے لڑی سنان

بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

جھنجلا کے چوب نیزہ کو لایا وہ فرق پر
قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر

دو انگلیون مین نیزۂ دشمن کو تھام کر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر

نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیون سے کام لیا ذوالفقار کا

سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اُٹھا کے جب
قبضہ مین لی کمان کیانی بہ صد غضب

چلہ مین تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب
تیوری چڑھائی قاسم نوشاہ نے بھی تب

تیر نگاہ سے وہ خطا کا ڈر گیا
کانپے یہ دونون ہاتھ کہ چلہ اُتر گیا

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد
تھا حرب و ضرب مین وہ شقی بھی بلا سے بد

حملہ کے وار کرتا تھا وہ بانی جسد
کہتا تھا بازو سے شہ دین، یا علیؑ مدد

یون روکتے تھے ڈھال پہ تیغِ جھول کو ÷
جسطرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو

لایا جو حرفِ سخت زبان پر وہ بدخصال
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بصد جلال

جھپٹا مثال شیر درندہ حسنؑ کا لال
اتنے بڑھے کہ رہ گئی اسکی سپر سے ڈھال

اوجھڑ لگی کہ ہوش اُڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پانون رکھدیے سر پر سمند کے

عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا

ہان اب نہ جانے دیجیو احسنت مرحبا
سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا

گھوڑا ابھی اسطرف کو اُدھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہات، کہ دو ہو کے گر پڑا ÷

ایک اور موقع، ؎

نیزے ہلے، وہ چل گئین چوٹین کہ الامان
چنگاریان اُڑین جو سنان سے لڑی سنان

ہر طعن قہر کی تھی، قیامت کے ہر تکان ÷
دو اثر ہے گتھے تھے نکالے ہوئے زبان

پہلے شرر، پرندون کی جانین ہوا ہوئین
شمعون کی تھین لوین کہ ملین اور جدا ہوئین

انکا نہ ایک وار، نہ اس کے ہزار بند
کیا دو نیزہ بازی مین تھا بار بار بند

بڑھ بڑھ کے کھول دیتا تھا یہ شہسوار بند
چوٹون سے ینگون تھے جفا جو کے چار بند

خالی گئی نہ فرق کی نہ دست و پا کی چوٹ ÷
کھلتی بھی ہے، بندھی ہوئی مشکلکشا کی چوٹ

ڈوبی گرہ مین نیزۂ ظالم کی جب سنان
گھوڑا اُڑا کے ہات کو اکبرؑ نے دی تکان

اللہ رے زور اُٹھ گیا گھوڑے سے پہلوان
دستِ شقی سے چھوٹ گئی ڈانڈ ناگہان

نیزہ کے ساتھ شور اُٹھا اس گروہ سے
لو اژدہے کو لے گیا سیمرغ کوہ سے

ظالم نے ڈھال دوش سے لی اور کر کے تیغ
بدلا تھا اسنے ٹھاٹ کہ چمکی ادھر سے تیغ

دو چار بار ڈوب کے نکلی سپر سے تیغ
چلنے مین گھٹتی بڑھتی تھی کس کس سے تیز تیغ

چمکی سپر کے پاس، کبھی برق کی مثال
سر کو بتا کے کاٹ گئی، وہ زرہ کا جال

ولہ

شانے پہ آئی سینہ پہ لی جب شقی نے ڈھال
چوٹین کڑی پڑی تھین کہ مضطر تھا بدخصال

رو کے کسے؟ جواب کسے دے؟ کدھر پھرے؟
بجلی کے ساتھ ساتھ کہان تک سپر پھرے

چمکی جو تیغ، ڈھال وہ لایا فریب سر
اک برق سی گری کہ دو پارہ ہوئی سپر

مغفر سے سر مین تھی، سر و گردن سے صدر پر
سینہ سے جب بڑھی تو ہوا تب وہ باخبر

سب نشۂ غرور جوانی اُتر گیا
تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

ایک اور موقع ؎

تو لا شقی نے سنتے ہی یہ گرز گاؤ سر
اکبرؑ نے دوش پاک سے لی ہاتھ مین سپر

آیا اُدھر سے گرز ادھر سے چلا تبر
دو ہو گیا عمود مثال خیار تر

گرز اسطرح نکل گیا پنجے سے چھوٹ کے
سمجھے یہ سب زمین پہ گرا ہاتھ ٹوٹ کے

بھالا سنبھالا دشمنِ ایمان نے ملکے ہاتھ
نیزے کے چار پانچ نکالے سنبھلکے ہاتھ

پہلے ہی بک چکا تھا ستمگر اجل کے ہاتھ
بڑھتا نہ تھا جو پانوں تو کہتا تھا چل کے ہاتھ

کم تھے نہ یہ بھی زور مین گرزہ زیاد تھا
نیزے کے بند بند کا توڑ اُن کو یاد تھا

رکھکر تبر نیام سے لی تیغ شعلہ در
تھرا کے خود امان نے صدا دی کہ الحذر

بھائے کے ہاتھ بھول گیا سب وہ خیرہ سر
یہ بھی اُدھر تھے پھرتا تھا نیزہ جدھر جدھر

جاتا کدھر یہ تیغ سے جائے امان نہ تھی
دیکھا جو غور سے تو سنان کی زبان نہ تھی

بالائے سر جو ڈانڈ کو لایا وہ خود پسند
کھولے تمام نیزۂ بیداد گر کے بند

پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجھلا کے پھر کمند
سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند

گردش تھی ہاتھ کی نہ بڑھے کچھ نہ ہٹ گئے
حلقے کھلے تھے جو وہ اشارے مین کٹ گئے

ہٹکر خطا شعار نے جوڑا کمان مین تیر
تیر افگنی مین شہرۂ آفاق تھا شریر

سرکش خدنگ مرگ سے کیونکر ہو گوشہ گیر
چلّہ کٹا کمان کا زہے تیغ بے نظیر

قربان زور ضربت نصرت نشان کے
کھلکر قفا پہ بندھ گئے بازو کمان کے

خادم نے تیر جوڑ کے دی دوسری کمان
نیزہ اُٹھا کے شیر نے آواز دی کہ ہان

سیدھا ادھر اُٹھی تھی کہ چمکی اُدھر سنان
بھالے کی نوک جھوک نئی تھی نئی تکان

سہما یہ دل کہ بن گئی موذی کی جان پر

ناوک زمین پہ تھا تو کمان آسمان پر

ایک اور موقع ؎

پیہم ہوئین کمان پہ تکانین جو یکدگر
کس نوک جھوک سے وہین نیزے کو پھیر کر

ظالم کبھی ادھر تھا تو حضرت کبھی اُدھر
فرزند شیر حق نے دکھایا عجب ہنر

ظالم پہ آسمان سے بلا ناگہان گری
دو تین نیزہ اُڑ کے زمین پر سنان گری

چلّہ مین رکھ کے تیر پڑے ہے قبلۂ اُمم
کچھ کہہ کے گوش شہ مین چلا تیر تیز دم

اک بات راست کر کے کیا دوسرے کو خم
آواز دی کمان نے زہے شاہ باکرم

چلّہ تو شست شاہ زمن سے نکل گیا
وان تیر دل کو توڑ کے سن سے نکل گیا

گھوڑا | فردوسی کے ہان گھوڑے کی تعریف مین جستہ جستہ دو چار شعر پائے جاتے ہین، لیکن متاخرین نے اس مضمون کو بہت وسعت دی، اور مبالغہ کو حد سے بڑھا دیا، سب سے پہلے عبد الواسع جبلی نے ایک قصیدہ کی تشبیب، گھوڑے کی مدح سے کی ؎

اے بہ بالا ہمچو آتش وے سوے پستی چو آب
گر کنی پویہ نباشد ابر با تو ہم عنان

خاک وصفی در درنگ و باد رنگے در شتاب
گر بری حملہ، نباشد برق با تو ہم رکاب

مبالغہ ملاحظہ ہو ؎

از جبل پنہان شوی در سایۂ پرّ پشہ
وز ہنر جولان کنی، در گوشۂ چشم ذباب

"ایک شعر کے بعد لکھتے ہین کہ جب تو بلندی سے پستی کی طرف آتا ہے، یا پستی سے بلندی پر چڑھتا ہے تو ؎

نسبتی داری ہمانا با قضائے آسمان	قربتے داری ہمانا با دعائے مستجاب

عرفی نے بھی ایک قصیدہ گھوڑے کی مدح مین لکھا ہے

اے طعن فلک نوشتہ بر سُم	وے زلف صبا بریدہ از دُم
بر غنچہ سبک روی بدانسان	کش خندہ نزاید از تبسّم
تازی بہ لب فسانہ پرداز	زان گونہ کہ نشکنی تکلّم +

ایک اور قصیدہ مین لکھتا ہے ؎

آن سبک سیر کہ گر گرم عنانش سازی	از ازل سوے ابد وزا بد آید بہ ازل
قطرہ ہا کش دم رفتن چکد از پیشانی	شبنم آسا ش نشیند گہ رجعت بہ کفل
گر سر خصم تو بندند بہ پایش دم نزع	تا قیامت بہ گلویش نرسد دست اجل

زلالی لکھتا ہے ؎

ز جستن جستن او سایہ در دشت	چو زاغ آشیان گم کردہ می گشت

یعنی گھوڑا اسطرح جنگل مین اُڑتا پھرتا تھا کہ خود اس کا سایہ اس کو یون ڈھونڈھتا پھرتا تھا جس طرح کوا اپنے گھونسلے کو ڈھونڈھتا پھرے ۔

اُردو مین مرزا سودا نے کہا ؎

رو برو سے اگر آئینہ کے اس گلگون کو	پھینکدے لیکے کبھی شرق سے تو غزنلک
اتنے عرصہ مین پھر آئے تو اسے باور کر	عکس بھی آئینہ سے ہونے نہ پائے منفک

مرزا دبیر صاحب فرماتے ہین ع سرعت کا یہ عالم ہے کہ سن بڑھ نہین سکتا +

ان تمام اشعار کے نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ فارسی اور اُردو مین، جو کچھ گھوڑے کی مدح مین لکھا گیا، وہ صرف ناممکنات کے افسانے تھے، کسی نے یہ نہین کہا کہ گھوڑے کا اصلی خدوخال، ڈیل ڈول،

چہرہ مہرہ، چال پھر، اُڑ جاؤ، کا نقشہ دکھاتا،

میر انیس صاحب بھی اگرچہ مذاق عام کی پیروی سے اکثر بہکے ہین چنانچہ فرماتے ہین

ع آنکھون مین یون پھیرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو ؎

تنگی سے آسمان کی خفا یہ سمند ہے
کیونکر اُڑے، پری ہے کہ شیشہ مین بند ہے

تاہم ان کا اصلی جوہر بھی ہر جگہ نمایان ہے، ملاحظہ ہو، ؎

باریک جلد وہ کہ نظر آئے تن کا خون
گنڈے کو دیکھ کر مہ نو ہووے سرنگون
رفتار مین وہ سحر کہ پریون کو ہو جنون
غنچے بھی کچھ پڑے ہین کنوتی کو کیا کہون

قربان ہزار جان فرس بے نظیر پر
پیکان دو چڑھے ہوئے ہین ایک تیر پر

نازک مزاج، خوش قد، وطناز و سربلند
وہ پیش و پس، وہ سم وہ کنوتی، وہ جوڑ بند

ولہ

کوتاہ و گرد، و صاف، کنوتی، کمر، کفل
کیا خوشنما کشادگی سینہ و بغل

ولہ

وہ تھوتنی، وہ ابلی ہوئی انکھڑیان اوڑیاں
گویا کھلے تھے، ہور کے گیسو، پری کے بال

ولہ

وہ جلد، وہ دماغ، وہ سینہ، وہ سم، وہ چال
دم مین کبھی ہما، کبھی ضیغم، کبھی غزال

وہ قصر آسمان پہ بھی جانے مین طاق تھا
دو پر خدا اگر اسے دیتا براق تھا

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکی سمند
سانچے مین تھے ڈھلے ہوئے اسکے جوڑ بند
سُم قرص ماہتاب سے روشن ہزار چند
نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند

پتلی جدھر سوار نے پھیری وہ مڑ گیا
اُترا براق سبکے پری ہو کے اُڑ گیا

جرأت مین رشک شیر، تو ہیکل مین پیل تن
پوئی کے وقت کبک دری جست مین ہرن
بجلی کسی جگہ تو کہین ابر قطرہ زن
بن بن کے آنے جانے مین طاؤس کا چلن

سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

افزون ہے زلف حور سے خوشبو ایال کی
دیکھین تو لین بلائین سدا بال بال کی
پریان خرام ناز مین شاگرد چال کی
غصہ مین جست شیر کی، شوخی غزال کی

وہ حسن تن پہ سانکا - جوبن یراق کا
دُلدُل کے ہات پانون تو چہرہ براق کا

غصے مین انکھڑیون کے اُبلنے کو دیکھیے
جوبن مین جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
سانچے مین جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے
تھم کر کنوتیون کے بدلنے کو دیکھیے

وہ تھوتنی کہ غنچہ سوسن سے تنگ تر
وہ انکھڑیان خجل ہون ہرن جسکو دیکھ کر

ع وہ شوخیان فرس کی، وہ سرعت، وہ آؤ جاؤ

گھوڑے کے غیظ کی تصویر

مانند شیر غیظ مین آیا وہ پیل تن
آنکھین اُبل پڑین صفت آہوے ختن
ماری زمین پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن
غل پڑ گیا کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رن

میخین زمین کی اسکی تگاپو سے ہل گئین
دونون کنوتیان بھی کھڑی ہو کے مل گئین

گھوڑے کی تیز روی اور چل پھر

سمٹا جما اُڑا، اِدھر آیا اُدھر گیا
چمکا پھرا، جمال دکھایا ٹھہر گیا

تیرون سے اُڑ کے جھپٹون مین بے خطر گیا
برہم کیا صفون کو، پرے سے گذر گیا

گھوڑون کا تن بھی ٹاپ سے اس کے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

پھرتا تھا کیا، صفون مین فرس جوم جوم کے
سرعت بلائین لیتی تھی مُنہ چوم چوم کے

پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے
غُل تھا یہ غول مین پسر سعدِ شوم کے

رخش ایسا روم و رے مین نہین، شام مین نہین
یہ شوخیان تو ابلقِ ایام مین نہین ٭

آہو کی جست، شیر کی آمد، پری کی چال
کبک دری خجل، دلِ طاؤس پایمال

سبزہ سُبک روی مین قدم کے تلے نہال
اک دو قدم مین بھول گئے چوکڑی غزال

جو آگیا قدم کے تلے گرد برد تھا ٭٭
چہل بل غضب کی تھی کہ چپلا وہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا، کبھی رہوار بن گیا
آیا عرق تو ابرِ گہربار بن گیا

گہ قطب، گاہ گنبد دوار بن گیا
نقطہ کبھی بنا، کبھی پرکار بن گیا

حیران تھے اسکے گشت پہ لوگ، اُس ہجوم کے
تھوڑی سی جا مین پھرتا تھا کیا جوم جوم کے

تلوار

مرثیہ گویون کا سب سے بڑا موضوع شاعری یہی ہے، اور مرزا دبیر صاحب تو اس عالم مین لامکان تک پہنچ جاتے ہین، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ سب کچھ کہتے ہین اور غور سے دیکھیے تو (تلوار کے متعلق)

کچھ نہین کہتے، چنانچہ فرماتے ہین۔

مرزا دبیر

مژگہ چشم نیام اوج پر آیا ✣		اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا
خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا	ولہ	یا دوڑ کے ظلمت کے گلے سے خضر آیا
ظلمات مین یہ فتح پہ قبضہ کیے پھری	ولہ	یونس کو جیسے بطن مین ماہی لیے پھری
مثل ہوا سر دن مین سمائی چلی گئی	ولہ	بو کی طرح دماغون مین آئی چلی گئی
ذات اک طرف مٹا دیا اسنے صفات کو	ولہ	کیسی زبان، زبان مین یہ کاٹ آئی بات کو
کاف شگاف بن کے درون جگر گئی	ولہ	مانند میم مرگ، میان کمر گئی
لفظ شکم مین دینے کو زیر و زبر گئی	ولہ	مانند پیش ہر جزو کل سے گذر گئی
تلوارون پر وہ سیف جو شعلہ فشان ہوئی	ولہ	جل بھن کے آب تیغون کی زمین دہلون کی
گیا جو فوق سے تحت الثریٰ کو آب حسام	ولہ	بنا خزانۂ قارون خرابہ حمام
فلک نے تختۂ یونان رکھا زمین کا نام		ہوا رطوبت اطراف سے زمین کو زکام

دماغ خاک پہ نزلہ بصد وفور گرا ✣
کیا جو عقد تو قارون نخل کے دور گرا ✣

خود انصاف کرو، یہ تلوار کی تعریف ہے یا ہوائی طلسم ہے۔

میر انیس صاحب بھی اگرچہ سامعین کی بدمذاقی کے اثر سے کہین کہین بے راہ نکل جاتے ہین، تاہم واقعیت اور اصلیت کا جوہر ہر جگہ نمایان رہتا ہے، سب سے پہلے دیکھو تلوار کا سراپا کسطرح کھینچتے ہین ؎

پشہ وہ اس کا اور وہ باریکی خیمہ		گنبد مین بے مثال، اصالت مین بے نظیر
دلسوز شعلہ خو، شرر انداز، جانگداز	ولہ	لشکر کش و شکست رسان و ظفر نواز

خونخوار و کج ادا و دل آزار و سرفراز
حاضر جواب، تیز طبیعت زبان دراز

سچ اس کی ہے پسند جہان گو سچی نہ ہو
معشوق پھر نہین کہ جو اتنی کجی نہ ہو

ذوالفقار سے تشبیہ ۵

جوہر وہی، برش کا وہی طور، خم وہی
تیزی وہی غضب کی، وہی گھاٹ، دم وہی
چلنا اسی طرح کا، چمک دمبدم وہی
رنگت زمردی وہی، پانی مین سم وہی +

تلوار کا کاٹ اور اسکی تعریف

چمکی، گری - اٹھی، ادھر آئی اُدھر گئی
خالی کئے پرے، تو صفین خون مین بھر گئی
کاٹے کبھی قدم، کبھی بالائے سر گئی
ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی

غل تھا یہ کیا ہے ، جو قہر صمد نہین
ایسا تو رود نیل مین بھی جذر و مد نہین

بجلی گری کہ فوج پہ تیغ دو سر گری
کٹ کر کسیکی تیغ، کسیکی سپر گری
چمکی کبھی فلک پہ، کبھی فرق پر گری
سر کاٹ کر، ادھر سے جو اُٹھی اُدھر گری

زہرین تنون مین مثل کفن چاک ہوگئین +
اک آن مین صفین کی صفین خاک ہوگئین

اک شور تھا کہ تیغ ہے یہ یا خدا کا قہر
بہتی ہے جسکی آگ سے کوسون لہو کی نہر
ناگن ہے یہ کہ کاٹے کی جسکی نہین ہے لہر
اُتری گلے سے اچھڑ گیا اسارے بدن مین زہر

زخمون سے جسم ڈر سے کلیجے فگار ہین +
جوہر نہین ہین تیغ مین، دندان مار ہین

یکتا برش مین جوہر ذاتی مین قدر مین
تیزی وہی تھی سان کی اس آشوب غدر مین
چمکی احد مین خیبر و خندق مین بدر مین
بڑھ کر سپر سے سر مین گئی اسر سے صدر مین

کھچتی ہوئی سپر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
راکب تھا نہ فرس تھا نہ زین تھا نہ تنگ تھا

غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی، یہ گری
ترکش کٹا کمان کیانی سے زہ گری
برچھی سے اڑ گئی وہ سنان، یہ گرہ گری
یہ سر اڑا، وہ خود اڑا، یہ زرہ گری

آتی ہے لشکرون پہ تباہی اسیطرح
گرتی ہے برق قہر الٰہی اسی طرح

سر لوٹتے تھے برچھیون والونکے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالون کے ہر طرف
ٹکڑے پڑے تھے دشت مین بالونکے ہر طرف
پرکالے اڑتے پھرتے تھے ڈھالونکے ہر طرف

خاطر نشان نہ تھی کسی آفت نشان کی
انبار تھین کٹی ہوئین شاخین کمان کی

کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے
پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے
تنتی تھی بس تنون سے زمین پاٹ پاٹ کے
دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے

کیا جانئے ملا تھا مزا کیا زبان کو
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

ہر ہات مین اڑا کے کلائی نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی
کوندی اگری - زمین مین سمائی نکل گئی
مچھلی تھی اک کہ دام مین آئی نکل گئی

جاری آئینہ کے پار تھی اس آب و تاب سے

جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر
پہنچوں سے ہات، شانوں سے بازو، تنوں سے سر

قبضہ سے تیغ، برسے زرہ، ہات سے سپر
برچھی سے پھل، کمان سے زہ، زین سے تبر

ترکش کہیں پڑے تھے نشان زری کہیں
پیکان کہیں تھی، شست کہیں تھی، سری کہیں

جب صف پہ وار کرتے تھے سلطان بحر و بر
اُڑتی تھی کٹ کے صورت کاغذ ہر اک سپر

چھپتی تھیں بھاگی جاتی تھیں، گرتے تھے خاک پر
قبضوں سے تیغیں جسم سے روحیں تنوں سے سر

پے تھے قدم، گریز کے کوچے بھی بند تھے
شعلہ وہ تیغ تھی، سر اعدا سپند تھے

چھپتے تھے یوں وہ دیکھ کے اس تیغ کی چمک
بھاگے شعاع مہر سے جسطرح سترک

اوج سما سے زلزلہ برپا تھا تا سمک
چمکی وہ جب تو کانپ گئے چرخ پر ملک

ہر شے تھی خوف جان سے خضوع و خشوع میں
سجدے میں تھی زمین تو فلک تھا رکوع میں

جوشن کو کاٹ جاتی تھی یوں آ کے اوج سے
پیراک جسطرح نکل آتا ہے موج سے

چمکی جو برق سی تو نکل آئی تنگ سے
رُکتی تھی نہ سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے

خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اسکے سامنے تھا پھیولا حباب کا

چرخ نہم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب و تاب
آتش کسی جگہ کہیں بجلی کہیں سحاب

سیلی تھی اک پری کے شکم پر کہ اُسکی تاب
تیزی زبان میں وہ کہ فرشتوں کو دے جواب

جوہر سے اُس کا جسم جواہر نگار تھا
گویا گلے مین حور کے ہیرے کا ہار تھا

پیاسی بھی خون فوج کی اور آبدار بھی
غل تھا کہ ایک گھاٹ مین پانی بھی نار بھی
بجلی بھی ابر تر بھی خزان بھی بہار بھی
تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی

پانی نے اُسکے آگ لگا دی زمانے مین
اک آفت جہان تھی لگانے بجھانے مین

نیزون کے بند بند قلم بر چھیان دو نیم
مثل قلم زبان دراز سنان دو نیم
چار آئنہ کٹے ہوئے گرز گران دو نیم
مغفر سے تا کمر جسد پہلوان دو نیم

سالم تھا پیش آئنۂ تیغ جو نہ تھا
لشکر مین کونسا تھا وہ یکتا جو دو نہ تھا

وہ تیغ جب بڑھی صف کفار ہٹ گئی
چمکی جو برق ڈھالون کی بجلی سمٹ گئی
دم بھر مین یون صفون کو اُلٹ کر لپیٹ گئی
رن کی زمین لہو کے ڈھیرون سے کٹ گئی

دریا بھی آب تیغ سے بے آبرو ہوا
غل تھا کہ لو فرات کا پانی لہو ہوا

اس موقع پر شاید تمھارے ذہن مین یہ خیال آئے کہ میر انیس کی رزمیہ مین گو الفاظ کی شکوہ و شان کی کچھ انتہا نہین لیکن اصلیت اور واقعیت سے یہ مراحل دور ہے، کربلا کا واقعہ نتائج کے لحاظ سے بے شبہہ ایک اہم واقعہ ہے لیکن معرکہ آرائی کے لحاظ سے اسکی صرف یہ حیثیت ہے کہ ایک طرف سو سوا سو آدمی تشنہ لب اور بے سروسامان تھے دوسری طرف تین چار ہزار کا مجمع تھا جو دفعۃً ٹوٹ پڑا، اور تین گھنٹے مین لڑائی کا فیصلہ ہو گیا، ایسے واقعہ کے متعلق یہ کہنا کہ زمین تھرّا گئی آسمان کانپنے لگے، پہاڑ جگہ سے ہٹ گئے،

دریا اُبل پڑے، فرشتے آسمانون مین چھپتے پھرتے تھے وغیرہ وغیرہ، واقعیت سے کسقدر دور ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاعری مین اصلیت اور واقعیت کا لحاظ تاریخی حیثیت سے نہین کیا جاتا، بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ شاعر کو ان واقعات کا یقین ہے یا نہین؟ اگر وہ ان باتون پر یقین رکھتا ہے، اُن کے اثر سے لبریز ہے، اور جس قدر اسکے دل پر اثر ہے اسی جوش کے ساتھ اُن کا اظہار بھی کرتا ہے تو اس کی شاعری بالکل اصلی ہے، فرض کرو کہ **شاہ نامہ** کے تمام واقعات غلط ثابت ہو جائین تو اس سے **فردوسی** کی کمال شاعری مین کیا فرق آئے گا۔

شاعر کو قطعی یقین ہے کہ **امام حسین علیہ السلام** تمام عالم کے کاروبار کے مالک ہین، جن و انس، شجر حجر سب ان کے محکوم ہین، اُن کا غیظ مین آنا، گویا عالم کا غیظ مین آنا ہے، اس صورت مین اگر ان کی حملہ آوری سے زمین و آسمان دہل جائین، اور دنیا متزلزل ہو جائے تو استعجاب کی کیا بات ہے، یہ ضرور ہے کہ اس حالت مین بھی وہی واقعات بیان کرنے چاہئین جن سے طبیعت پر واقعی اثر ہو، صرف موہوم خیال بندی اور لفاظی نہ ہو، جیسا **مرزا دبیر صاحب** کا انداز ہے۔

یہ بات بھی بظاہر کھٹکتی ہے کہ رزم کے بیان مین عشقیہ الفاظ استعمال کرنا، بلاغت کے خلاف ہے، اور **میر انیس** اکثر تلوار کی تعریف مین اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہین، مثلاً ؎

کس تکلف سے وہ لیلائے ظفر، راہ چلی،	گہ بڑھی، گاہ رکی، گاہ تھمی، گاہ چلی،
کاٹھی سے اسطرح ہوئی وہ شعلہ، وجد آ	جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جدا
سچ اس کی ہے پسند جہان گو سجی نہ ہو	معشوق پھر نہین کہ جو اتنی کجی نہ ہو

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض کی بات نہین، بلکہ میر انیس کے محاسن شاعری مین داخل ہے، علامہ **ثعلبی** نے یتیمۃ الدھر مین جہان **متنبی** کے محاسن گنائے ہین وہان لکھتے ہین، ؎

منها استعمال الفاظ الغزل والنسيب في اوصاف الحرب وهو ايضاً مما لم يسبق اليه وتفرد به واظهر فيه الحذق	متنبی کے محاسن مین سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لڑائی کے بیان مین غزل کے الفاظ استعمال کرتا ہے اور یہ بھی اُس کی اُن خصوصیات مین ہے جن کی پہلی کوئی نظیر نہین ملتی، اور جنمین وہ متفرد ہے،

اس کے بعد متنبی کے بہت سے اشعار نقل کئے ہین جن مین سے ایک یہ ہے، ؎

قد صبغت خدها الدماء كما يصبغ خد العروسة الخجل	زمین کے چہرہ کو خون نے اسطرح رنگین کردیا ہے جسطرح شرم کی حالت مین معشوق کے چہرہ پر سرخی آجاتی ہے،

لیکن یہ بہت نازک موقع ہے رزم مین عشقیہ الفاظ اور تشبیہات کا استعمال وہین تک جایز ہے جہان تک کلام کا اثر نہ جانے پائے، اور کلام مین ابتذال نہ آجائے، مرزا دبیر صاحب نے بھی میر انیس کی تقلید کرنی چاہی لیکن کلام کا یہ رنگ ہوگیا ؎

تلوار کی تعریف	جب خون مین بھری، فوج کے انبوہ سے نکلی	غل یہ تھا کہ وہ لال پری، کوہ سے نکلی،	

سلام

اُردو شاعری کی اصلی بنیاد غزل کی زمین پر قایم ہوئی، اور اقسام سخن مین سے اسی کو سب سے زیادہ فروغ ہوا، عام مرثیہ گویون نے اپنے مضمون کی نوعیت کے لحاظ سے مسدس کا طریقہ اختیار کیا لیکن غزل کی لے اسقدر کانون مین رچ چکی تھی کہ ان لوگون کو بھی اُس انداز مین کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا تھا اس بنا پر انھون نے غزل کی طرز پر سلام ایجاد کیا، سلام کی بحرین وہی غزل کی ہوتی ہین، غزل کی طرح مضمون کے لحاظ سے ہر شعر الگ الگ ہوتا ہے، سلام کی خوبی یہ ہے کہ طرح شگفتہ اور نئی بندش سادہ اور صاف، مضمون درد انگیز اور پُر تاثیر ہو، میر انیس کے سلامون مین یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، نمونہ ملاحظہ ہو ؎

صبر کرتے تھے سلامی! شہ والا کیا کیا
اہل کین دیتے تھے مظلوم کو ایذا کیا کیا

شاہ فرماتے تھے پانی نہین ملتا لیکن
سامنے آنکھون کے لہراتا ہے دریا کیا کیا

سر شبیرؑ سے کہتے تھے یہ رو رو سجادؑ
رنج دیتے ہین مجھے راہ مین اعدا کیا کیا

ق

طوق و زنجیر سنبھالون کہ مہار اونٹون کی
کام اتنے ہین کرون مین تن تنہا کیا کیا

رو رو کہتی تھی صغیرہؑ کہ کہے جا قاصد
تو نے کیا کیا کہا اور شاہ نے پوچھا کیا کیا

دیکھ کر فوج حسینی کو عدو کہتے تھے
ساتھ لائے ہین جوان سیدوالا کیا کیا

خط لئے لاشۂ اکبرؑ پہ یہ کہتے تھے امام
دیکھو بیٹا! تمھین صغیرہؑ نے ہے لکھا کیا کیا

ایضاً

کچھ اور جز زبان نہین اہل سخن کے پاس
مجرا ہی کیا زبان کے سوا ہے؟ دہن کے پاس

سمجھے یہ سب کہ عونؑ و محمدؑ ہوئے شہید
روتے ہوئے حسینؑ جو آئے بہن کے پاس

چلائی بانو دیکھ کے اصغرؑ کو قبر مین
مجھکو بھی گاڑ دے کوئی اس گلبدن کے پاس

صدمہ سے کانپنے لگے عابدؑ کے ہاتھ پانون
جس وقت ہتھکڑیان نظر آئین رسن کے پاس

ایضاً

سلامی! آنکھ سے وہ کے خون دل ٹپکتا ہے
غم سجادؑ بیکس دل مین کانٹا سا کھٹکتا ہے

دم تحریر گلریزی ہے یا سطرین ہین کاغذ پر
صریر کلک سے یا باغ مین بلبل چہکتا ہے

پھرے تھے کربلا کی راہ سے کچھ سوچ کر حضرت
وگرنہ رہبر عالم کہین رستہ بہکتا ہے

حرم روئے کہا جب آسمان کو دیکھ کر شہؑ نے
علی اکبرؑ اذان دو صبح کا تارا چمکتا ہے

زمین کربلا پر فاطمہؑ کے پھول بکھرے ہین
شہیدون کی یہ خوشبو ہے کہ سب جنگل مہکتا ہے

تن رنجور پر ہات اپنا زینبؑ رکھ نہین سکتی
تپ غم سے بدن سجادؑ کا ایسا دہکتا ہے

کہا بانو نے شہ سے تیر چلتے ہین کلیجہ پر
یہ ننھے ننھے دونون ہاتھ بل کھاتے ہین سینہ پر
ق
مرا منہ جب یہ بچہ نرگسی آنکھون سے تکتا ہے
مسوڑے ہوگئے ہین نیلگون تا لو لپکتا ہے

ایضاً

مجرمی! جب کہ عیان ماہ عزا ہوتا ہے
پھیر دین آنکھین جو اصغر نے پکاری بانو
دیر بیٹون کو لگی رن مین تو زینب نے کہا
کہتی تھی خلق خدا دیکھ کے عابد کو اسیر
چرخ پر ماتم شاہ شہدا ہوتا ہے +
دوڑو اسے بی بیو! دیکھو تو یہ کیا ہوتا ہے
لاشین آتی ہین اگر فضل خدا ہوتا ہے
کہین بیمار بھی رسی سے بندھا ہوتا ہے

ایضاً

سدا ہے فکر ترقی بلند بینون کو
یہ جھریان نہین ہاتون پہ ضعف پیری نے
لگا رہا ہون مضامین نو کے پھر انبار
بھلا تردد بیجا سے اس مین کیا حاصل
خیال خاطر احباب چاہیے ہمدم
ہم آسمان سے لائے ہین ان زمینون کو
چھپتا ہے جامۂ اصلی کی آستینون کو
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینون کو
اٹھا چکے ہین، زمیندار جن زمینون کو
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینون کو

رباعیات

صوفیانہ اور اخلاقی مضامین کے اظہار کے لئے سب سے زیادہ موزون چیز رباعی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن شعرا مثلاً خیام، سنائی، سلطان ابوسعید ابوالخیر نے ان مضامین کو اپنا موضوع شاعری قرار دیا تھا، انھون نے رباعی کے سوا، تمام عمر مین اور کچھ نہ لکھا،

اُردو شاعری مین چونکہ یہ مضامین بہت کم ادا کئے گئے، اس لئے رباعیان بہت کم پائی جاتی ہین،

سودا نے البتہ نہایت کثرت سے رباعیان لکھین، لیکن اکثر عشقیہ یا خیال آفرینی کی غرض سے لکھی ہین، میر انیس کی رباعیون کا ایک بڑا دفتر ہے اور ہر رباعی مین کوئی نہ کوئی اخلاقی مضمون ادا کیا گیا ہے بعض ایسی بھی ہین جن مین صرف مضمون بندی، یا کوئی صنعت ہے، چنانچہ ہر قسم کے نمونے ذیل مین درج ہین۔ ؎

اب خواب سے چونک، وقت بیداری ہے مرمر کے پہنچتے ہین، مسافر وان تک	رباعی	بے زاد سفر، کوچ کی طیاری ہے یہ قبر کی منزل بھی عجب بھاری ہے
ہموار ہے، اگر تو تجھکو کچھ باک نہین پاتا نہین تند خو، کدورت کے سوا	ایضاً	سرکش ہے اگر، تو عقل و ادراک نہین دامن مین ہوا کے کچھ بجز خاک نہین
راہی طرف عالم بالا ہون مین + یارب ترا نام پاک جپنے کے لئے	ایضاً	دنیا سے عدم کو جانے والا ہون مین گویا اک ہڈیون کی مالا ہون مین
مرمر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے کیونکر نہ لپٹ کے، تجھ سے سوؤن لے قبر	ایضاً	رخ سب سے پھرا کے، منہ دکھایا ہے تجھے مین نے بھی تو جان دیکے پایا ہے تجھے
کٹ جاتے ہین، خود رنگ بدلنے والے اللہ رے سخن کی تیری تاثیر انیس	ایضاً	کب تھمتے ہین اشک جو ہین ڈھلنے والے رو دیتے ہین شمع، جلنے والے
ہشیار کہ وقت ساز و برگ آیا ہے محتاج عصا ہوے تو پیری نے کہا	ایضاً	ہنگام یخ و برف و تگرگ آیا ہے چلیے اب چوبدار مرگ آیا ہے
نافہم سے کب داد سخن لیتا ہون پیچھتی نہین، بوے دوستان یکرنگ	ایضاً	دشمن ہو کہ دوست، سب کی سن لیتا ہون کانٹون کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہون

رتبہ جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے کرتے ہین تہی مغز، ثنا آپ اپنی	رباعی	وہ دل مین فروتنی کو جا دیتا ہے جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے
کیا قدر زمین کی آسمان کے آگے نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہین	دیگر	جھکتے ہین قوی بھی ناتوان کے آگے دندان صف بستہ ہین زبان کے آگے
جس شخص کو عقبےٰ کی طلبگاری ہے ایک آنکھ مین کسطرح سمائین دونون	دیگر	دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے غافل! یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے
کس دن فرسِ خامہ تگ و دو مین نہین ہر چند کہ ہون خسرو اقلیم سخن	دیگر	مجھ سا بھی سیہ بخت کوئی سو مین نہین پر غیر دوات، کچھ قلمرو مین نہین
جس جا ذکر حسین ہو جاتا ہے آکر بزم عزائے شہ مین رونا	دیگر	رونے سے دلون کو چین ہو جاتا ہے ہر شخص پہ فرض عین ہو جاتا ہے
جو روضہ مین باریاب ہو جاتا ہے جلتا ہے جو شب کو قبر حیدر پہ چراغ	دیگر	ہر کام مین، کامیاب ہو جاتا ہے وہ صبح کو آفتاب ہو جاتا ہے

اعتراضات

میر انیس کے کمال کا اگرچہ جس قدر مجھکو اعتراف ہے شاید ہی کسی اور کو ہوگا، تاہم میرا یہ دعویٰ نہین کہ انکا کلام فروگذاشتون اور غلطیون سے پاک ہے۔

ہمارے زمانہ مین جو سوانح عمریان لکھی گئی ہین، ان مین باوجود دعوی آزادی کے تنقید اور جرح سے بالکل کام نہین لیا گیا، اور اس کا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ ابھی قوم کی یہ حالت نہین کہ تصویر کے دونون رخ اسکو دکھائے جائین، لیکن عذر کرنے والے خود اپنی نسبت غلطی کر رہے ہین، جس چیز

نے ان کو اظہار حق سے روکا ہے وہ ایشیائی شخص پرستی ہے جس کا اثر رگ و پے مین سرایت کرگیا ہے۔ اور عذر کرنے والون کو خود اس کا احساس نہین ہوتا اس غلامانہ شخص پرستی سے ایک بڑا ضرر یہ ہے کہ جو لوگ، ان اکابر کی تقلید کرتے ہین ان مین ہزارون ایسے ہوتے ہین جن کو خود نیک و بد کی تمیز نہین ہوتی اس لئے وہ اچھی باتون کے ساتھ اکابر کی غلطیون کی بھی تقلید کرنے لگتے ہین، اور سلسلہ در سلسلہ تمام قوم مین اسکا اثر پھیل جاتا ہے۔

بہرحال ہماری رائے ہے کہ جس وسعت اور تفصیل کے ساتھ میر انیس کی خوبیان ظاہر کی گئی ہین، اسی طرح نہایت آزادی اور بے باکی کے ساتھ ان کی ہر قسم کی فروگذاشتین اور غلطیان بھی ظاہر کی جائین۔

ایک زمانہ ہوا عبدالغفور خان نساخ نے میر انیس کی بہت سی غلطیان ایک رسالہ مین ظاہر کی تھین، چنانچہ شروع کتاب مین اسکا ذکر گذر چکا ہے۔ پہلے ہم ان اعتراضات کو اجمالاً مع جواب کے نقل کرتے ہین۔

۱۔ میر صاحب نے جابجا۔ سینہ۔ مدینہ۔ کینہ۔ قرینہ۔ کو دانا اور بینا کا قافیہ باندھا ہے مثلاً ؎

حق نما ہے تو جہان مین ہے یہی آئینہ	اسکا عاشق ہو تو ہون کور کی آنکھین بینا

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ قدما کا طریقہ تھا اور میر انیس کا ابتدائی کلام، قدما کے استعمال کے موافق ہے۔ اس جواب پر اسقدر اور اضافہ کرنا چاہیے کہ گو متاخرین نے اسکو ترک کردیا لیکن کلام کی وسعت کے لئے یہ سختیان اُٹھا دینی چاہئین، شاعری سے وصل اور ہجر کے سوا اور بھی کام لینے ہین اور وہ بغیر اس کے نہین ہوسکتا کہ قافیہ مین وسعت پیدا کی جائے ورنہ شاید یورپ کی طرح اسکے قافیہ سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

۲۔ جن الفاظ مین نون کا اعلان ضرور ہے میر صاحب اکثر جگہ اعلان نہین کرتے۔ مثلاً ؎

عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہ دو جہان	تم جا کے اس عرب کو بلا لاؤ بھائی جان

اس اعتراض کا بھی یہی جواب ہے

۳- جہان نون کا اعلان جایز نہین، وہان اعلان کرتے ہین، مثلاً ؎

لپٹون گلے سے مین پدر ناتوان کے	سینے سے تو سرک تو مرے بابا جان کے

اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ شعر میر صاحب کا ہے ہی نہین، الحاقی ہے۔ لیکن میر صاحب کے ہان کثرت سے اس کی مثالین پائی جاتی ہین، اس لئے یا تو میر صاحب کی غلطی تسلیم کرنی چاہیئے یا یہ کہنا چاہیئے کہ یہ بھی میر صاحب کی توسیعات شعری مین داخل ہے ؎

۴	گویا کہ تھا شبیہ الم سر نشان	ڈوبا تھا خون سے پنجۂ پر نور اور نشان

اس شعر مین سر کا قافیہ اور ہے اور یہ بالکل غلط ہے۔ اسکا جواب یہ دیا ہے کہ مصرع ثانی اصل مین یون ہے "ڈوبا تھا خون مین پنجۂ پر نور و زر نشان"۔

۵- اکثر جگہ شایگان قافیے ہین، چنانچہ نساخ نے بہت سے اس قسم کے شعر نقل کئے ہین، مجیب نے ان تمام شعرون سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ یون نہین بلکہ یون ہین، مثلاً اس بند مین ؎

ناگاہ بڑھی فوج ہوا جنگ کا سامان	اور گھٹنے لگی طاقتِ جسم شہ مردان
شہزادے پہ جب پڑنے لگا تیرون کا باران	تلوار علم کر کے کہا یا شہ مردان

شہ مردان مکرر آیا ہے، مجیب صاحب کہتے ہین کہ دوسرے مصرع مین شہ مردان کے بجائے شہ ذی شان تھا۔ غلط نویسون نے ذی شان کا شہ مردان بنا دیا، لیکن اس قسم کی تاویلات پر اعتبار کرنا مشکل ہے، اور اگر اسکو وسعت دی جائے تو جہان جس لفظ پر اعتراض ہو نہایت آسانی سے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ یون نہین، یون تھا۔ اس شعر مین تو سرے سے اعتراض ہی غلط ہے کیونکہ شہ مردان سے ایک جگہ امام حسینؑ، اور دوسری جگہ حضرت علیؑ مراد ہین، اس لئے قافیہ مکرر نہین، لیکن

جہان واقعی قافیہ شایگان ہے وہان بھی تاویل کی ضرورت نہین، جو اساتذہ کثیر الکلام ہین اور جنکو سیکڑون قسم کے مضامین ادا کرنے پڑتے ہین، وہ اس قسم کی قیدون کی پابندی نہین کرتے۔

۶۔ اکثر جگہ حروف تقطیع مین گرجاتے ہین۔ مثلاً

ع رانڈ ہوتی ہے اک رات کی بیاہی ہوئی دختر

ع یہ کہہ کے بس عورات نے عریان کئے سر

ع باہین جو گلے مین تمہین تو بند دیدۂ خونبار

ان اعتراضات کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ سب کاتبون کی غلطی ہے، پہلا مصرع یون ہے

ع بیوہ ہوئی اک رات کی بیاہی ہوئی دختر، اسیطرح اور مصرعون کو بدلا ہے۔

حرفون کا تقطیع مین گرنا، اگرچہ واقعی ناگوار معلوم ہوتا ہی لیکن اساتذہ کے ہان کثرت سے اس کی مثالین پائی جاتی ہین ؎

عزت شیرازی	مرا پند خردمندان بحال خود نمے آرد		باین افسانہا مجنون عشق عاقل نمیگردد		
عاقل	تا توانی تختہ بند یک مقام عاقل مباش				
علی	اے رگ جان بہار این ہمہ بیرحمی چیست		خاک از مقدم تو خون شدن عادت دارد		
غنی	تن گل عارض گل، بدن گل چہرہ گل رخسار گل				
	بدہ ساقی آن آب یاقوت را		کہ سازم علاج عقل فرتوت را		

ان کے سوا اور بہت سی مثالین ہین، جنکو تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کیا گیا۔

۷۔ ناگاہ بجا فوج عدو مین طبل جنگ۔

ہو مغفرت خلیق کی یارب ذوالکرام۔

طبل متحرک الاوسط صحیح نہین، اور ذوالکرام مہمل لفظ ہے مجیب صاحب کہتے ہین کہ اصل مین

طبل کے بجائے دُہل، اور ذوالکرام کے بجائے یا خالق الانام ہے۔

۸۔ تھا زیر زرہ گاو سر اسطرح کا بکتر،

اعتراض بکتر گاو سر نہین ہوتا۔

جواب۔ اصل مین یون تھا ع پہنے ہوئے زیر زرہ اسطرح کا بکتر۔

۹۔ اُترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا عالی، "کونین کا عالی" غلط ہے۔

جواب۔ اصل مین عالی کے بجائے والی ہے۔

۱۰۔ رنگ رخ کفار عرب ہوگیا فق سے — رنگ فق سے ہوگیا محاورہ نہین،

اسکا جواب یہ دیا ہے کہ میر انیس جو کچھ کہہ دین وہی محاورہ ہے۔

۱۱۔ شرمندہ زمانہ سے گئے وایل و سحبان، — وایل کوئی فصیح نہین گذرا۔

جواب۔ اصل یون ہے۔ وعیل و سحبان۔

ان اعتراضات کے علاوہ، نساخ نے اور بھی بہت سے اعتراض کئے ہین لیکن چونکہ وہ صحیح نہ تھے قلم انداز کئے گئے، نساخ نے بہت سے صحیح اعتراضات چھوڑ بھی دیئے اُن کی تفصیل ذیل مین ہے۔

بت توڑ کے کعبہ کو صفا کر دیا کس نے،	"صاف کر دیا" چاہیئے۔
برخاست کی چراغون کو پروانگی ہوئی،	پروانگی غلط ہے۔
جو حرف قرآن کا ہے وہ ہو لائق تعظیم	قرآن بروزن فُعلان ہے۔
ایسا بھی کوئی بیکس و بے آس نہ ہوگا	بے آس کا عطف بیکس پر جایز نہین۔
گرتے تھے طیوران ہوا کھولے ہوئے پر	طیور۔ خود جمع ہے، اسکی جمع الجمع، نہ صحیح ہے نہ مستعمل
جو خوبیان کہ چاہین وہ سب حصول ہین	حصول کے بجائے حاصل چاہیئے۔
کمتی نہین پانی کی سلامت رہین عباسؑ	کمتی انفار اور اراذل کی زبان ہے۔

واللہ اُس سے زور عیان لاتعد ہوا	قتل اسکے ہات سے عمر عبد رہوا

عبد و لاتعد کا قافیہ نہین ہوسکتا۔

کرار ہے وہ شخص نہ غیر فرار ہے	فرار بہ تشدید را چاہیئے۔
عالم کی تغیری پہ بحالی کی ہے آمد،	تغیری۔ صحیح نہین۔
مت روکنا ہے خاطر مہمان واجبات	واجبات سے، یا واجب چاہیئے۔
اس مژدہ کو سنتے ہی خوشی ہوگئی شیرین	خوش چاہیئے۔

اِس قسم کی اور بہت سی غلطیان ہین، اور غلط نویسی کا عذر ہر جگہ کام نہین آسکتا حقیقت یہ ہے کہ میر انیس کے کلام مین اس قسم کی غلطیان ضرور موجود ہین لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر قادر الکلام اور پُرگو شعرا گذرے ہین سب کی یہی حالت ہے فردوسی سے بڑھ کر کون قادر الکلام ہوگا، متاخرین مین قاآنی کا جواب نہین، ان دونون کے کلام مین اس قسم کی بے اعتدالیان نہایت کثرت سے موجود ہین۔ لوگ، اُن شعرا کو نمونہ بناتے ہین جنکی شاعری کا دایرہ چند عشقیہ خیالات تک محدود ہے۔ لیکن جو شخص سیکڑون قسم کے مختلف واقعات کو شعر مین ادا کرنا چاہتا ہے ان مسامحات سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ اس لئے قادر الکلام شعرا کو اس جرم سے بری رکھنا چاہیئے۔

لفظی غلطیون کے سوا معنوی حیثیت سے بھی بہت سی باتین قابل اعتراض ہین جنکی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱۔ اکثر جگہ مصرعون مین باہم ربط نہین ہوتا اور صاف نظر آتا ہے کہ دوسرا مصرعہ برجستہ نکل آیا تھا اسکے لئے زبردستی قافیہ اور ردیف کی رعایت سے اوپر کا مصرعہ پیوند کیا ہے مثلاً ؎

سر بر کہین ہوے ہین سخی سے دنی کہین	بوڑی کہین تھی ڈانڈ کہین تھی انی کہین
سمجھو نہ دور آنکھ ملانے کی دیر ہے	پتلی ہے چشم مین کہ ترائی مین شیر ہے

کی تعریف

تلوار کی تعریف

بے مثل تھی شرف مین اصالت مین نیک تھی	ملجاتین دو زبانین جو اس کو تو ایک تھی
خواہان تھی زیب گلشن زہرا جو آب کے	شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے
ہالے تھے دو ملے ہوئے گھوڑونکی گشت سے	خاک آسمان پہ جاتی تھی اُڑ اُڑ کے دشت سے
بدھات مین شکست ظفر نیک ہات مین	ہات اُڑ کے جا پڑا کبھی ہات ایک ہات مین

اس قسم کے اور سیکڑون اشعار ہین۔

(۲) اکثر جگہ لفظی رعایت کی پابندی کی وجہ سے کلام، اوچھا اور بے اثر ہو جاتا ہے مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام کا تمہیدی فقرہ سُن کر تمام لشکر مین جب سناٹا چھا گیا ہے تو اس موقع پر لکھتے ہین ؎

یہ سدا سنتے ہی خود رُک گیا فرنا کا خروش	تھم گیا طبل وغا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہو گیا جوڑ کے ہاتون کو جلاجل خاموش	کیا بجاتے کہ بجاتے تھے نہ کسی شخص کے ہوش

چھیڑنا اُن کو سرودون کا بھی ناساز ہوا
رُعب فرزند نبی سرمۂ آواز ہوا

پہلے تین مصرعون مین رعب اور ہیبت کا جو اثر پیدا ہوا، "بجانا"، "سرود"، "ناساز" کی ضلع جگت نے اسکو بالکل زائل کر دیا،

یا مثلاً اس دعا مین ؎

اس باغ مین چشمے ہین ترے فیض کے جاری	بلبل کی زبان پر ہے تری شکر گذاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری	پھل ہمکو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری

نخل، برومند، باری، پھل، ریاضت، کا التزام یہ اثر پیدا کرتا ہے کہ دعا مانگنے والے کا دل، خضوع خشوع سے زیادہ، لفظی رعایتون مین لگا ہوا ہے،

یا مثلاً ان اشعار مین نہایت مبتذل طریقہ سے لفظی رعایت کو صرف کیا ہے،

ع بولے نہنگ، خوب نہین یہ اگر مگر،

ع سایہ کنوئین مین اُترا تھا پانی کی چاہ سے،

ع اب ہات دستیاب نہ تھے مُنہ چھپانے کو۔

ع آری جو ہوگئی تھین وہ سب ذوالفقار سے۔

ابن سعد حُر سے کہتا ہے

کونسا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے	کہین کوثر کے تو چھینٹون مین نہین آیا ہے
شجر قامت سرور پہ جو ڈالے گا نظر	سر چڑھے گا ترا رچھی پہ یہ ہے اسکا ثمر

الفت زلف سے بھی پیچ مین پڑ جائے گا
خال رخ دیکھا تو تو خایسے لگ جائیگا

بدر پیشانی سرور کا جو ہے سر مین خیال	تو اسی ماہ مین نقصان ترا ہوئیگا کمال
سب مین ہو جائیگا انگشت نما شکل ہلال	تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبت کا وبال

عشق رخسار مین رتبہ ترا گھٹ جائے گا
مُنہ پہ کہتا ہون کہ چہرہ تیرا کٹ جائیگا

پانون یہ وہ ہین کہ ان پانون کو جو ہات لگائے	تو سر دست سرفرازی کونین کو پائے

اس قسم کی تکلف کی ہزارون مثالین ہین۔

ان تکلفات کی وجہ سے اکثر جگہ بلاغت کا سررشتہ بالکل ہات سے جاتا رہتا ہے مثلاً صغریٰ کو جب حضرت امام حسین علیہ السلام، سفر مین ساتھ نہین لے جانا چاہتے اور اُن کی بیماری کا عذر کرتے ہین تو وہ کہتی ہین، کہ کیا گھر پر تنہا رہنے اور رونے پیٹنے سے مین اچھی ہو جاؤن گی اس موقعہ پر لکھتے ہین

ع غم کھانے سے آجائیگی قوت میرے تن مین!؟

ان تمام اعتراضات کا صرف یہ جواب ہے کہ لفظی رعایت کی پابندی کے سوا جو لکھنؤ کی خمیر بنگیا

تھا، باقی عیوب، لازمۂ انسانی ہین، اور کسی بشر کا کلام ان سے پاک نہین ہوسکتا،

سرقات

اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ میر انیس (اور مرزا دبیر) کے بہت سے اشعار پر سرقہ کا گمان ہوسکتا ہے کیونکہ وہی مضامین بعینہٖ یا بہ خفیف تغیر قدیم اساتذہ کے ہان پائے جاتے ہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سب پر سرقہ کا اطلاق نہین ہوسکتا اساتذہ کا قاعدہ ہے جب وہ دیکھتے ہین کہ ایک مضمون کسی متقدم شاعر نے باندھا لیکن اچھی طرح نہ بندھ سکا یا اس پر ترقی ممکن ہے تو وہ دانستہ اسی مضمون کو لیکر اسطرح ادا کرتے ہین کہ جو کسر تھی نکل جاتی ہے، اور شعر بلند رتبہ ہوجاتا ہے، فردوسی نے خیمہ کی تعریف لکھی تھی ؎

یکے خیمہ داشت افراسیاب	زمشرق بہ مغرب کشیدہ طناب

نظامی نے دیکھا کہ مبالغہ اچھا ہے لیکن کوئی ثبوت نہین، انھون نے ایک تشبیہ پیدا کرکے ثبوت دیدیا ؎

یکے خیمہ داشت چون آفتاب	زمشرق بہ مغرب کشیدہ طناب

آفتاب کی تشبیہ نے مشرق سے مغرب تک طنابون کا کھنچا ہونا ثابت کردیا کیونکہ آفتاب خیمہ سے اور اسکی کرنین طناب سے مشابہ ہین،

سعدی کا شعر تھا ؎

ترا ہر آئینہ باید بہ شہر دیگر رفت	کہ دل نماند درین شہر تا ربائی باز

شہر کے شہر کا دل چھین لینا معشوق کا کمال ہے لیکن معشوق کو یہ صلاح دینی کہ وہ کسی اور شہر کو چلا جائے لغویات ہے۔ اس لئے امیر خسرو نے اسکا چارہ کار یہ بتایا ؎

کسی نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی	مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

سلمان ساوجی کا شعر تھا ؎

شاہد آن نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل	شاہد آن است کہ این دارد و آنے دارد

خواجہ حافظ نے اسکو مطلع کرکے بلند کردیا ؎

شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد	بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

سلمان کے شعر مین این و آن کا جو لطف تھا، وہ اچھی طرح ادا نہ ہوسکا تھا کیونکہ آن مین نون بہ اعلان ہے اسلئے آن (جو این کا مقابل ہے) کا ایہام نہین ہوتا۔ خواجہ حافظ نے اس نقص کو یون پورا کیا ؎

این کہ می گویند آن بہتر ز حسن	یار ما این دارد و آن نیز ہم

صاف نظر آتا ہے کہ ان لوگون نے دیکھا کہ ایک عمدہ بات پیدا ہوئی تھی لیکن ناقص رہ گئی ایک چیز کو ناقص چھوڑ دینا اچھا نہ تھا، اسکو پورا کردیا، اگر اسکا نام سرقہ ہے اور یہ معیوب ہے تو دنیا مین ہر قسم کی صنعتین جو ایجاد ہوئین وہ اُسی پہلی حالت پر قایم رہنی چاہئے تھین چھکڑے کے بجاے فٹن اور بروم طیار کرنا بھی سرقہ قرار پاتا۔

میر انیس صاحب کے ہان جو سرقے پائے جاتے ہین اکثر اسی قسم کے ہین۔

مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب یزید کی فوج کے سامنے اتمام حجت کے طور پر جناب رسالت پناہ سے اپنا تعلق ثابت کیا ہے تو یہ بھی بیان کیا ہے کہ اسوقت میرے بدن پر جو اسلحہ اور ملبوسات ہین وہ آنحضرت کے ملبوسات ہین۔ اس مضمون کو میر ضمیر نے اس طرح ادا کیا تھا ؎

پہچانتے ہو کسکی ہے سر پہ یہ دستار	دیکھو تو عبا کسکی ہے کاندھے پہ نمودار
یہ کسکی زرہ کسکی سپر کسکی ہے تلوار	مین جس پہ سوار آیا ہون کسکا ہے یہ رہوار

باندھا ہے کمر مین جسے یہ کسکی ردا ہے
کیا فاطمۂ زہرا نے نہین اس کو سیا ہے؟

یہ واقعہ مرثیہ کا ایک ضروری جزو تھا، اس لئے میر انیس صاحب اسکو بالکل چھوڑ نہین سکتے تھے لیکن دیکھو، اسی بات کو کیونکر ادا کیا ؎

یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ یہ کسکی دستار
یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہون جو مین سینہ فگار
برمین کس کا ہے یہ چار آئینہ جوہر دار
کس کا رہوار یہ ہے آج مین جسپر ہون سوار

کس کا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کسکی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے یہ سپر کسکی ہے

میر ضمیر: جب تک کہ ذوالفقار نے کاٹے نہ تین پر — ہرگز نہ دم لیا پر روح الامین پر ؛
میر انیس: خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر — کاٹے ہین کس کی تیغ دو پیکر نے تین پر
میر ضمیر: اس نیزۂ سیاہ سے تھا سب کو بیم جان — تھا اژدہا سے موسی عمران کی دو زبان
میر انیس: ع گویا زبان نکالے ہوئے اژدہا چلا۔
میر ضمیر: اک نیزہ ہوا پار وہ سو سو کے جگر سے — رشتہ کا گذر ہوتا ہے جون سلک گہر سے
میر انیس: ہوتا تھا پار آکے وہ ہنگام دار و گیر — سو دل سے مثل رشتۂ تسبیح ایک تیر
میر ضمیر: کونین مین پکار ہوئی الامان کی ؛ — انسان تو کیا جنون کو پڑی اپنی جان کی
میر انیس: ع چلاتی تھین پریان کہ خدا جن بچائے۔

لیکن بعض اشعار ایسے بھی ہین جن مین کسی قسم کی ترقی نہین ہے بلکہ کسی فارسی شعر کو بعینہ لے لیا ہے، اس قسم کے مضامین کو حسن ظن ہو تو توارد، ورنہ سرقہ کہنا چاہیئے۔ چند مثالین نمونہ کے طور پر ذیل مین لکھی جاتی ہین ؎

میرانیس	پیچھے کبھی قافلہ سے رہتا نہ انیس		اے عمر دراز تیری کوتاہی ہے
لاحد			کوتاہیئے کہ بود ز عمر دراز بود
میرانیس	عقدے سب حل ہوے مگر آہ انیس		یہ بند اجل کسی سے کھولا نہ گیا
بوعلی سینا	کردم ہمہ مشکلاتِ عالم را حل		ہر بند کشودہ شد مگر بند اجل
میرانیس	نافہ کی طرح عمر خطا مین گذری		بالون پہ سفیدی ہے، سیاہی دل مین
کاتبی	بودیم ہمچو نافہ ہمہ عمر در خطا		موے سفید ہین، و درون سیاہ دل
میرانیس	ہر سمت تھی سنان پہ سنان مثل خار زار		ہر صف مین تھی سپر پہ سپر مثل لالہ زار
نظامی	سنان بر سنان رستہ چون نوک خار		سپر بر سپر بستہ چون لالہ زار
میرانیس	خود پیام زندگی لائی قضا میرے لئے		شمع کشتہ ہون، فنا ہے بقا میرے لئے
لاحد	چو نفی نفی اثبات است از درون نرمی ترسم		بقاے من چو شمع کشتہ باشد در فناے من

میرانیس اور مرزا دبیر کا موازنہ

اُردو علم ادب کی جو تاریخ لکھی جائیگی، اس کا سب سے عجیب تر واقعہ یہ ہوگا کہ مرزا دبیر کو ملک نے میرانیس کا مقابل بنایا، اور اس کا فیصلہ نہ ہو سکا کہ ان دونون حریفون مین ترجیح کا تاج کس کے سر پر رکھا جاے،

شاعری کس چیز کا نام ہے؟ کسی چیز کا، کسی واقعہ کا، کسی حالت کا، کسی کیفیت کا، اس طرح بیان کیا جاے کہ اسکی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاے،

دریا کی روانی، جنگل کی ویرانی، باغ کی شادابی، سبزہ کی لہک، پھولون کی مہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دھوپ کی سختی، گرمی کی طپش، جاڑون کی ٹھنڈ، صبح کی شگفتگی، شام کی دلآویزی، یا

رنج وغم، غیظ وغضب، جوش ومحبت، افسوس وحسرت، عیش وطرب، استعجاب وحیرت، ان چیزون کا اسطرح بیان کرنا کہ وہی کیفیت دلون پر چھا جائے اسی کا نام شاعری ہے۔

اسکے ساتھ الفاظ مین فصاحت، سلاست، روانی، بندش مین چستی اور چستی کے ساتھ بے تکلفی دلاویزی اور برجستگی، لطیف اور نازک تشبیہات اور استعارات، اصول بلاغت کے مراعات ان تمام اوصاف مین سے کون سی چیز مرزا دبیر مین پائی جاتی ہے۔ فصاحت، ان کے کلام کو چھو بھی نہین گئی، بندش مین تعقید اور اغلاق، تشبیہات اور استعارات، اکثر دور از کار، **بلاغت** نام کو نہین، کسی چیز یا کسی کیفیت یا حالت، کی تصویر کھینچنے سے وہ بالکل عاجز ہین، خیال آفرینی اور مضمون بندی البتہ ہی لیکن اکثر جگہ اسکو سنبھال نہین سکتے،

ہماری یہ غرض نہین کہ ان کے کلام مین سرے سے یہ باتین پائی ہی نہین جاتین وہ نہایت پرگو تھے ان کے اشعار کا شمار ہزارون کیا لاکھون تک ہے اخیر اخیر مین وہ میر انیس کی تقلید بھی کرنے لگے تھے اس بنا پر ان کے کلام مین جا بجا شاعری کے لوازم اور خاصے پائے جاتے ہین، لیکن گفتگو قلت اور کثرت مین ہے، میر انیس کے بہت سے اشعار مین فصاحت و بلاغت کا حصہ بہت کم ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دونون مین سے نسبتہً کس کا کلام، شاعری کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ میر انیس کا عیب وہنر تم دیکھ چکے اب مرزا صاحب کے متعلق ہم ایک ایک چیز پر تفصیل لکھتے ہین۔

فصاحت ۔ یہ امر بدیہی ہے کہ مرزا دبیر کے کلام مین وہ فصاحت، اور شستگی نہین جو میر انیس کے کلام مین ہے، اور اس کے مختلف اسباب ہین،۔

(۱) مرزا صاحب اکثر ثقیل اور غریب الفاظ استعمال کرتے ہین مثلاً

ع مستدعیِ شق القمر آکر ہوئے گمراہ۔

ع ھر کوہ کی آواز انا الطور انا الطور۔

ع النشر کا ہنگامہ ہے اس وقت حشر مین۔

لبیک و سعدیک تھا ورد ملک و جن۔

المنتہی یہ ربط یہ ضبط اس دغا مین تھے۔

خاص الخلاصۂ بنی آدم، کمال مین۔

یا روا اُستا مدائح نو شاہ کا بیان

رُخ بینۂ صدقِ کرامات پیمبر

مستجمع جمیع فضایل، ملک سیر

مُستغرقِ روح اُسنے کیا تب عسل و شیر

لیکر رُطب دلو دوم کہنے لگے شاہ

میدانی و نقیب و عصا دار و چوبدار

عرشی فلکی بڑہ کے نقیبانہ پکارے

اس قسم کے سیکڑون الفاظ ہین، ہم نے صرف دو تین مرثیون سے سرسری انتخاب کیا ہے، ورنہ سیکڑون ہزارون تک نوبت پہونچتی، یہ الفاظ، اگرچہ صحیح ہین، عربی اور فارسی مین مستعمل ہین، لیکن اُردو نظم کی سلاست اور روانی انکی متحمل نہین ہوسکتی۔

(۲) بعض الفاظ بجاے خود ایسے ثقیل اور گران نہین لیکن مرزا صاحب جن ترکیبون کے ساتھ ان کو استعمال کرتے ہین، ان سے نہایت ثقل اور بھدا پن پیدا ہوجاتا ہے، یہ امر ان مثالون مین صاف واضح ہوجاتا ہے جہان ایک ہی لفظ یا الفاظ کو میر و میرزا دونون نے استعمال کیا ہے۔

ھل اتیٰ ۔ انّما ۔ قل کفیٰ ۔ یہ چارون لفظ حضرت علیؑ کے فضایل کی تلمیحات (الیوژن) ہین ان تلمیحات کو ایک ایک بند مین دونون نے باندھا ہے، مرزا صاحب فرماتے ہین ؎

اہل عطا مین تاج سر اہل اتی ہین یہ
خورشید انور فلک انما ہین یہ

اغیار لاف زن ہین، شہ لافتا ہین یہ
کافی ہے یہ شرف کہ شہ قل کفی ہین یہ

ممتاز گو خلیل رسولان دین مین ہین
کاشف ہے لو کشف یہ زیادہ یقین مین ہین

میر انیس کہتے ہین ؎

حق نے کیا عطا یہ عطا اہل اتی کے
کونین مین ملا شرف انما کے

حاصل ہوا ہے مرتبۂ لافتا کے
کہتی ہے خلق، بادشہ قل کفا کے

دنیا مین کون منتظم کائنات ہے
کس کو کہا خدا نے کہ یہ میرا ہات ہے

مرزا صاحب کے کلام مین اس قسم کی ناموزونی نہایت کثرت سے ہے، ہم صرف چند مثالون پر اکتفا کرتے ہین ؎

ع اک شخص کمر شہ کی لگا باندھنے خورسند

ع اک دلو بھرو پانی سے اور ایک طب لو

ع نوبت زن نہ بام عروج فلک بیر

ع ملبوس قلمکار نہ دون ہے نہ پرانا ؎

سر کو عوض پارۂ مدحت مین دہرون گا
شرح کہن ناطقہ منسوخ کرون گا

ع یہ صورت پیغمبر قوسین مکان ہے ؎

ہے طلعت جلد و نفس سینہ یہ محسوس
ناگاہ کہلا دشت مین بازار زود کشت

وہ برق شفق مین تو یہ پروانہ بہ فانوس
تیغین کھچین یکدست تلے گرز بھی مکشیت

ع نہ چشمِ جراحت نہ رہ فوت کو دیکھا

کہتے ہین جسے عاشق شیدا ملک وناس

خیاط عہد طفلی شاہِ انام تھے

اسکی ثنا مشقتِ مالایطاق ہے

نانا نے تو قلم کئے جبریل کے سر پر ؎

کفار بڑھے طیش سے ہونٹون کو دبا کے	دانتون کے تلے بال محاسن کے دبا کے

آمد ہے امام سوم ہر دو سرا کی، ؎

اس سر پہ دھرے ہات بہ قسمیہ اجل ہے	بس ہدیۂ اللہ کے قابل یہی پھل ہے

بندش کی سستی اور ناہموار ی میر انیس اور مرزا دبیر مین اصلی جو چیز مایہ الامتیاز ہے وہ الفاظ کی ترکیب، نشست اور بندش، کا فرق ہے، میر انیس کا کلام تم پڑھ چکے ہو، ان کا اصلی جوہر بندش کی چستی۔ ترکیب کی دلآویزی۔ الفاظ کا تناسب، اور برجستگی وسلاست ہے، یہ چیزین مرزا صاحب کے ہان بہت کم ہین، ایک ہی مصرعہ مین ایک لفظ نہایت بلند اور شاندار ہے دوسرا بھندل اور پست ہے، بند کا ایک شعر اس زور شور کا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بادل گرجتا آرہا ہے، دوسرا بالکل پھیکا اور کم وزن ہے، دو تین بند صاف اور سلیس نکل جاتے ہین پھر تعقید اور بے ربطی شروع ہوتی ہے، اکثر جگہ، الفاظ بڑے دہوم دہام کے ہین لیکن حاصل کچھ نہین، یہ باتین اگرچہ عام طور پر اُن کے تمام مرثیون مین پائی جاتی ہین لیکن نمونہ کے طور پر ہم چند بند اُن مرثیون کے نقل کرتے ہین جو بڑے زور کے مرثیے خیال کئے جاتے ہین اور جن مین بعض میر انیس کے جواب مین لکھے گئے ہین ؎

اے دبدبۂ نظم دو عالم کو ہلا دے	اے طنطنۂ طبع جزو کل کو ملا دے

اے معجزۂ فکر فصاحت کو جلا دے
اے زمزمۂ نطق بلاغت کا صلا دے

اے ماے بیان معنی تسخیر کو حل کر
اے سین سخن، قاف سے تا قاف عمل کر

یہ مرثیہ میر انیس کے جواب میں ہے، کس زور شور کی اٹھان ہے، کیسے پُر رعب الفاظ ہیں لیکن معانی میں بہت کم ربط ہے۔ [illegible] سے کیا نسبت ہے؟ زمزمۂ نطق سے بلاغت کا صلا مانگنے کے کیا معنی؟ بیان کی بے کو تسخیر سے کیا خاص تعلق ہے؟ اس طرح سخن کے سین کو ذال سے قاف تک عمل کرنے کے لئے کیا خصوصیت ہے۔ ؎

بولا علم خامہ فلک پر میں گڑوں گا
سکہ نے ندا دی زر انجم پہ پڑوں گا

معنی نے کہا بیت میں آئینہ جڑوں گا
مضمون پکارا میں کسی سے نہ لڑوں گا

بندش یہ کھلی دم میں فصاحت کا بھروں گی
چلائی طبیعت کہ میں اصلاح کروں گی

پہلے دو مصرعے کسقدر دھوم دھام کے ہیں، تیسرے میں تنزل شروع ہوا، چوتھا بالکل گر گیا کیونکہ اوپر کے مصرعوں کی مناسبت کے لحاظ سے موقع یہ تھا کہ اسمیں بھی کوئی ایجابی دعویٰ کیا جاتا۔ مضمون کا نہ لڑنا اگرچہ معنی تعریف کی بات ہے، لیکن یہاں لڑائی سے گریز کرنے کا موقع نہیں، اخیر کا شعر اور خصوصاً اسکا دوسرا مصرع کسقدر پھسپھسا اور مبتذل ہے طبیعت کے چلانے کا یہ کیا موقع ہے اور طبیعت کے لئے چلانا کتنا ناموزون لفظ ہے ؎

میں کون ہوں صاحب علم کلک جہانگیر
نوبت زن بام چرخ فلک پیر

تاج سر لفظ و سخن و معنی و تحریر
خاک قدم محتشم و فضل شہیر

شکر نہ کرے ہاں تو شکایت بھی نہیں ہے

انصاف تو کہتا ہے خداوند یون ہی ہے

پہلے تین مصرعون کا جو انداز ہے، چوتھا مصرع اس سے کسقدر بیگانہ ہے ؎

مضمون مین نئی کرتا ہون ایجاد ہمیشہ
کہتا ہے سخن حضرتِ اُستاد ہمیشہ
کہنے مین ہے تاثیر خداداد ہمیشہ
بھولے سے بتا دون تو رہے یاد ہمیشہ

بے لطف خدا یہ ہمہ دانی نہین آتی
پر شمع صفت چرب زبانی نہین آتی

جو چیز خداداد ہے اُسکے لئے ہمیشہ کی قید حشو محض ہے، چوتھا مصرع، تیسرے مصرع سے بالکل بے تعلق ہے، استادی کا ذکر دوسرے مصرع مین ہے، اور اُس کے ساتھ اس مصرع کو ربط ہو سکتا ہے، ٹیپ کے دو مصرع بھی باہم بالکل بے تعلق ہین۔

تین چار بند کے بعد فرماتے ہین ؎

مضمونِ تر و تازہ ہے چستی مین یگانا
ملبوس قلم کا رہ نہ دون ہے نہ پرانا
اس دہیان کے آنے سے کرم شاہ کا جانا
خدام دلا بولے کہ ہان ہاتھ بڑھانا

لے ہدیۂ تائید قدیر ازلی لے
لے خلعت تحسین حسینؑ ابن علیؑ لے

پہلے اور دوسرے شعر کی ترکیب اور انداز مین باہم کسقدر تفاوت ہے، دوسرا شعر پہلے شعر سے بالکل الگ ہو گیا ہے، دوسرے شعر کی بندش ایسی ہے کہ مطلب بھی آسانی سے سمجھ مین نہین آتا۔ اس دہیان کا مشار الیہ کون ہے ؎

حامی جو سلیمانِ دو عالم نظر آئے
مضمون جو عنقا تھے وہ پر جوڑ کر آئے
طاؤسِ تصور کی طرح دل مین در آئے
شیشہ مین پری زاد معانی اُتر آئے

یاقوت بدخشان سے، در آتے ہین عدن سے
لعل اُگلون گا مین طائر سدرہ کے دہن سے

حضرت سلیمان کو عنقا سے کیا تعلق ہے، تصور کی تشبیہ طاؤس سے کس بنا پر ہے، اور پھر اس کے کیا معنی کہ عنقا سے مضمون دل مین اسطرح اُترا ہے جسطرح طاؤس تصور دل مین اُترتا ہے، طاؤس دل مین نہین اُترتا، اور اگر تصور کے طاؤس ہونے کی بنا پر ہے تو مضمون کا عنقا خود دل مین اُتر سکتا ہے، طاؤس کی مشابہت کی کیا ضرورت ہے، ٹیپ مین عجب بے ربطی ہے شاعر لعل اُگلے گا لیکن طائر سدرہ کے دہن سے اُگلے گا اسکے کیا معنی؟ شاید اُگلنے کو اُگلوانے کے معنی مین لیا ہے، یا اپنے آپ کو طائر سدرہ قرار دیا ہے ؎

کب شعلۂ خس نور کی قندیل کو پہونچے
اُڑ کر نہ مگس طنطنۂ فیل کو پہونچے
پشہ کا نہ غل صور سرافیل کو پہونچے
بلبل نہ لب و لہجۂ جبریل کو پہونچے

ارباب سخن پر جو سخن در ہے ہمارا
القاب سخن سنج سخن ور ہے ہمارا

کسقدر بھدے الفاظ اور بھدی ترکیبین ہین۔ اسکے علاوہ بے ربطی کو دیکھو، شعلہ کا مقابلہ قندیل سے نہین بلکہ قندیل کی روشنی سے ہو سکتا ہے، پرواز کو طنطنہ سے کیا نسبت ہے؟ بلبل کو جبریل سے کیا مناسبت ہے، القاب کے بجائے القاب باندھا ہے ؎

سرکار ہے ہر مجلس شبگیر ہماری
مضمون کی طرح بیت ہے جاگیر ہماری
آئینہ سکندر پہ ہے تسخیر ہماری
ہے مہر سلیمان کی تحریر ہماری

تنہا مہ و ماہی پہ نہین سکہ پڑا ہے
سورج کا نگینہ بھی انگوٹھی پہ جڑا ہے

بیت کا درجہ مضمون سے کم ہے، کیونکہ بیت کی جو خوبی ہے مضمون ہی کی وجہ سے ہے اس بنا پر یہ تشبیہ کہ مضمون کی طرح بیت ہماری جاگیر ہے، بے معنی ہے، جب مضمون جاگیر ہو چکا تو بیت خود ہی جاگیر ہو گئی، ٹیپ کا اخیر مصرع بالکل بے معنی ہے، پہلے انگوٹھی سے کسی چیز کا استعارہ کرنا تھا پھر سورج کا نگینہ جڑنا تھا ورنہ ظاہر ہے کہ ہات مین پہننے کی انگوٹھی پر سورج کا نگینہ جڑنا کس قدر لغویات ہے ؎

قابل مین سخن کے ہون سخن ہے مرے قابل	لیکن سخن شہرہ فگن ہے مرے قابل
رضوان کو جنت یہ چمن ہے مرے قابل	موتی کو صدف اور یہ عدن ہے مرے قابل

شہرہ ہے یہ تائید شہ جن و ملک سے
مضمون مرا گھر پوچھتے آتے ہین فلک سے

سخن شہرہ فگن نئی ترکیب ہے، ع رضوان کو جنت، یہ چمن ہے مرے قابل، نامو زون ترکیب ہے یا تو یون ہونا چاہیئے تھا کہ رضوان کو جنت چاہیئے، اور مجھکو یہ چمن، یا یون کہنا تھا کہ رضوان کے قابل جنت ہے، اور میرے قابل یہ چمن، چوتھے مصرع کی ترکیب کا بھی یہی حال ہے، ٹیپ کے دونون مصرع قریباً باہم متناقض ہین، شہرہ بھی انتہا کا ہے اور مضمون کو گھر پوچھنے کی بھی ضرورت ہے، شاید یہ مراد ہو کہ صرف نام مشہور ہو چکا ہے لیکن چونکہ مضامین کو کبھی مرزا صاحب سے روشناسی نہین ہوئی اور آستانۂ مبارک تک پہونچنے کی نوبت نہین آئی، اس لئے گھر کا پتہ پوچھنا پڑا ؎

ہین وقف ہمیشہ میرے الفاظ و معانی	ہان قلزم شیرین کا سبھی پیتے ہین پانی
ہر بحر مین ہے بحر طبیعت کی روانی	ہے زور سخن شور پہ موجون کی زبانی

قطرہ سے مگر بخت مین، مین صرف نہین ہون
دریا ہون سخن کا مین تنک ظرف نہین ہون

تیسرے مصرع کا مطلب مشکل سے سمجھ مین آسکتا ہے، مقصد یہ ہے کہ زور سخن شور پر ہے لیکن اس بات کو مین نہین کہتا بلکہ موج کی زبان کہتی ہے، بحث مین صرف ہونا کونسا محاورہ ہے، چپ کے دوسرے مصرع مین "مین" کا لفظ محض فضول ہے، پہلے مصرع مین "مین" کا لفظ آچکا ہے، ؎

خامہ ہے فروتن مرا افراط ادب سے
جھک کر شرفا اور بخبا ملتے ہین سب سے

نخوت کے معانی ہین الگ لفظون کے لب سے
جس طرح سے بد اصل جدا نیک نسب سے

دشمن سے بھی ہم قطع نہین کرتے حیا کو
مانند غبار اٹھتے ہین تعظیم ہوا کو

پہلے مصرع مین انکساری اور خاکساری کے بجائے ادب کہا ہے، حالانکہ دونون مین بہت فرق ہے، تیسرے مصرع کی ترکیب اور لفظ کے لب کا استعارہ سابق ولاحق کی سادگی وصفائی سے نہایت بیگانہ ہے، ؎

شیرین سخنی کا ہنر اکبرؔ سے لیا ہے
اس ذرہ مین سب مہر حسینیؑ کی ضیا ہے

ہمسری افلاک سے گو خاک بسر ہون
ہان عیب بڑا یہ ہے کہ مین اہل ہنر ہون

گو خاک بسر ہون کا جواب، ہان عیب بڑا یہ ہے کسقدر بے جوڑ ہے، "مین" کا لفظ بالکل حشو ہے،

مرزا صاحب کا ایک اور نہایت مشہور مرثیہ ہے ؎

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے

رستم کا جگر زیر کفن کانپ رہا ہے
خود عرش خداوند زمن کانپ رہا ہے

شمشیر بکف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو
جبریلؑ لرزتے ہین سمیٹے ہوے پر کو

ہیبت سے ہین نہ قلعۂ افلاک کے دربند
جلاد فلک بھی نظر آتا ہے نظر بند

واہے کمر چرخ سے جوزا کا کمربند
سیارے ہین غلطان صفت طائر پربند

انگشت عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے
خورشید کے پنجہ سے علم چھوٹ پڑا ہے

یہ دونون بند اپنے انداز مین پورے ہین، اب تیسرا بند ملاحظہ ہو ؎

خود فتنہ و شر پڑہ رہے ہین فاتحۂ خیر
کہتے ہین انا العبد لرزکر صنم و دیر

جان غیر بدن غیر مکین غیر مکان غیر
نے چرخ کا ہے چرخ نہ سیارون کی ہی سیر

سکتہ مین فلک خوف سے مانند زمین ہے
جز بخت یزید اب کوئی گردش مین نہین ہے

انا العبد کسقدر سلاست کے خلاف ہے، یہ مصرع ع جان غیر بدن غیر مکین غیر مکان غیر اس بند مین کسقدر بیگانہ واقع ہوا ہے ؎

بیہوش ہے بجلی پہ سمند انکا ہے ہشیار
خوابیدہ ہین سب طالع عباسؑ ہے بیدار

پوشیدہ ہے خورشید علم انکا نمودار
بے نور ہے مُنہ چاند کا رخ انکا ضیابار

سب جزو ہین۔ کل رتبہ مین کہلاتے ہین عباسؑ
کونین پیادہ ہے سوار آتے ہین عباسؑ

یہ بند اوپر کے بند سے دفعۃً اس قدر بے تعلق ہوگیا ہے کہ مطلب سمجھنا مشکل ہے، "اُن" کا مشار الیہ حضرت عباسؑ ہین، لیکن چونکہ حضرت عباسؑ کا ذکر صرف پہلے بندون مین آیا تھا جس سے تین بندون کا فاصلہ ہے، اس لئے ذہن اسطرف جلدی منتقل نہین ہوتا، مضمون کی بے ربطی کی یہ کیفیت ہے کہ ایک طرف تو ہل چل کی وجہ سے بجلی کو بیہوش قرار دیا ہے، دوسری طرف فرماتے ہین

کہ سب خوابیدہ ہین، ٹیپ کی بندش کی سستی خود ظاہر ہے ؎

چمکا کے مہ و خور زر و نقرہ کے عصا کو
سر کاٹتے ہین پیر فلک پشت دوتا کو

عدل آگے بڑھا۔ حکم یہ دیتا ہے قضا کو
ہان باندھ لے ظلم و ستم و جور و جفا کو

گھر لوٹ لے بغض و حسد و کذب و ریا کا
سر کاٹ لے حرص و طمع و مکر و دغا کا

ان استعارات مین جو لطافت ہے وہ ظاہر ہے۔

ہم مناسب سمجھتے ہین کہ ایک مشہور اور معرکہ کے مرثیہ کے متعدد بند اس موقع پر نقل کردین جس سے مرزا صاحب کی طرز بندش کے تمام محاسن و معائب کا پورا اندازہ ہو سکے۔ یہ مرثیہ وہ ہے جس کو مرزا صاحب کے نامور معتقدین، اکثر مجالس مین بڑے فخر کے ساتھ پڑھتے ہین ؎

پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی
پانی ہے کس پہریے سے ہمت سحاب کی

یہ نشان ہے نشانِ رسالت مآب کی
چوب علم کلید ہے جنت کے باب کی

نقشہ علم کے پنجہ مین اللہ کا ملا
بندون کو اس نشان سے نشانِ خدا ملا

صبح جہادِ شاہِ ثریا جناب ہے
فوجِ حسینؑ بن کے ظفر ہمرکاب ہے

مشرق سے وان علم۔ علمِ آفتاب ہے
یان نور کا نشان علم بوترابؑ ہے

روشن علم سے، آئینہ مشرقین ہے
مشرق مین شمس، عکسِ نشانِ حسین ہے

طوبیٰ کی شاخ تیشۂ قدرت نے کی قلم
اور نور نخل طور بھرا اسمین یک قلم

کی صادقون کی راستی قول امین ضم
بے پردہ ہو کے عفو بنی، پوشش علم

جب باندہ کر پھریرے کو سید ہا علم کیا
صانع نے پردہ مین ید طولیٰ علم کیا

دامن ہے کبریا کا سراپردہ جلال
ماہی مراتب اس سے ہے شاہونکا پائمال
بچھرا ہوا ہے شیر پھریرے کا بے جدال
شیر فلک کو دیکھ کے ہوتا ہی لال لال

تسخیر غرب و شرق اسے کیا محال ہے
پنجہ ہے آفتاب تو ناخن ہلال ہے

نور خدا سے قالب خیر الامم بنا
سایہ نبیؐ کا ہو کے مجسم علم بنا
وان ابر چتر فرق نبیؐ بر قدم بنا
یان پوشش علم، وہ سحاب کرم بنا

سب کام بند ہون، جو پھریرا نہ دار ہے
سچ ہے خدا کے فیض کا چشمہ کھلا رہے

اب رایت زبان سے علم کرون
اور معنی بلند کا لشکر بھسم کرون
مجلس مین ذکر شقہ رحال علم کرون
رایت مین سلک نظم کے پرچم کو ضم کرون

مشتاقون کو زیارت رایت ضرور ہے
اس رایت نبیؐ کی درایت ضرور ہے

جب شاہ انبیا کو ہوئی خواہش علم
آئی ندا فلک سے ابھی بھیجتے ہین ہم
جاری ہوا یہ حکم خداوند محترم
ہان قدسیو! علم کی درستی کرو بہم

تیار میرے دوست کی خاطر نشان کرو
یعنی علم کی فکر سے خاطر نشان کرو

تعقید مرزا صاحب، کے کلام کی ایک خصوصیت تعقید ہی ہے، وہ جہان معنی آفرینی اور دقت پسندی پر زیادہ توجہ کرتے ہین کلام مین پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے وہ نہایت دقیق اور بلند مضامین پیدا کرتے ہین لیکن مناسب الفاظ ہات نہین آتے اس لئے مضمون ایک گورکھ دھندا ہو کر رہ جاتا ہے۔

تلوار کی تعریف۔

مدنگہ چشم نیام اوج پر آیا + اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا
خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا یا دوڑ کے ظلمت کی گلی سے خضر آیا

وان شور تھا پیدا مہ نو سے مہ نو ہے
یان غل تھا جدا شمع سے یہ شمع کی لو ہے

آمد کی دہوم۔

خود ابر فلک گرد سواری مین گھرے ہین دریا مین عدو ڈوب کے دوزخ مین ترے ہین
یون کانپ کے سردارون کے منہ زرد سے پھرے ہین بت حرص کے طاق دل عداسی گرے ہین

رعشہ ہے فقط ہات نہین پانون نہین ہے
دہشت کے سبب دہوپ نہین چھانون نہین ہے

سراپا۔

معراج پیمبر کی تو روشن ہے حقیقت یان دیکھو تہ عرش جبین چشم کی زینت
اعزاز ہے نبی کے لئے یہ کاسۂ نعمت ہم صحبت دہم کاسہ ہین معبود سے حضرت

اس کاسہ مین رتبہ ہے یہ پلکون کی ثنا کا
اک ہات نبی کا ہے اور اک ہات خدا کا

اب مومنون کو عالم بالا کی خبر دون حل عقدہ مدح سر اقدس کو بھی کر دون

گردون کو مین نسبت سر پر نور سے گردون
یہ عرش ہو اور عرش بنے رشک سے گردون

اک قامت احمد ہے اسی فوق جہان پر
خورشید سے اک نیزہ سوا ہو گا سنان پر

گو غنچہ ہے گوش پسر سید خوشخو
قرب ختن زلف سے پرانے کی ہے بو

اور حلقۂ گیسو کہ ہے اک نافۂ آہو
ہے کان کی نکہت سے رگ غنچہ ہر اک مو

نافہ کا شرف غنچہ کو کاکل نے دیا ہے
اور گوش کے نافہ کو یہان غنچہ کیا ہے

خط حسن کی خاطر ہے خزان کا خط فرمان
یان حلقہ خط حسن کو ہے چشم نگہبان

صرصر سے ہے ایمن یہ چراغ رخ تابان
عارض کو کیا خط نے چراغ تہ دامان

گلشن ہے غلط اور غلط ابر بھاری
رخ باغ بہاری ہے یہ خط ابر بھاری

ایک اور مرثیہ مین فرماتے ہین ؎

نام جبین ہے مشرق خورشید ہر امید
یان پھول سرو کو ملین پھل ہو نصیب بید

ہے صبح صادق اسکی گواہی سے روسپید
مہر قبول کے اثر سجدہ سے نوید

اکبر نشان سجدہ جبین پر دکھاتے ہین
یا سر نوشت نیر اکبر دکھاتے ہین

کیا شاہ بیت ابروے اکبر کی ہو ثنا
یکتا مطالعہ مین ہے یہ مطلع رسا

بیت القصیدہ خم ابروے مصطفےٰ
کیا بیت بحثی ان سے کرے ماہ نو بھلا

پیش نگہ یہ بیت ہے اٹھارہ سال سے

آتی ہے، بوے شیر وہان ہلال سے

تشبیہات واستعارات

مرزا صاحب کے کلام کا خاص جوہر تشبیہات اور استعارات ہین، اس مین شبہہ نہین کہ وہ اپنی دقت آفرینی سے ایسے عجیب اور نادر تشبیہات اور استعارات پیدا کرتے ہین جنکی طرف کبھی کسی کا خیال منتقل نہین ہوا ہوگا، لیکن اس زور مین وہ اکثر اس قدر بلند اُڑتے ہین کہ بالکل غایب ہوجاتے ہین مثلاً

شمشیر نے جل تھل جو بھرے قاف سے تا قاف
چھپنے کیلئے خوف سے اس درجہ گھٹا قاف

پریان ہوئین مرغابیان گرداب بنا قاف
جو پیچ مین سیمرغ کی منقار کے تھا قاف

کیا جانے کدھر لے کے خزانہ وہ بہا تھا
قارون کو عذابِ ابدی ڈھونڈ رہا تھا

تیغ عباسؑ جو دامان زرہ مین تھی نہان
یا شبستان مین وہ خوابیدہ تھا مار دو زبان

چمکا وہ ہلال ابروے یوسف کا کنوین سے
یا برق جدا ہوگئی بادل کے دہوین سے

مدِ نگہ چشم نیام اوج پر آیا
اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا

خط کھینچنے کو کلک دواتِ ظفر آیا
یا دور کے ظلمت کی گلی سے خضر آیا

گرمی پہ شرر تیغ شرر دم کے جو آئے
جوہر نے کنوین قعر جہنم کے جھکائے

تھی مرغ نگہ پر دون مین پر اس نے جلائے
عنقا سے تصور کے کباب اسنے لگائے

ظلمات مین یہ فتح پہ قبضہ کئے پھری
یونس کو جیسے بطن مین مچھلی لیے پھری

چہرہ سے بنی صفِ لشکر بھی دور کی
بت خانہ سے شباہت مسجد بھی دور کی

کاف شگاف سنگ کے درون جگر گئی
مانند سیم مرگ میسان کمر گئی

لفظ شکم مین دینے کو زیر و زبر گئی
مانند پیش ہر جو و کل سے گذر گئی

رن کی صفون کا خوف سے ستھرا دہو گیا
پانی ہوے یہ زہر سے کہ چھڑکاؤ ہو گیا

بینی جبین و لب سے حسینؑ و خلیل ہے
سر پر ہے عرش زیر قدم سلسبیل ہے

بنضین چھپٹین شرر کی، سقر کانپنے لگے
شعلے زبان نکال کے خود ہانپنے لگے

نہیب تیغ سے خالی سبوون کے قالب تھے
پیالہ ہاے فلک روحون سے لبالب تھے

گیا جو فوق سے تحت الثریٰ کو آب حسام
بنا خزانۂ قارون خرابۂ حمام

فلک نے تختۂ یونان رکھا زمین کا نام
ہوا رطوبت اطراف سے زمین کو زکام

دماغ خاک پہ نزلہ بہ صد وفور گرا
کیا جو عطسہ تو قارون نکل کے دور گرا

جوہر مین طرفہ ہیبت تیغ دلیر ہے
مچھلی کے جال مین یہ مگر کوئی شیر ہے

بادل کی طرح جوہر شمشیر جو چاے
سایہ نے تڑپ کر دہل رعد بجاے

چار آئینہ نے اور ہی صورت دکھائی ہے
پر آئینہ نہین ہے سند ہم نے پائی ہے

زایل زرہ کی آنکھون سے جو روشنائی ہے
آنکھون نے چار چشمے کی عینک لگائی ہے

ڈر ڈر کے آب تیغ سے سب کوچ کر گئے
غصہ سے ہو کے چین بہ جبین کچھ ٹھہر گئے

پل بن گئے وہ چین جبین، سر اتر گئے
اک وا ہین زرات سے پاران کے سر گئے

پر ذوالجناح صاف دہوین سے نکل گیا
باروت تھا کہ اڑ کے کنوین سے نکل گیا

تھا طوطی خط پشت لب لعل پر گویا
دیکھو کہ دہوان آتش یاقوت سے نکلا

تھا چاہ ذقن مین چہ نخشب کا تجلا
اس چاہ کی کشتی نے تو پانی بھی نہ مانگا

جلوے لب و دندان کے عجب پیش نظر تھے

دروازہ پہ یاقوت تھے اور گھر مین گُہر تھے

حاشا نہین تجلی ماہ آسمان پر
مچھلی اُچھالتی ہے کلاہ آسمان پر

چشم ضیا فشان سے نمود چراغ ہے
پلکین نہ سمجھو ہالۂ دودِ چراغ ہے

پیدا کمر سے کنہ جناب الہ ہے
یہ بال چشم ناف کا تار نگاہ ہے

پتلی ہے کوہ طور تجلی کبریا
سنتے تھے تل کی اوٹ پہاڑ [illegible]

جب تک یہ پلکین دست نگر مین نہ دین عصا
موسیٰ کی بھی نگہ نہ اس چشم [illegible]

اک جلوہ دے یہ چشم جسے اپنے نور کا
وہ خاک کے بھی ہول نہ لے سرمہ طور کا

سجنے لگا سلاح وغا پہ وہ پُر دغا
کی خود نے خود نمائی سے زیب سر جفا

یا ماہ آفتاب کو گویا گہن لگا
یا وار قد پہ کفر کا بخت سیہ پڑا

اسلام مین جو ڈالے ہین رخنے یزید نے
ان رخنون کو کیا زرہ تن پلید نے

پانون مین پہنے موزہ گمراہی جہان
کج فہمی معاویہ کی اُس نے لی کمان

اور تیغ ہند ہند جگر خوارہ کی زبان
فرد سیہ تھی نامۂ اعمال شامیان

چار آئینہ وہ زنگ بھرا اس پلید کا
دل شمر و شیث و ابن زیاد و یزید کا

مضمون بندی و خیال آفرینی

میر انیس اور مرزا دبیر مین اصلی مابہ الامتیاز جو چیز ہے وہ خیال بندی اور دقت پسندی ہے اور یہی چیز مرزا صاحب کے تاج کمال کا طرہ ہے اسمین کچھ شبہہ نہین کہ مرزا صاحب کی قوت متخیلہ نہایت زبردست ہے۔ وہ اس قدر دور کے استعارات اور

تشبیہات ڈھونڈھکر پیدا کرتے ہین کہ وہان تک اُن کے حریفون کا طایر وہم پرواز نہین کرسکتا۔ راست نما اور دلفریب (لیکن غلط) استدلال جو شاعری کا ایک جزو اعظم ہے انکے ہان نہایت کثرت سے پایا جاتا ہے۔ وہ قوت متخیلہ کے زور سے نئے نئے اور عجیب دعوے کرتے ہین، اور خیالی استدلال سے ثابت کرتے ہین۔ مبالغہ کے مضامین جو پہلے شعرا باندھ چکے تھے اور بظاہر نظر آتا تھا کہ اب اس کی حد ہوچکی، ان کو وہ اس قدر ترقی دیتے ہین کہ پہلے مبالغے ان کے مقابلہ مین ہیچ ہوجاتے ہین، مختصر یہ کہ خیال آفرینی، دقت پسندی۔ جدت استعارات۔ اختراع تشبیہات۔ شاعرانہ استدلال شدت مبالغہ مین ان کا جواب نہین، لیکن اس زور کو وہ سنبھال نہین سکتے، اس وجہ سے کہین خامی پیدا ہوجاتی ہے، کہین تعقید اور اغلاق ہوجاتا ہے، تشبیہات کہین بھبتیان بن جاتی ہین اور کہین محض فرضی خیال رہ جاتی ہین۔ تاہم اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ جہان ان کا کلام فصاحت و بلاغت کے معیار پر بھی پورا اُتر جاتا ہے نہایت بلند رتبہ ہوجاتا ہے۔ اس موقع پر ہم انکے ہر قسم کے عمدہ مضمون آفرینی کی متعدد مثالین نقل کرتے ہین ؎

جب[1] سرنگون ہوا علم کہکشان شب
خورشید کے نشان نے مٹایا نشان شب
تیر شہاب سے ہوئی خالی کمان شب
تانی نہ پھر شعاع قمر نے سنان شب

آئی جو صبح زیور جنگی سنوار کے
شب نے زرہ ستارون کی رکھدی اُتار کے

شمشیر مشرقی جو چڑھی چرخ پر شتاب
پھر تیغ مغربی نے دکھائی نہ آب و تاب
تھا بسکہ گرم خنجر بیضا سے آفتاب
باقی رہا نہ چشمۂ نیلوفری مین آب

محتاج ماہتاب ہوا آب و تاب کا

[1] اس کے مقابلہ مین میر انیس کی صبح دیکھو۔

باغ جہان مین پھول کھلا آفتاب کا

تھی جوش خون کے عارضہ مین مبتلا شفق
فصّاد صبح آیا لئے نشتر و طبق
کھولی شفق کی صبح تو رنگِ اُفق تھا فق
گلرنگ تھا صحیفۂ گردون ورق ورق

خون شفق مین سرخ قضا نے قلم کیا +
اور خط و خال روز شہادت رقم کیا

ایضاً

پیدا شعاع مہر کی سقراض جب ہوئی
پنہان درازی پر طاؤس شب ہوئی
اور قطع زلف لیلی زہرہ لقب ہوئی
مجنون صفت قبائے سحر چاک شب ہوئی

فکر رفو تھی چرخ ہنرمند کے لئے
دن چار ٹکڑے ہو گیا پیوند کے لئے

یوسف غریق چاہ سیہ ناگہان ہوا
یعنی غروب ماہ تجلی نشان ہوا
یونس دہان ماہی شب سے عیان ہوا
یعنی طلوع نیر مشرق ستان ہوا

فرعون شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
دن تھا کلیم اور ید بیضا تھا آفتاب

تھی صبح یا کہ چرخ کا جیب دریدہ تھا
یا چہرہ مسیح کا رنگِ پریدہ تھا
خورشید تھا کہ عرش کا اشکِ چکیدہ تھا
یا فاطمہؑ کا نالہ گردون رسیدہ تھا

کہئے نہ مہر صبح کے سینہ پہ داغ تھا
امید اہل بیت کا گھر بے چراغ تھا

نکلا اُفق سے عابد روشن ضمیر صبح
محراب آسمان ہوئی جلوہ پذیر صبح

کھولا سپیدی نے جو مصلاے پیر صبح
ہر سجدہ گاہ بن گیا مہر منیر صبح

کرتی تھی شب غروب کا سجدہ وداع کو
سیارے ہفت عضو بنے تھے سجود کو

ظلمت جہان جہان تھی وہان نور ہو گیا
پھر مشک شب جہان سے کافور ہو گیا
گویا کہ زنگ آئنہ سے دور ہو گیا
باطل رسالۂ شب دیجور ہو گیا

کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خامے مین
مضمون تھا آفتاب کا ذروں کے نامے مین

ایضاً

گلگونۂ شفق جو ملا حور صبح نے
اسپند مشک شب کو کیا نور صبح نے
گرمی دکھائی روشنی طور صبح نے
ٹھنڈے چراغ کر دیے کافور صبح نے

لیلاے شب کی رات کو دولت جو لٹ گئی
افشان جبین سے مہر درخشان کی چھٹ گئی

پیدا ہوا سپیدۂ طلعت نشان صبح
سلطان صبح نے کیا قصد اذان صبح
باندھا عمامہ نور کا پیناکتان صبح
چرخ چہارمین پہ گیا خطبہ خوان صبح

منہ سب کے سوے قبلۂ امید ہو گئے
سرگرم سجدہ - عیسی و خورشید ہو گئے

آیا جو تیغ روز لئے شاہ نیمروز
ماہی شکار - شیر سوار و جہان فروز
باندھے کمر مین خنجر بیضاے کینہ سوز
پھر دیو ہفت سر ہوا صید عقاب نور

مہتاب - لشکر شہ خاور مین گھس گیا

اڑہ شعاع کا سر انجم پہ پھر گیا

بڑہ کر نقیب نور پکارا سحر سحر
ذرون مین نور مہر در آیا قمر قمر

فرمان نور بدر کو پہونچا بدر بدر
لوٹا سحر نے معدن شبنم گہر گہر

برقع جو اُٹھ گیا تھا رخ آفتاب کا
پردہ تھا فاش صبح ملع نقاب کا

شاخ نیام سے ہوا اس طرح پہل جدا
پیرون کے قد سے جیسے جوانی کا بل جدا

ہستی جدا زمین پہ پڑی اجل جدا
خنجر جدا فلک پہ گرا اور زحل جدا

غل تھا کہ اب مصالحہ جسم و جان نہین
لو تیغ برق دم کا قدم درمیان نہین

ڈوبی سپر مین گر کے نئی چال ڈھال سے
پاگھر کے پیچ مین - یہ بڑہی سیدہی چال سے

اُٹھ کر زرہ مین آئی شکوہ و جلال سے
اک جال مین تڑپ کے گئی ایک جال سے

گذری جو چار آئینہ سے مُنہ کو موڑ کے
غل تھا پری نکل گئی شیشہ کو توڑ کے

کاٹا پلک مین آنکھ کو پتلی مین نور کو
پاؤن مین کھڑوی کو سرون مین غرور کو

سینہ مین بغض و کینہ کو دل مین فتور کو
نیت مین معصیت کو طبیعت مین زور کو

ذات اک طرف اٹھا دیا بالکل صفات کو
کیسی زبان - زبان مین یہ کاٹ آئی بات کو

سب کے گلون سے نکلتی تھی لیکن رکی ہوئی
جوہر یہ تھا کہ بوجھ سے خود تھی جھکی ہوئی

ظرف تنک مین تھی نہ جگہ اسکی آب کی
ولہ
بندھتی تھی اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی

دریای خون تھا تیغ سبک رو کی ناؤ پر
پر یون رواں تھی جیسے کہ کشتی بہاؤ پر

ولہ

الدری شناور شمشیر آبدار
دکھلا دئے صفای کے سب ہات ایک بار

تیرا وہ جوے زخم مین گردار۔ گاہ پار
جوہر کا ایک بال بھی ڈوبا نہ زینہار

اک وجد حر کو بھی یہ صفا دیکھ کر ہوا
ہات اک طرف نہ تیغ کا ناخن بھی تر ہوا

جس مورچہ مین لیلی تیغ دوسر گئی
چنگے بہلون کو سایہ سے دیوانہ کر گئی

ہر صف نے خاک اُڑای۔ ادھر سے اُدھر گئی
پھر یہ نہا نہا کے لہو مین۔ نکھر گئی

عالم نہ پوچھو قطرہ فشانی کے حسن کا
جوبن ٹپک رہا تھا جوانی کے حسن کا

آگے کبھی بڑھی۔ کبھی پیچھے کو پھر پڑی
سر پر جو لڑکھڑائی تو شانے پہ گر پڑی

ولہ

اُٹھی۔ گری۔ بلند ہوی۔ پست ہو گئی
پی پی کے لیکشون کا لہو مست ہو گئی

ولہ

نیزے تنے تو اسنے کماد یکھے بھالے ہین
بجھتی نہ خنجرون سے کہ گودی کے پالے ہین

برسے جو تیر سبھی کمانون کے نالے ہین
چمکے جو گرز۔ بولی یہ منہ کے نوالے ہین

ننگ اپنا جان کر نہ کسی سے بگڑتی تھی
ہر پھر کے آپ اپنی طبیعت سے لڑتی تھی

بیجرم معرکہ مین وہ خارا شگاف تھی
لشکر کا خون کیا تھا مگر پاک و صاف تھی

ولہ

قبضہ تو رہا دست جناب شہ دین مین
پھل جا کے لگا شاخ سر گاؤ زمین مین

ولہ

اس قہر مجسم پہ اجل نے جو نظر کی
مجرا تو فقط کر لیا اور پیچھے کو سرکی

غصہ سے چڑھی بھون جو اُدھر تیغ دوسر کی
پھرنے لگی پتلی سپہ فوج عمر کی

باقی تہا نہ دم، خوف سے تیغین یہ گھٹی تھین
تیغین نہ کہو، تہیغین نیامون کی چھٹی تھین

خود رفتہ تہا ہر تیر یہ رفتار نہی تھی — ولہ — انگڑائی کا لینا بھی کمان بھول گئی تھی

تھی راست گودہ تیغ - یہ روشن جہان پہ تہا — ولہ — جتنا لہو پیا تھا وہ جاری زبان پہ تھا

کٹتے تھے سر نہ تیغ امام عراق سے — ولہ — بت گر رہے تھے خاک پہ کعبہ کے طاق سے

سر کو نہ وصل تیغ سے اصلا دریغ تہا — ولہ — کیا سب کی سرنوشت مین مصراع تیغ تہا

رُک رُک کے قدم رکھتی تھی ہر سر پہ ادب سے — ولہ — جھک جھک کے مثال شرفا ملتی تھی سب سے

جوہر کے نگہبانون کو بیدار جو پایا — ولہ — زخمون نے بھی اس تیغ کا پانی نہ چرایا

ہوتی تہین صفین آب دم تیغ سے بیدم — ولہ — پانی جو کھڑے ہو کے پیو ہوتا ہے سن کم
حل کرتی تھی ہر مسئلہ تیغ شہ عالم — ہے خون نجس، اسمین یہ آلودہ تھی ہر دم

پر اسپہ نجاست کا گمان ہو نہین سکتا
یعنی کہ نجس آب روان ہو نہین سکتا

اللہ ری دماغ اسکا کسی سر پہ نہ بیٹھی — سر ایک طرف گنبد مغفر پہ نہ بیٹھی
بالا سے سپر پھولون کے بستر پہ نہ بیٹھی

یہ بیٹھنا کب تہا، ادہر آئی اُدھر آئی
جس سر پہ رکہا پاؤن زمین پر اُتر آئی

اسی طرح گھوڑے کی سرعت، فوج کی ہل چل، آمد کی دہوم، وغیرہ وغیرہ مضامین مین سیکڑون ہزارون نئی تشبیہین، استعارات، اور باریکیان پیدا کی ہین - ہمنے اس خیال سے صرف نمونہ پر اکتفا کیا کہ جو شخص ایک تلوار کے متعلق اسقدر بے شمار مضامین کا منہ برسا سکتا ہے اسکی قوت متخیلہ کی کیا حد ہو سکتی ہے -

بلاغت

یہ وہ چیز ہے جہان انیس، اور دبیر کی شاعری کی سرحدین، بالکل الگ ہو جاتی ہین، مرزا صاحب کی شاعری مین، بالغرض گو اور تمام اوصاف پائے جاتے ہون، لیکن بلاغت کا تو شایبہ نہین پایا جاتا۔ تم اوپر پڑھ آئے ہو کہ ہر چیز کی بلاغت الگ ہے۔ مضمون کی الگ، قصہ کی الگ، قصیدہ کی الگ، شعر کی الگ، لیکن مرزا صاحب کے کسی قسم کے کلام مین یہ وصف پایا نہین جاتا۔ وہ اگر کسی واقعہ کا خاکہ تیار کرتے ہین تو اس قسم کی باتین بیان کرتے ہین جو خود شہادت دیتی ہین کہ واقعہ وجود مین نہین آسکتا تھا نوحہ و غم۔ فخر و دعا۔ طنز و تشنیع۔ ہجو و بدگوئی۔ سوال و جواب، گلہ و شکایت، غرض کسی مضمون کو وہ مقتضائے حال کے موافق نہین لکھہ سکتے۔

ہم چند مثالین، نمونہ کے طور پر لکھتے ہین۔

مثال ۱۔ ایک مرثیہ مین حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر، حضرت شہربانو کا جو نوحہ لکھا ہے اسمین لکھتے ہین ؎

تم جانو جہان سے شہ عالی کو لے آؤ	اکبر سے مین گذری میرے والی کو لے آؤ

"تم جانو جہان سے" اس محاورہ کے ابتذال سے قطع نظر کرکے یہ امر کسقدر خلاف مقتضائے حال ہے کہ کوئی شریف عورت یہ کہے کہ مین اپنے بیٹے سے درگذری، میرے شوہر کو جہان سے ممکن ہو پیدا کرو۔

مثال ۲۔

ناگہان بالی سکینہ نے مچلکر یہ کہا	میرے کرتے کا گریبان بھی کرو چاچا کہ چچا
خوب ملبوس یہ ہے پہنین گے ہم بھی ایسا	روٹھہ جاؤنگی نہ مانوگے جو میرا کہنا
آپ جب خیمہ مین آئینگے تو چھپ جاؤنگی	

پھر مجھے گود مین لوگے تو نہین آؤن گی

روسے اذان کی تقریر پہ عباسؑ کمال
اور کہا دل سے کہ اسکا ہی کرو رد سوال

بے پدر ہوگی کوئی آن مین یہ نیک خصال
چاک اسکا بھی گریبان کیا با حزن و ملال

پیار جو آگیا بنت شہ دین کے اوپر
بوسے دیدے کے ملی خاک جبین کے اوپر

واقعہ یہ باندھا ہے کہ حضرت عباسؑ، جب میدان مین جانے لگے تو اپنے بیٹے کا گریبان چاک کردیا کہ یتیمی کی علامت ہے، یہ دیکھکر سکینہؑ (حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی) نے کہا کہ میرے کرتہ کا گریبان بھی چاک کردو، مجھکو بھی یہ وضع اچھی معلوم ہوتی ہے، حضرت عباسؑ نے اس خیال سے کہ آخر حضرت امام حسینؑ بھی کچھ دیر مین شہید ہونگے، اور حضرت سکینہؑ بھی یتیم ہو جائینگی، اس لئے انکا گریبان بھی چاک کردیا۔ حضرت عباسؑ کو، امام علیہ السلام سے جو عشقیہ محبت تھی اور جسکا اظہار ہر جگہ مرزا صاحب نے بھی کیا ہے اسکے لحاظ سے یہ امر نہایت خلاف عقل اور خلاف عادت ہے کہ وہ حضرت امام حسینؑ کو قبل از وقت شہید فرض کرلین، اور اس بنا پر اسکے بچہ کو یتیم فرض کرکے اسکا گریبان چاک کردین ؎

مثال ۳ یہ کہتی تھی کہ آئی زینب بنت مرتضےٰ
تسلیم کرکے بانوؑ نے سر کو جھکا لیا

زینبؑ پکاری بیٹھو ادب میرا ہو چکا
جسکی نہ بات پوچھی تعظیم اُس کی کیا

سب جانتے ہین بنت جناب امیرؑ ہون
گھر مین تمہارے رہتی ہون اس سے حقیر ہون

حضرت زینبؑ کو اس بات کی شکایت ہے کہ علیؑ اکبر کو شہر بانوؑ نے میری بغیر اطلاع کے لڑائی مین جانے کی کیون اجازت دی۔ اس بنا پر وہ حضرت شہر بانوؑ سے کہتی ہین کہ جب میری بات نہین پوچھی جاتی تو تعظیم سے کیا فائدہ۔

لیکن اس مقصد کے اظہار کے لئے مرزا صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ کسقدر سفیہانہ اور عامیانہ ہے، یہ خیال کہ چونکہ مین اپنا گھر چھوڑ کر تمہارے گھر مین رہتی ہون اسلئے تم لوگ مجھکو حقیر سمجھتے ہو، نہایت پست اور مبتذل خیال ہے جو ہرگز حضرت زینبؑ کی متانت اور وقار کے شایان نہین۔

مثال ۴

محبوب ہون خدا سے ذوی الاحترام کا
نانا ہون مین حسین علیہ السلام کا

یہ شعر جناب رسولؐ خدا کی زبان سے ادا کیا ہے، لیکن مرزا صاحب کو یہ خیال نہین رہا کہ آنحضرتؐ بھی امام حسین علیہ السلام کا نام علیہ السلام کہہ کر لیتے تھے۔

مثال ۵

یہ بات سُنکے بنڑی نے گھونگٹ اُلٹ لیا
صدقہ مین تم پہ جان سے سرک جاؤ اک ذرا

عباسؑ کو حسینؑ کو، اکبرؑ کو دی صدا
تم سب کے آگے روتے ہوئے آئے گی حیا

ماتم کا ہے ہجوم دلِ پاش پاش پر
جی بھر کے رو لے یہ بنے قاسمؑ کی لاش پر

سرکے وہان سے اکبرؑ و عباسؑ و شاہ دین
زینبؑ سے پوچھنے یہ لگی پھر وہ مہ جبین

لاشے کے گرد پھرنے لگی وہ دلہن حزین
اب اختیار دل پہ مرے مطلقاً نہین

نوشاہ ایک رات کے جو قتل ہوتے ہین
بتلاؤ اسے پھوپھی! انہین کیا کہ کے روتے ہین

یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ مرزا صاحب، اور دیگر تمام مرثیہ گویون نے اہل حرم کی عادات اور مراسم، ہندوستان کے شرفا کی مستورات کے مطابق فرض کئے ہین، چنانچہ عروسی۔ شادی۔ اور میت کے متعلق جس قسم کے مراسم و عادات یہان ہین وہی تمام مرثیون مین مذکور ہین۔ اس بنا پر، حضرت کبریٰؑ کا اپنے باپ، چچا۔ اور بھائی سے یہ کہنا کہ تم لوگ یہان سے سرک جاؤ۔ مین اپنے شوہر پر نوحہ کرنا چاہتی ہون۔ کسقدر بے حجابی اور بے شرمی ہے۔ طرہ یہ کہ یہ بھی کہتی ہین کہ تم سب کے آگے روتے ہوئے شرم آئیگی

لیکن یہ کہتے ہوئے شرم نہ آئی۔ مرزا صاحب نے اسی واقعہ کو، ایک اور مرثیہ مین لکھا ہے اور وہان تو حد کردی ہے، فرماتے ہین ؎

ناگاہ شہ نے لاش اُٹھائی بہ صد بکا
ہم کچھ کہین جو مانئے اے شاہ کربلا

کبریٰ نے بات باندھ کے تب شاہ سے کہا
احسان ہوگا لاش کو رکھ دیجئے ذرا

بالین پہ بیٹھین سر پہ ذرا خاک ڈال لین
ہم بھی کچھ اپنے دل کی تمنا نکال لین

میر انیس نے اسی واقعہ کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہ بحر و بر
بیٹی لٹے گی یون، ہمین اسکی نہ تھی خبر

اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولہ کو اک نظر

زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے
دولہا ہے نام کو بھی، چچا کا پسر بھی ہے

اس بلاغت کو دیکھو کہ چونکہ حضرت امام حسینؑ کا بھی یہ کہنا کہ اب شرم کیا ہے، دولہ کو دیکھ لے ایک گونہ رسمی حیا کے خلاف تھا اس لیئے ان کی زبان سے یہ الفاظ ادا کئے کہ وہ برائے نام دولہا ہے ورنہ چچا کا بیٹا، اور بھائی ہے ؎

حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے با چشم اشکبار
چادر سپید اوڑھا کے دولہن کو بحال زار

بیٹی یہ سر کہ غش ہوئی بانوے دلفگار
گودی مین لائی زینبؑ غمگین و سوگوار

چلائی مان یہ گر کے تن پاش پاش پر
قاسم بنے اُٹھو۔ دلہن آئی ہے لاش پر

ہے ہے بنے قاسم کا ہوا شور جو در پر
بانو نے کہا لٹ گئی لوگو! میری دختر

فرزند کے لاشہ سے لپٹنے لگی مادر
سر پیٹتی دوڑی شہ مظلوم کی خواہر

پھر کون رہے بنت علیؑ جب نکل آئے
خیمہ مین دولہن رہ گئی، اور سب نکل آئے

مثال ۶ کہا سجادؑ سے کبریٰؑ نے یہ اس دم رو رو
تا مجاور مین بنون کھول کے اپنے سر کو

بھائی صاحب میرے دولہ کو بھی اب دفن کرو
کہا کبریٰؑ سے یہ سجاد حزین نے کہ چلو

ٹکڑے لاشون کے بہم بادل غمناک کرین
قاسم ابن حسنؑ کو بھی تہ خاک کرین

ایک رات کی بیاہی ہوئی عورت کا، اپنے بھائی سے یہ کہنا کہ میرے دولہ کو بھی دفن کرو، کسقدر خلاف عادت ہے۔

مثال ۷ حضرت سکینہؑ کو قید خانہ مین غش آگیا ہے، ان کی مان حضرت شہربانوؑ کو خیال ہوا کہ مر گئین، انہون نے نوحہ شروع کیا۔ حضرت زینبؑ انکو سمجھاتی ہین۔ اس واقعہ کو مرزا صاحب اسطرح ادا کرتے ہین

زینبؑ نے رو کے، بانو سے مغموم سے کہا
اور مر گئی تو خیر جو اللہ کی رضا

بے آس ہو نہ بھابھی، ہے غش مین یہ مہ لقا
اب اسکے رفع غش کی یہ اسوقت ہے دوا

ہے عاشق حسینؑ یہ پیاری حسینؑ کی
اب غل کرو کہ آئی سواری حسینؑ کی

تسکین اور تسلی دینے مین یہ کہنا کہ "خیر مر گئی تو کیا کروگی، جو اللہ کی رضا" کس قدر ناموزون ہے اور خلاف آدمیت ہے۔

یہان ہم نے اجمالاً صرف چند مثالین لکھدین اسکے بعد متحد المضمون مرثیون کا جو عنوان ہے اس سے تفصیلاً معلوم ہوگا کہ مرزا صاحب بلاغت کی راہون سے کس قدر ناآشنا ہین۔

میر انیس اور مرزا دبیر کے متحد المضمون مرثیے

میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ کا صحیح تر اور آسان طریقہ یہ ہے کہ دونون صاحبون کے ہم مضمون مرثیون کا مقابلہ کیا جاے، چونکہ مرثیہ کا موضوع، صرف چند معین واقعات ہین اسلئے اگرچہ دونون صاحبون کا انداز شاعری بالکل الگ الگ ہے، تاہم واقعات، اور مضامین، مین ہر جگہ اشتراک پیدا ہو جاتا ہے، اسکے ساتھ یہ بھی نظر آتا ہے کہ دونون حریفون نے اکثر مرثیے، اور بند، اور متفرق اشعار، ایک دوسرے کے مقابلہ مین لکھے ہین، یہان تک کہ بعض بعض بندون مین مضمون، ردیف، اور قافیے تک مشترک ہین، افسوس ہے کہ ان موقعون پر یہ پتہ نہ چل سکا کہ ابتدا کس نے کی، اور جواب کس نے لکھا، تاہم بعض بعض قراین سے (جیسا کہ ہم دیباچہ مین لکھ آئے ہین) ثابت ہوتا ہے کہ مرزا دبیر صاحب زیادہ تر مقابلہ کا قصد کرتے تھے، مثلاً ایک مرثیہ مین میر انیس نے فخریہ کے ساتھ زمانہ کی ناقدری کی شکایت کی تھی، اس کے ایک بند کی ٹیپ یہ ہے ؎

عالم ہے مکدر، کوئی دل صاف نہین ہے	اس عہد مین سب کچھ ہے، پر انصاف نہین ہے

اسی بحر مین مرزا دبیر صاحب کا بھی مرثیہ ہے، اس مین بھی فخریہ ہے، اور ایک بند کی ٹیپ یہ ہے ؎

دل صاف ہو، کس طرح کہ انصاف نہین ہے	انصاف ہو کسطرح کہ دل صاف نہین ہے

دونون شعرون کو دیکھکر ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس نے کسکا جواب لکھا ہے،

میر انیس اکثر شعرون مین مرزا دبیر پر سرقہ اور خوشہ چینی کی چوٹ کرتے ہین مثلاً ؎

لگا رہا ہون مضامین نو کے پھر انبار	خبر کرو، میرے خرمن کے خوشہ چینون کو

ع پیاسو! پیو سبیل ہے نذر حسین کی، ؎

ممکن نہین دزدان معانی سے نجات	سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

بھلا تردد بیجا سے اس مین کیا حاصل — اُٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو
نواسنجیون نے تری اے انیس — ہر اک زاغ کو خوش بیان کر دیا

ع مضمونِ انیس کا نہ چربا اُترا،

لیکن مرزا دبیر نے میر انیس پر کہین سرقہ کی تعریض نہین کی ہے بلکہ صرف اپنی برات ظاہر کی ہے مثلاً

واللہ بری ہون سرقہ مضمون غیر سے — ہے استفادہ مجھکو احادیث و سیر سے
شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہون — ہر مرثیہ مین موجد طرز جدید ہون

بہر حال کم سے کم ہمکو یہ فرض کر کے کہ دونون مین سے کوئی سرقہ کا مجرم نہین، صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ اس مضمون کو کس نے خوبی سے ادا کیا ہے، چنانچہ ہم دونون کے متحد المضمون مرثیے اور اشعار ذیل مین درج کرتے ہین

پردہ کا اہتمام

انیس
بیت الشرفِ خاص سے نکلے شہ ابرار — روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترتِ اطہار
فراشون کو عباس پکارے یہ بہ تکرار — پردہ کی قناتون سے خبردار خبردار
باہر حرم آتے ہین رسول دوسرا کے
شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکون سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے — آتا ہو ادھر جو وہ اُسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقہ پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے — دیتے رہو آواز جہانتک کہ نظر جائے
مریم سے سوا حق نے شرف انکو دیے ہین
افلاک پہ آنکھون کو ملک بند کیے ہین

دبیر
دربان عصا اُٹھا کے بڑھے جانب لیسار — دہنی طرف نقیب گئے باندھ کر قطار
آ آ کے در پہ لونڈیان چلائین بار بار — آئے ادھر شتاب نہ کوئی جائے ہوشیار

آواز غیر سُن کے وہ اندیشہ کرتی ہے
آہستہ بولو دختر زہرا اُترتی ہے

عفت کے جتنے مرتبے خیر النسا نے پائے
ہاں ہاں مسافرو نہ کوئی غل مچانے پائے

وہ مان کے بعد دختر مشکل کشا نے پائے
ناقہ پہ بیٹھ کر نہ اِدھر کوئی آنے پائے

حسن ادب یہی ہے کہ حق کو پسند ہو
وہ بیٹھ جائے جسکا کہ قامت بلند ہو

دونون بزرگون نے عورتون کے پردہ کے اہتمام کا سمان باندہا ہے لیکن میر صاحب نے اس مضمون کو اس فصاحت و بلاغت سے ادا کیا ہے اور اس طرح واقعہ کی تصویر کھینچدی ہے کہ اسکے سامنے مرزا صاحب کے اشعار کا پیش کرنا بھی، میر صاحب کی ناقدردانی ہے، روانی، شستگی - خوبی محاورہ - چستی بندش، کے علاوہ بلاغت کے نکتون پر لحاظ کرو، میر صاحب نے پردہ کے اہتمام اور لوگون کے ہٹانے اور روکنے کو حضرت عباسؑ کی طرف منسوب کیا ہے جس سے حضرت زینبؑ کی عظمت و شان کے اظہار کے علاوہ، اصلی واقعہ کی مطابقت ہوتی ہے، کیونکہ تمام معزز خاندانون مین پردہ کا اہتمام خود خاندان کے ممبر کیا کرتے ہین بخلاف اسکے مرزا صاحب نے یہ کام بالکل دربانون، نقیبون، اور لونڈیون کے سپرد کردیا ہے، جس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ یا تو گھر مین کوئی مرد تھا ہی نہین، یا تھا تو اسکو عورتون کی چندان پروا نہ تھی، پردہ کے اہتمام مین نقیبون کا کیا کام ہے، لونڈیون کے غل مچانے سے ثابت ہوتا ہے کہ ادب و شایستگی نہین پائی جاتی،

ذیل کے دونون مصرعے بالکل ہم مضمون ہین لیکن دونون مین زمین و آسمان کا فرق ہے ؎

انیس ناقہ پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے،

دبیر ناقہ پہ بیٹھ کر نہ اِدھر کوئی آنے پائے،

صغریٰ کی آزردگی

دبیر

صغرا نے کہا صاحبو کیا کرتے ہو گفتار
اک بات پکڑلی کہ یہ بیمار ہے بیمار

شاید کہ سفر ہی مین شفا دے مجھے غفار
یان کون خبر لے گا مری یہ در و دیوار

اتنی بھی تو طاقت نہین جو اُٹھ کے کھڑی ہون
اے لوگو! مین کیا آپ سے بیمار پڑی ہون

واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، تمام اہل حرم کو ساتھ لیے جاتے ہین لیکن حضرت صغرا کو بیمار ہونے کی وجہ سے چھوڑے جاتے ہین۔ اس پر وہ گریہ و زاری کرتی ہین حضرت امام حسینؑ، اور گھر کی عورتین سمجھاتی ہین کہ تم بیمار ہو، سفر کے مصائب برداشت نہین کر سکتی ہو صغرا جواب دیتی ہین اسی مضمون کو میر انیس صاحب ادا کرتے ہین ؎

کیا خلق مین لوگو! کوئی ہوتا نہین بیمار
ہے کونسی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار

زندہ ہون پہ مردہ کی طرح ہو گئی دشوار
کیون جا کے گئے ہین سب مجھے چھوڑ کونسا آزار

حیرت مین ہون باعث مجھے کہنا نہین اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے مُنہ تکتی ہون جس کا

مرزا صاحب نے بھی عمدگی سے اس واقعہ کو ادا کیا ہے لیکن میر صاحب کے طرز بیان مین جو حسرت رنج اور بیکسی ہے وہ مرزا صاحب کے ہان نہین، "اک بات پکڑلی"، عامیانہ اور سوقیانہ طرز گفتگو ہے، ٹیپ کے دونون مصرعون مین کوئی ربط نہین، اور یہ کہنا کہ مجھکو اُٹھنے کی بھی طاقت نہین، صغرا کی خواہش پر ناگوار کا اثر پیدا کرتا ہے، کیونکہ جب اُٹھنے کی طاقت نہین تو وہ سفر کیونکر کر سکتی ہین،

اسی بنا پر میر انیس نے جہان یہ واقعہ باندھا ہے، صغریٰؑ کی زبان سے یہ کہا ہے ؎

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
تپ کی بھی ہے شدت مین کئی روز سے خفت

بستر سے مین خود اُٹھ کے ٹہلتی بہی ہون حضرت
پانی کی بہی خواہش ہے غذا کی بہی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے مُنہ کا بھی مزا تلخ نہین ہے

دیکھو حضرت صغرا کس کس طرح سے بیماری کی تخفیف اور قریب الصحۃ ہونے کو ثابت کرتی ہین۔

اصغر سے خطاب

دبیر

پردہ کو اُٹھا کر یہ کہا باؤ نے رو رو
صدقے گئی اقبال ایسی تو مُنہ سے نہ نکالو
سب جیتے ہین بیکس نہ ابھی آپ کو سمجھو
شبیر ہو - دینا ہو - ترا کنبہ ہو - تو ہو

کب مین نے کہا یہ نہین اصغر ہے تمہارا
لو شوق سے دیکھو، یہ برادر ہے تمہارا

پھر ہاتون پہ اصغر کو رکھا کر کے یہ زاری
لٹکا دیے ہات اُس نے جھک کر کئی باری
مان نے کہا لو گود مین یہ آتے ہین واری
اصغر کی طرف ہات اُٹھا کر وہ پکاری

پھر جیتی ملون یا نہ ملون تجھ سے بلا لون
آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا لون

صغرا کا رخصت کے وقت علی اصغر کو حسرت اور پیار سے دیکھنا نہایت درد انگیز سمان ہے، اور اکثر مرثیون مین یہ سمان نہایت موثر طریقہ سے دکھایا جاتا ہے، لیکن مرزا صاحب ایسے درد انگیز واقعہ کو بھی تاثیر کا رنگ نہ دیسکے، دیکھو میر صاحب، اسی بات کو کس لہجہ سے ادا کرتے ہین ؎

مان بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قربان
گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہبان
صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنون سے ہوتے نہین بیٹا

کنبہ کے لئے جان کو کھوتے نہین بیٹا

مین صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری
وہ کانپتی ہاتون کو اُٹھا کر یہ پکاری

اصغرؑ مرا روتا ہے صدا سُنکے تمھاری
آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغرؑ مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہین سکتی
جو دل مین ہے لب پردہ سخن لا نہین سکتی

تم سے تمہین چھاتی سے بھی لپٹا نہین سکتی
رکھ لون تمہین اماں کو بھی سمجھا نہین سکتی

بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے
تم ہو سو تمہین طاقتِ گفتار نہین ہے

اس واقعہ کا نہایت دردانگیز پہلو، صغرؑا کا خود اصغر سے مخاطب ہونا، اور جوشِ محبت مین چھ مہینہ کے بچہ سے اپنا وردِ دل کہنا تھا، مرزا صاحب صرف یہ کہکر رہ گئے ع آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا لون، میر صاحب نے پورا دردِ دل کہا اور کس موثر طریقہ سے کہا۔ مرزا صاحب کا یہ مصرع ع اصغرؑ کی طرف ہاتھ اُٹھا کر وہ پکاری، یہ صاحب کے اس مصرع کے جواب مین ہے ع وہ کانپتی ہاتھون کو اُٹھا کر یہ پکاری،

لیکن دونون مین کوئی نسبت نہین، میر صاحب کے ان ہات کے ساتھ کانپنے کی قید نے کسقدر بلاغت پیدا کر دی ہے، - ذیل کے ان دونون مصرعون مین بھی زمین آسمان کا فرق ہے۔

ع آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری،

ع آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا لون، "چھوٹا مسافر" مرزا صاحب کا ایجاد ہے

اعلیٰ و ادنیٰ کا مقابلہ

کچھ خارِ مغیلان گل تر ہو نہین جاتا
قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہین جاتا

ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہین جاتا
مس پر جو طمع ہو تو زر ہو نہین جاتا

جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰ نہین کہتے
ہر بات کو عاقل ید بیضا نہین کہتے

میر انیس کا یہ مشہور بند ہے، مرزا صاحب نے اسکے جواب مین بڑی کوشش کی مختلف بحرین اختیار کین، بہت سی نئی نئی تشبیہین ڈھونڈھین لیکن وہ بات پیدا نہوئی مرزا صاحب فرماتے ہین ؎

احکام یزید اور ہین اور اپنے امور اور
باطل کی نمود اور ہے اور حق کا ظہور اور
نمرود کی آگ اور ہے، اور آتش طور اور
زنبور کا غل اور ہے، الحان زبور اور

سمجھو تو سہی تم کہ بشر کیا ہے ملک کیا
بت کیا ہے، خدا کیا ہے، زمین کیا ہے، فلک کیا

سامان سے کوئی صاحب ایمان نہین ہوتا
ہر اہل عصا موسیٰ عمران نہین ہوتا
پہنے جو انگوٹھی وہ سلیمان نہین ہوتا
آئینہ گر اسکندر دوران نہین ہوتا

لاکھ اوج ہو پشہ کا ہما ہو نہین جاتا
بت سجدۂ کافر سے خدا ہو نہین جاتا

یہ تشبیہات کافی نہ ہوئین تو ایک اور مرثیہ مین بہت سی تشبیہین جمع کین ؎

ہر سبز پوش خضر نہین عز و جاہ مین
سبز حیدری ہین جناب الہین
یوسف نہ ہوگا لاکھ گرے کوئی چاہ مین
دن رات کا ہے فرق سفید و سیاہ مین

کوئی یتیم فاطمہ سا خوش گہر نہین +
ہر اک یتیم در یتیم اے عمر نہین +

چاہے زرہ بنا کے جو داؤد کا وقار
واللہ جعل ساز ہے کیا اسکا اعتبار

ہر نجیبہ گر نہ ہو کبھی ادریس نامدار
ہر ناخدا کو نوح کہے گا نہ ہوشیار

کیا جاہلوں کے عیش کا سامان ہوگیا
بیٹھا جو تخت پر وہ سلیمان ہوگیا

حُر کا واقعہ۔ حُر پہلے یزید کی طرف تھا، لیکن خدا نے ہدایت دی، اور معرکہ جنگ شروع ہونے سے پہلے، وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی فوج مین چلا آیا، اُسکا آنا، معافی کا خواستگار ہونا، لڑنے کی اجازت طلب کرنا، زخمی ہوکر گرنا، امام علیہ السلام کا اُسکے پاس جانا، اُسکا انتقال کرنا، یہ واقعات اکثر مرثیون مین دونون نے لکھے ہین، لیکن ایک مرثیہ مین بحر اور اکثر قافیے تک مشترک ہین، ان دونون مرثیون کے مقابلہ کرنے سے، دونون حریفون کے مدارج کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے ؎

مرزا دبیر

کہکے یہ گھوڑون پہ غازی ہوئے دونون اسوار
پہونچے نزدیک شہ دین تو پکارا اجزار

اور چلے شاہ کی جانب کو بڑھا کر رہوار
بخشدے جرم شہنشاہ نجف کے دلدار

روے الطاف کو ہم سے نہ پھرانا آقا
نہین اس در کے سوا کوئی ٹھکانا آقا

میر انیس

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار
مجرم ایسا ہون کہ عصیان کہین جسکے شمار

الغیاث اے جگر جان رسول مختار
عفو کر، عفو کر، اے چشمۂ فیض غفار

پار دریاے خطا سے مری کشتی ہوجاے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہوجاے

مرزا دبیر

واسطہ احمد و زہرا و حسن کا اے شاہ
بخشدو عفو کرو، بندۂ عاصی کا گناہ

نذر سر لایا ہون، مقبول ہو اے عرش پناہ
اور بتاؤ میرے بیٹے کو بھی فردوس کی راہ

حُر عوض آپ کے مقتول جفا ہوئے گا

اور اکبرؑ پہ مرا لال فدا ہوئے گا

میر انیس

کئی روزوں سے تلاطم میں ہوں اے شاہ شہاؑ
دست و پا گم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سوجھتی راہ

مدد اے نوحِ غریبانِ مرا بیڑا ہے تباہ
شور کرتا ہوں کہ تبلائے کوئی جائے پناہ

ابرِ رحمت کی طرف جائیے صدا دیتے ہیں
سب ترے دامنِ دولت کا پتہ دیتے ہیں

دبیر

پیشوائی کو چلے حُر کے شہنشاہِ زمن
کانپ کر پائے مبارک پہ جھکا سر افگن

ہات کھولے پسرِ عقدہ کشا نے فوراً
سر اُٹھا کر کیا سرور نے یہ بھائی سے سخن

گو سرِ حُر پہ ہے خالق کے کرم کا سایا
آن کر تم بھی کرو اس پہ علم کا سایا

انیس

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم
خود بڑھے ہاتوں کو پھیلا کے شہنشاہِ امم

جوش میں آگیا اللہ کا دریائے کرم
حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اُسدم

شکر کر سبطِ رسولِ الثقلین آتے ہیں
اے برادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہیں

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شہؑ
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے باتوقیر

دوڑ کر چوم لئے پائے شہِ عرش سریر
میں نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر

میں رضامند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو
مجھکو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

دبیر

حُر نے فرزندِ پیمبر سے یہ اسوقت کہا
آپ کی بندہ نوازی پہ فدا اے آقا

سایہ دامنِ رایت تو ہے ظلِ طوبیٰ
رخ کیا جب سے ادھر کا یہ ہے الطافِ خدا

مرحبا فاطمۂ زہرا مجھے فرماتی ہین
سایہ چادر کا مرے سر پہ کیے آتی ہین

انیس

حُر پکارا "بابی انت وامی" یا شاہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن مین مل جائے یہ راہ

قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
سب سے صدقہ انہین فدوین کا خدا سے آگاہ

مہر ذرّہ پہ جو ہو نیر تابان ہو جائے
آپ جس سور کو چاہین وہ سلیمان ہو جائے

دبیر

عرض کی پھر شہ والا سے بہ جوشِ رقّت
عفو تقصیر ہوئی - اب ہو عنایت رخصت

کرتے ہین دشمنِ دین جنگ پہ اس دم سبقت
دیکھنے کی نہین بندے مین ذرا اب طاقت

گر رضا پائے تو سر اپنا کٹائے فدوی
زخم شمشیر و سنان سینہ پہ کھائے فدوی

انیس

لائے اس عزت و حرمت سے جو مہمان کو امامؑ
شہ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام

بولے عباسؑ کمر کھول اب اے نیک انجام
عرض کی حُر نے کہ خلد مین کھولے گا غلام

فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی اُمنگ
لشکر شام سے پیہم چلے آتے ہین خدنگ

ایک ہی وار مین دونون کو کرونگا چور نگ
شاہزادون کی سپر ہون کہ عبادت ہے یہ جنگ

کہین ایسا نہ ہو یہ کوئی بیجان ہو جائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قربان ہو جائے

دبیر

پسر حُر کے معرف علی اکبرؑ تھے کہ واہ
حُر کو دیتے تھے صدا شاہ کہ سبحان اللہ

دونون تسلیم کنان صرف وغا تھے ذی جاہ
مژدۂ گلشن جنت انہین پہونچا ناگاہ

دونون یک مرتبہ بیزار ہوے جینے سے
نیزۂ ظلم و ستم پار ہوے سینے سے

انیس

بڑھ کے فرماتے تھے عباس سے ہے عزت جاہ
بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبر شاہ
کہتے تھے ابن حسن واہ حر غازی واہ
شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے سبحان اللہ

اپنی جانبازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

دبیر

اس گھڑی فاطمہ کے لال سے حر نے یہ کہا
آپ کے صدقہ سے یہ رتبہ ہوا خادم کا
شیر حق میرے سرہانے ہین کھڑے اے مولا
جام کوثر لئے کہتے ہین بصد لطف و عطا

لے اسے پی کہ بہت تشنہ دہن ہے اے حر
جلد آ دیکھ یہ جنت کا چمن ہے اے حر

ان سے مین عرض یہ کرتا ہون کہ اے شاہ زمان
پسر فاطمہ پیاسا ہے مجھے پیاس کمان
صبح سے جھولے مین بیہوش ہے اصغر نادان
تشنہ لب ہے کئی دن سے علی اکبر سا جوان

پیاسا ہون، اسے بھی پانی نہ پیون گا مولا
جام کوثر نہ بن آقا کے پیون گا مولا

انیس

نیم وا چشم سے حر نے رخ مولا دیکھا
زیر سر زانوے شبیر کا تکیا دیکھا
مسکرا کر نظر عالم بالا دیکھا
شہ نے فرمایا کہ اے حر بری کیا دیکھا

عرض کی حسن رخ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

مجھکو لینے چلے آتے ہین فرشتے یا شاہ
ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
خلد سے شیر خدا نکلے ہین اللہ اللہ
لو برآمد ہوئے شبیرؑ بھی پدر کے ہمراہ

ننگے سر احمد مختار کی پیاری آئی
دیکھیے آپ کے نانا کی سواری آئی

دبیر

مڑ کے عباسؑ دلاور کو پکارے سرور
روک لو تم کہ سکینہؑ چلی آتی ہے ادہر
گئے عباسؑ اُدھر ہر یان ہوا برپا محشر
حُر بھی فرزند بھی حُر کا ہوا گویا رو کر

غش پہ غش تشنہ دہانی کے سبب آتے ہین
الفراق اب چمن خلد کو ہم جاتے ہین

انیس

قبلہ رو کیجیے لاشہ مرا اے قبلۂ دین
پڑھیے یٰسین کہ اب ہے یہ دم بازپسین
کوچ نزدیک ہے اے بادشہ عرش نشین
لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جان حزین

بات بھی ابتو زبان سے نہین کیجاتی ہے
کچھ اُڑا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود مین شبیرؑ کے لی انگڑائی
آیا ماتھے پہ عرق - چہرہ پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمین چھوڑ چلے کیون بھائی
چل بسے حُر جبھی ادہر نہ کچھ آواز آئی

طائر روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
تپلیان رہ گئین ہر کر شہ والا کی طرف

میر انیس کے اشعار مین بلاغت کی جو باریکیان اور دقائق ہین، ان سے ہم اس موقع پر بحث نہین کرتے، یہان صرف یہ دکھانا ہے کہ حُسنِ بندش سے کلام مین کس قدر صفائی، برجستگی اور زور پیدا ہو جاتا ہے۔

قید خانہ کے واقعات | قید خانہ کا حال، اور ہند کے آنے کا واقعہ دونون نے لکھا ہے۔ اور ایک بحر مین لکھا ہے۔ میر انیس کا مطلع ہے **مصرع** جب قیدیون کو خانہ زندان مین شب ہوئی۔

اور مرزا صاحب کا مطلع ہے **مصرع** جب قیدیون کو راہ مین ماہ صفر ہوا۔

میر انیس نے تفصیلی حالات نہایت موثر پیرایہ مین لکھے ہین۔ مرزا صاحب کے ہان صرف ۳۶ بند ہین۔ لیکن بعض مضامین مشترک ہین۔ وہ ملاحظہ ہون ؎

دبیر

راوی نے حال خانہ زندان کا یون لکھا
آئی جو شب اسیرون کو صدمہ بڑا ہوا
وحشت مین مثل قبر اور آفت مین کربلا
نہ فرش تھا نہ سایہ تھا۔ نہ پانی نہ غذا
شمعون کی روشنی نہ چراغون کی روشنی
بس ماتم حسینؑ کے داغون کی روشنی

انیس

کیجیے شکستگی خرابہ کا کیا بیان
وحشت کا گھر ہراس کی جا خوف کا مکان
ثابت نہ جسمین سقف نہ در اور نہ سائبان
وہ شب کہ الحذر وہ اندھیرا کہ الامان
ظلمت سرائے گور تھی۔ زندان کا گھر نہ تھا
حجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گذر نہ تھا

دبیر

ناگاہ مشعلون کی ہوئی روشنی نمود
زینبؑ کے دل پہ صدمہ سہون سے ہوا فزود
اور غل ہوا کہ ہند کا زندان مین ہے ورود
غربت سے کانپنے لگی وہ خاصۂ ودود
سر زانوون کے بیچ مین شرما کے دھر لیا
اور بیڑیون کو خاک مین پوشیدہ کر لیا

بچون سے پھر یہ بولی وہ آفت کی مبتلا
ناگاہ آئی قیدیون مین ہند باوفا
اب نام لیجیو نہ مرا تم یہ مین فدا
زنجیر پہنے دیکھ کے عابد کو دی ندا

بیداد اہل ظلم سے یارب دہائی ہے
اس ناتوان کو آہ یہ بیڑی پنہائی ہے

انیس

نکلی محل سرا سے یہ کہکر وہ خوش سیر
تھین ساتھ ساتھ چند خواصین بھی نوحہ گر
پہنچی جناب حضرت زینبؑ کو یہ خبر
رنگ اُڑ گیا یہ کہنے لگی سر کو پیٹ کر

اپنا نہین خیال، بزرگون کا پاس ہے
ہے ہے، کہان چھپون وہ مری روشناس ہے

ہے شرم کی جگہ کہ مین ہون خواہر امام
غمگین و سوگوار و پریشان و تشنہ کام
ہم ہین فقیر، ہم مین امیرون کا کیا ہے کام
لوگو بتا نہ دیجو کہین اسکو میرا نام

پوچھے جو وہ کسی سے کہ زینب کدہر گئی
کہدیجیو کہ بھائی کے ہمراہ مر گئی

دبیر

زینبؑ کو بھی سکوت کا یارا نہ پھر رہا
بولے نہ ان سے پوچھ یہ زینبؑ کا ماجرا
کیا جانیے کہ بعد حسین اسپہ کیا ہوا
قدمون پہ ہند گر پڑی پہچان کر صدا

رو کر کہا قسم مجھے رب قدیر کی
زینبؑ تمہین ہو بیٹی جناب امیرؑ کی

انیس

یہ سن کے ہند رونے لگی تب بہ اشک و آہ
پھر مڑ کے روئے حضرت زینب پہ کی نگاہ
مُنہ سے ہٹائے بال تو حالت ہوئی تباہ
بیساختہ کہا کہ زہے قدرت الٰہ

ہرگز غلط نہین جو مجھے اشتباہ ہے
زینبؑ تمہین ہو خالق اکبر گواہ ہے

میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ مین عموماً میر انیس کی ترجیح ثابت ہوگی لیکن ہر کلیہ مین مستثنیٰ ہوتا ہے

بعض موقعون پر مرزا دبیر صاحب نے جس بلاغت سے مضمون کو ادا کیا ہے میر انیس سے نہین ہوسکا چنانچہ ذیل کی مثال سے اسکی تصدیق ہوگی۔

حضرت علی اصغرؑ کے لئے پانی مانگنا

واقعات کربلا مین یہ واقعہ نہایت دردانگیز ہے کہ تمام اعزہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ علیہ السلام، اپنے شش ماہہ بچے (علی اصغرؑ) کو دشمنون کے سامنے لیجاکر اس بات کے متمنی ہوے کہ یہ بچہ پیاس سے مرتا ہے، اس کے گلے مین پانی کی ایک بوند ٹپکا دو، اس واقعہ کو میر ضمیر سے لیکر آج تک نئے نئے موثر پیرایون مین ادا کیا جاتا ہے، میر انیس صاحب نے مختلف مرثیون مین یہ واقعہ لکھا ہے، اور ہر جگہ نیا پہلو اختیار کیا ہے، ایک مرثیہ مین جو سب سے بہتر ہے فرماتے ہین ؎

بولے دکھا کے بچے کو شاہ فلک سریر
پانی ملا ہے کل سے نہ ممکن ہوا ہے شیر
مرتا ہے پیاس سے یہ مرا کودک صغیر
للہ اس غریب پہ کر رحم اے امیر

مہمان ہے کوئی آن کا ہونٹون پہ جان ہے
اسکا قصور کیا ہے کہ یہ بے زبان ہے

برپا ہے اہل بیت محمد مین شور و شین
آنکھین پھرائے دیتا ہے اب تو یہ نور عین
در پر پھوپھی بلکتی ہے مان کر رہی ہے بین
لایا ہے اس عطش مین ترے پاس اب حسینؑ

تجکو قسم ہے روح رسالت مآب کی
ٹپکا دے اسکے حلق مین اک بوند آب کی

لیکن مرزا دبیر صاحب نے اس واقعہ کے بیان مین جو بلاغت صرف کی ہے اور جو درد انگیز سمان دکھایا ہے کسی سے آج تک نہ ہوسکا، فرماتے ہین ؎

دبیر

ہر اک قدم پہ سوچتے تھے سبط مصطفےٰ
لے تو چلا ہون فوج عمر سے کہون گا کیا

نہ مانگنا ہی آتا ہے مجھکو نہ التجا
منت بھی کر کرونگا تو کیا دینگے وہ بھلا

پانی کے واسطے نہ سنین گے عدو مری
پیاسے کی جان جائے گی اور آبرو مری

پہونچے قریب فوج تو گھبرا کے رہ گئے
چاہا کرین سوال پہ شرما کے رہ گئے
غیرت سے رنگ فق ہوا تھرا کے رہ گئے
چادر پسر کے چہرہ سے سرکا کے رہ گئے

آنکھین جھکا کے بولے کہ یہ ہمکو لائے ہین
اصغرؑ تمھارے پاس غرض لیکے آئے ہین

گرچہ بہ قول عمر و شمر ہون گناہ گار
یہ تو نہین کسیکے بھی آگے قصوروار
شش ماہہ بے زبان نبی زادہ شیر خوار
ہفتم سے سب کے ساتھ یہ پیاسا ہے بیقرار

سن ہے جو کم تو پیاس کا صدمہ زیادہ ہے
مظلوم خود ہے اور یہ مظلوم زادہ ہے

یہ کون بے زبان ہے تمھین کچھ خیال ہے
تو سخت بیقرار ہے یہ بیکس کلال ہے
لو مان لو تمھین قسم ذوالجلال ہے
یثرب کے شاہزادے کا پہلا سوال ہے

پوتا علیؑ کا تم سے طلبگار آب ہے
دیدو کہ اسمین ناموری ہے ثواب ہے

پھر ہونٹ بے زبان کے چومے جھکا کے سر
رو کر کہا جو کہنا تھا وہ کہہ چکا پدر
باقی رہی نہ بات کوئی اے مرے پسر
سوکھی زبان تم بھی دکھا دو نکال کر

پھیری زبان لبون پہ جو اس نورعین نے
تھرا کے آسمان کو دیکھا حسینؑ نے

اسلوب بیان کی بلاغت کو دیکھو، امام علیہ السلام، اصغرؑ کو لیکر پانی مانگنے کو نکلے تو سہی لیکن غیرت کے اقتضا سے ہر قدم پر ٹھہر جاتے ہین کہ سوال کیونکر کرون، اور کرون بھی تو نتیجہ کیا ہوگا، پھر فوج کے قریب پہونچکر سوال کرتے ہوئے شرمانا، تھرّا کے رہ جانا، اور سب سے بڑھ کر بچہ کے چہرہ سے چادر سرکا کے رہ جانا کسقدر قیامت انگیز سمان ہے، پھر سوال بھی کرتے ہین تو علی اصغرؑ پر رکھکر، اصغرؑ تمہارے پاس غرض لیکے آئے ہین، واجب الرحم ہونے کی وجہین کسقدر لاجواب ہین، اور سب ایک ہی مصرع مین ادا ہوگئی ہین یعنی شش ماہہ ہے، بے زبان ہے، بنی زادہ ہے، شیر خوار ہے، ان سب پر قیامت یہ کہ جب سب کچھ کہہ چکے تو بچہ کی زبان حال سے بھی کہلوایا اور بچہ نے کہہ بھی دیا کیونکہ بچہ پیاس کی شدت سے لبون پر زبان پھیرا کرتا تھا، اب بھی اُس نے ایسا ہی کیا تو یہ زبان حال سے کہنا تھا۔

متحد المضمون اشعار

اس قسم کے اشعار بعض تو بالکل ہم مضمون ہین، بعض اس قسم کے ہین کہ ایک نے ایک خیال کو ادا کیا تھا، دوسرے نے اسکو ترقی دینا چاہا۔ بعض ایسے ہین کہ صرف اصل واقعہ مشترک ہے اور دونون کی طرز ادا الگ الگ ہے، چنانچہ ہم ہر قسم کی متعدد مثالین نقل کرتے ہین ؎

دبیر	مثل تنور گرم تھا پانی مین ہر حباب		ہوتی تھین سیخ موج پہ مرغابیان کباب
انیس	پانی تھا آگ گرمی، روز حساب تھی		ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

یہ مضمون دونون کے ہان مشترک ہے کہ گرمی کی شدت یہ تھی کہ موج سیخ بن گئی تھی اور جب کوئی جانور اُس کے پاس جاتا تھا تو جلکر کباب ہوجاتا تھا، بندش اور الفاظ کی نشست مین جو فرق ہے وہ خود ظاہر ہے لیکن معنوی حیثیت سے بھی میر انیس کا شعر بڑھا ہوا ہے۔

میر انیس صاحب کے ہان گرمی کا مبالغہ جو شعر کی جان ہے، زیادہ پایا جاتا ہے، یعنی یہ کہ مچھلی سیخ موج تک آنے کے ساتھ فوراً کباب ہوجاتی تھی، مرزا صاحب کے ہان یہ بات نہین پائی جاتی وہ کہتے ہین

کہ موج کی سیخ پر مرغابیون کا کباب لگایا جاتا تھا اس سے فوراً کباب ہوجانے کا خیال نہین پیدا ہوتا ؎

دبیر	چاہون تو بیٹھے بیٹھے اک انگلی سے زین کو		گردون کی ڈال چیر کے رکھدون زمین پہ
انیس	طاقت اگر دکھادون رسالتمآب کی +		رکھدون زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

مرزا صاحب کے شعر کا پہلا مصرع نہایت بدترکیب ہے، اس کے علاوہ ایک انگلی سے چیرنا نہین ہوتا بلکہ کھرچنا دینا ہوتا ہے۔ ڈھال کی تشبیہ آفتاب سے بہ نسبت آسمان کے زیادہ موزون ہے ؎

دبیر	درشت سے جوان بھاگتے تھے تیر کی مانند		تھا نیزون کو رعشہ قدم پیر کی مانند

انیس چلنے مین نیزے کانپتے تھے مثل پاے پیر

میر صاحب کا مصرع زیادہ فصیح اور صاف ہے، ان الفاظ سے "کانپتے تھے" جو تصویر خیال مین کھچ جاتی ہے وہ رعشہ کے لفظ سے پیدا نہین ہوتی، سب سے بڑھ کر یہ کہ جب تک چلنے کی قید نہ مذکور ہو پوری تشبیہ نہین ہوتی۔ کیونکہ بوڑھے آدمی کے پاؤن چلنے ہی کی حالت مین کانپتے ہین، اس کے ساتھ چونکہ چلنے کا اطلاق پاؤن اور نیزہ دونون پر ہوتا ہے اس لئے یہ لفظ اس موقع پر نہایت موزون ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ نیزہ چلانے کی حالت مین نیزہ کو لچک ہوتی ہے اس لئے اسکو کانپنے سے تعبیر کرسکتے ہین، اور اس لحاظ سے یہ کہنا کہ نیزہ چلنے کی حالت مین خوف سے کانپتا تھا نہایت لطیف حسن التعلیل ہے، بخلاف اسکے مرزا صاحب نے چونکہ نیزہ کی جنبش اور حرکت کا ذکر نہین کیا اس لئے رعشہ کا کوئی ثبوت نہین ہوتا۔

دبیر چلانے سے ہات مل کے جلاجل کہ الامان۔

انیس ہوگیا جوڑ کے ہاتون کو جلاجل خاموش۔

جلاجل کے دونون حصے جو بجانے مین مل جاتے ہین، اسکی تعبیر دونون بزرگون نے دو طرح پر کی ہے مرزا صاحب کہتے ہین کہ جلاجل چلاکر الامان کہتا تھا اور ہاتھ ملتا تھا لیکن چلانے کو ہات ملنے

سے کوئی تعلق نہین، اس لئے گو تشبیہ صحیح ہے لیکن بات ملنے کی کوئی توجیہ نہین ہوسکتی، میر صاحب کہتے ہین کہ حضرت امام حسینؑ کا رعب اسقدر غالب ہوا کہ جلاجل بات جوڑ کے چپ ہوگیا، رعب اور خوف کی حالت مین بات جوڑنا اکثر ہوتا ہے، اور چونکہ جلاجل کے دونون حصے جب مل جاتے ہین تو پھر جب تک جدا نہ ہون، آواز نہین دے سکتے، اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ بات جوڑ کر چپ ہوگیا ؎

دبیر	یون جسم رعشہ دار سے جانین ہوئین روان		جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان	
انیس	یون روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے		جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے	

اصل مضمون یہ ہے کہ روحین جسم سے اس طرح بھاگ گئین جسطرح بھونچال مین کوئی گھر چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے لیکن بندش کی صفائی اور برجستگی نے میر انیس صاحب کے مضمون کو کہان سے کہان پہونچا دیا ہے اس کے علاوہ، صاحب مکان کی تخصیص بالکل بیکار ہے، زلزلہ جب آتا ہے تو صاحب مکان کی کوئی تخصیص نہین، ہر شخص مکان چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے، جسم رعشہ دار کی ترکیب نامانوس ہے اور اس قید سے یہ مفہوم ہوتا ہے، کہ صرف ان لوگون کی روحین نکلین جنکے جسم رعشہ دار تھے۔ میر صاحب کا پہلا مصرع بھی کچھ اچھا نہین، سر کا لفظ بالکل حشو بلکہ موقع کے لحاظ سے غلط ہے، روح سر مین نہین رہتی اور نہ سر سے اسکو کوئی خصوصیت ہے ؎

دبیر	وہ رخش پہ یا دیو تھا اسوار پری پر		غل رن مین اٹھا کوہ چڑھا کبک دری پر	

کسقدر بیہودہ تشبیہ ہے، دشمن کو کوہ اور گھوڑے کو کبک دری کہنا مضائقہ نہین لیکن کوہ کا کبک دری پر چڑھنا کسقدر مہمل ہے، میر انیس صاحب نے بھی یہی مضمون یعنی دشمن کا گھوڑے پر سوار ہونا متعدد موقعون پر باندھا ہے اور کس خوبی سے باندھا ہے۔

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا۔

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا۔

Biggest Urdu Literature Books Library
WWW.AdabiZouq.com

دبیر	رن مین جو گھرا ابر غلیظ اہل ستم کا		بجلی سا کڑکنے لگا کڑکیت عسر کا
ایضاً	گرد عباسؑ کے کثرت تھی ستمگارونکی		مینہ تو تیرون کا تھا اور برق تھی تلوارونکی

پہلے شعر کا یہ مطلب ہے کہ دشمن جو اہل ستم تھے، اُن کے صفون کا دل ابر غلیظ تھا، اور اس ابر مین کڑکیت کا کڑکنا بجلی کا کام دیتا تھا، دوسرے شعر کا مطلب ظاہر ہے، اسی مضمون کو میر انیس صاحب نے باندھا ہے ؎

	اک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے ستمگارونکی		برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

مرزا صاحب کا پہلا شعر تو بالکل بھدا اور بدترکیب ہے، دوسرا ذرا صاف ہے لیکن میر انیس صاحب کے شعر سے اسکو بھی کچھ نسبت نہین ہے، صفائی اور برجستگی کے علاوہ "چمکنے لگی" کے جملہ فعلیہ نے جو حالت پیدا کی وہ "برق" تھی سے کہان پیدا ہو سکتی ہے ؎

انیس	عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہین ہے		اس عہد مین سب کچھ ہی پر انصاف نہین ہے
دبیر	دل صاف ہو، کسطرح کہ انصاف نہین ہے		انصاف ہو کسطرح کہ دل صاف نہین ہے

انصاف سے دیکھو مرزا صاحب نے میر صاحب ہی کے لفظون کو اُلٹ پلٹ کیا ہے لیکن کس بُری طرح سے کہ محض لفظی گورکھ دھندا رہ گیا ہے۔

دبیر کس نے ندی انگوٹھی رکوع و سجود مین۔

انیس سایل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز مین۔

دونون مصرعون کی شستگی برجستگی اور صفائی مین جو فرق ہے، وہ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے ؎

دبیر	کس آب و تاب سے یہ سر فوج پر گئی		پانی کا گھونٹ بنکے گلے سے اُتر گئی
انیس	سب نشہ غرور جوانی اُتر گیا		تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

ان دونون شعرون کا فرق ہی ظاہر ہے۔

دبیر	یون متصل رسن سے بندھے تھے وہ دل فگار	رشتہ مین جیسے دانۂ تسبیح آبدار	

اہل حرم جو ایک ہی رسّی مین قید کیے گئے انکو تسبیح کے دانہ اور رشتۂ تسبیح سے تشبیہ دی ہے اور یہ تشبیہ بجاے خود بُری نہین، لیکن میر صاحب کی تشبیہ دیکھو ؎

	گردنین بارہ اسیرون کی ہین اور ایک رسن	جس طرح رشتہ گلدستہ مین گلہاے چمن	

تشبیہ کی لطافت اور نزاکت کے علاوہ، اصل تشبیہ مین کسقدر فرق ہے، تسبیح کے دانے رشتہ مین بندھے نہین ہوتے بلکہ پروے ہوتے ہین، بخلاف اسکے گلدستہ مین پھول رشتہ سے بندھے ہوتے ہین بندش کی صفائی کا جو فرق ہے وہ ظاہر ہے اسکے علاوہ مرزا صاحب کے ہان آبدار کا لفظ محض فضول اور بیکار ہے ؎

دبیر	بے جرم معرکہ مین وہ خار اشگاف تھی	لشکر کا خون کیا تھا مگر پاک صاف تھی	

مرزا صاحب نے اس مضمون کو نہایت خوبی اور صفائی سے ادا کیا ہے، میر انیس صاحب نے اس مضمون کو کئی کئی طرح سے پلٹا لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ بات نصیب نہ ہوئی، میر صاحب کہتے ہین ؎

انیس ان سب کے بعد مُنہ کو جو دیکھا تو صاف تھا۔

ایضاً جو چاہے دیکھ لے مرا مُنہ پاک صاف ہے ؎

"	دم مین نہ وہ غرور، نہ وہ خودسری رہی	مجرم وہی رہا، یہ خطا سے بری رہی،
مرزا دبیر	روکش، خدا کی فوج سے چھوٹے پڑے ہوئے	سجادہ سے امام زمن اُٹھ کھڑے ہوئے
میر انیس	طیار جان دینے پہ چھوٹے بڑے ہوئے	تلوارین ٹیک ٹیک کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے
دبیر	روشن پدر کا زور ہے دنیا و دین پر	شش در تھے، جبرئیل کے کٹے جبکہ تین پر
انیس	خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر،	کاٹے ہین کسکی تیغ دو پیکر نے تین پر
دبیر	بندھتی تھی، اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی،	انیس کھلتی تھین، اور جھپکتی تھین آنکھین حباب کی،

تمت

Biggest Urdu Literature Books Library
WWW.AdabiZouq.com